

یا اَللّٰهُ
جَلَّالٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

ۛ کلک رضا ہے خجرو نخواستار برق بار اعداد سے کہد و غیر منائیں نہ شتر کریں

صہیم قادری

صہیم قادری



”تحریری مناظرۂ تراویح“ میں غیر مقلدین آف جمیم یازغان کی عمر تنگ تار پختی شکستِ فاش کی مفصل رویداد اور
اس حوالہ سے اُن کے ایک بڑے بد زبان کے گالی نامہ
”ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ، خیانت اور جہالت کا پریشن“
کا ترکی بہ ترکی اور منہ توڑ جواب



اضرباتِ القاہرۃ

الموسوم بہ ﴿﴾
علیٰ جحمتہ کبیر من کبار الوہابیۃ



ایک غیر مقلد و ہابی ملاں کی خرافات، تلبیسات اور حماقات

المعروف ﴿﴾
کا
پوسٹ مارٹم



از قلم ﴿﴾

قاطع غیر مقلدیت مفتی عبد المجید خاں سعیدی رضوی
رحیم یار خان

میدیم
فادری

فوق الحق و بطل ما كانوا يعملون فغلبوا هنالك وانقلبوا صغیرین۔ وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ حق ثابت ہوا اور ان کے تمام ہتھکنڈے ناکارہ ہو گئے پس وہ وہیں شکست خوردہ ہوئے اور ذلیل و رسوا ہو کر لوٹے اور آپؐ یائیں حق آیا اور باطل ملیا میٹ ہوا بیشک باطل ملیا میٹ ہو چکی چیز ہے۔ (قرآن مجید الانعام: ۱۱۰)

”تحریری مناظرہ تراویح“ میں غیر مقلدین آف رحیم یار خان کی عبرتناک تاریخی شکستِ فاش کی مفصل روئید اور اس حوالہ سے ان کے ایک بڑے بد زبان کے گالی نامہ

”ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ، خیانت اور جہالت کا پرلشن“ کا ترکی بہ ترکی اور منہ توڑ جواب

الضربان القاهرۃ

علیٰ تجمة کبیر من کبار الوهابیۃ

المعروف

ایک غیر مقلد و ہابی ملاں کی خرافات، تلیسات اور حماقات

لوسر ط مارم

از قلم

قانع و ہابیت مفتی محمد عبد المجید خاں احمد رضوی

صدر مدرس و متم دارالعلوم جامعہ نبویہ (دارالعلوم جامعہ غوث اعظم نبویہ • رحیم یار خان • پنجاب • پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب الضربات القابہ علی جمیعہ کبیر من کبراء الوابیہ
المعروف ایک غیر مقلد و بانی ملان کی خرافات، تلبہ سات اور حماقات کا پوسٹ مارٹم
موضوع رکعات تراویح
مصنف مناظر اسلام، محقق عصر، استاذ العلماء قاصح و ہایت، قانع غیر مقلدیت
مفتی محمد عبد المجید خاں احمد سعیدی رضوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تعداد

مطبع

ناشر

تاریخ تالیف

تعداد صفحات

تبیغ ہدیہ

ہجج کنندگان

☆ مولانا سید شاہد علی جیلانی، امام و خطیب جامع مسجد نورانی عقب غلہ منڈی
☆ مولانا حافظ ریاض احمد خان، خطیب جامع مسجد غوثیہ رحمانیہ تھلی روڈ رحیم یار خان

(مستعملین جامعہ نبویہ و جامعہ غوث اعظم نبویہ رحیم یار خان)

نوٹ: تصحیح کی جتنی توسیع کوشش کی گئی ہے پھر بھی اغلاط کتابت سامنے آئیں تو مطلع فرمائیں۔ شکریہ

(مستعملین)

ملنے کے پتے

- کاظمی کتب خانہ - عقب جامعہ غوث اعظم داتا گنج بخش روڈ رحیم یار خان فون ۷۱۳۶۱
- کاظمی کتب خانہ - اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان
- مکتبہ قادریہ - جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور
- شبیر پور - ۴۰، بی، اردو بازار لاہور فون نمبر ۷۲۳۶۰۰
- پروگریسو بکس - ۴۰، بی، اردو بازار لاہور فون نمبر ۷۳۵۲۷۹۵

انتساب

فقیر اپنی اس ناچیز کاوش کو اپنے شیخ کریم، مربی گرامی، فقیہ النفس، مرجع العلماء

الاعلام مناظر اسلام حضرت قبلہ شیخ الحدیث

مولانا علامہ مفتی محمد اقبال صاحب سعیدی رضوی دامت برکاتہم

حال استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کی خدمت بابرکت میں بصد نیاز

بطور ہدیہ پیش کرتا اور آپ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے جن کی

تربیت اور کیسیا اثر نگاہ سے میں کچھ لکھنے پڑھنے کے لائق ہوا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مؤلف

فہرستِ عنواناتِ کتابِ ہذا

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۲۲	خطبہ	۱
۲۳	خلاصہ ترجمہ	۲
۲۴	افتتاحیہ	۳
۲۵	ہمارے رسالے کا قطعاً جواب نہیں	۴
۲۶	رسالہ غیر مقلدینہ کی شانِ نزول	۵
۲۶	منہ مانگی شکست کی تفصیل	۶
۲۷	منہ مانگی تحریری شکستِ فاش کا عکس	۷
۲۹	ایک اور سخت ہیرا پھیری	۸
۳۰	مؤلف کے جھوٹے ہونے کا ثبوت	۹
۳۰	مؤلف کے چھ جھوٹ	۱۰
۳۰	جھوٹ نمبر ۱ تا نمبر ۳	۱۱
۳۰	جھوٹ نمبر ۴	۱۲
۳۱	جھوٹ نمبر ۵	۱۳
۳۱	جھوٹ نمبر ۶	۱۴
۳۲	مؤلف کے خائن ہونے کا ثبوت	۱۵
۳۲	مؤلف کی چار خیانتیں	۱۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۱۷	خیانت نمبر ۱	۳۲
۱۸	خیانت نمبر ۲	۳۲
۱۹	خیانت نمبر ۳	۳۲
۲۰	خیانت نمبر ۴	۳۲
۲۱	مؤلف کے وصفِ جہالت کا ثبوت	۳۵
۲۲	مؤلف کی چھ خیانتیں	۳۵
۲۳	جہالت نمبر ۱ نمبر ۲	۳۵
۲۴	جہالت نمبر ۳	۳۵
۲۵	جہالت نمبر ۴	۳۶
۲۶	جہالت نمبر ۵	۳۷
۲۷	جہالت نمبر ۶	۳۸
۲۸	رسالہ غیر مقلد کا علمی مقام و مواد کی نوعیت	۳۹
۲۹	سابقہ رسالہ کی تلخیص	۳۹
۳۰	غیر متعلق بحثیں	۴۰
۳۱	فضول نکرار	۴۰
۳۲	اسلاف پر طعن	۴۰
۳۳	راقم الحروف کو سوغالیاں	۴۱
۳۴	درپردہ حدیث پر چوٹ	۴۲
۳۵	حواس باختگی و تضاد بیانی	۴۳
۳۶	مثال تضاد نمبر ۱	۴۳
۳۷	۲- ایک اور تضاد	۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۳۸	۳- ایک اور تضاد	۴۵
۳۹	ارتکابِ بدعات	۴۶
۴۰	تضاد نمبر ۴	۴۷
۴۱	تضاد نمبر ۵	۴۹
۴۲	تضاد نمبر ۶	۵۱
۴۳	تضاد نمبر ۷	۵۱
۴۴	ایماندہ اور اپنا طمانچہ	۵۳
۴۵	رسالہ کی ایک واقعی خوبی	۵۳
۴۶	عمل بالحدیث کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم	۵۴
۴۷	عمل بالحدیث الصحیح کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم	۵۶
۴۸	ایک اور دو غلط پالیسی	۵۶
۴۹	لطیفہ	۵۸
۵۰	روایتِ ہذا پر ایک اور طریق سے کلام	۵۸
۵۱	لطیفہ (مؤلف کی اندھی تقلید)	۵۹
۵۲	مؤلف کی اندھی تقلید	۵۹
۵۳	نوٹ	۶۰
۵۴	منہ توڑ جواب	۶۰
۵۵	پہلی بسم اللہ بتاؤنی خطبہ ہے	۶۲
۵۶	مؤلف بقلم خود بدعتی و جہنمی	۶۲
۵۷	توبہ کر لے ورنہ جائے جہنم	۶۳
۵۸	اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے	۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۵۹	مؤلف کی خارجیت	۶۶
۶۰	روایت ام المومنین میں مؤلف کی ہیرا پھیراں	۶۷
۶۱	بعد خطبہ پہلی چار سو بیسی	۶۷
۶۲	مرغے کی وہی ایک ٹانگ	۷۰
۶۳	خان کا حکم بقول مؤلف	۷۰
۶۴	رجسٹر خان و لعین	۷۱
۶۵	اس حدیث میں ایک اور تحریف	۷۲
۶۶	فیصلہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب	۷۶
۶۷	اقرار بے مذہبیت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۷۷
۶۸	ایک اور مغالطہ تلبیس اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم	۷۷
۶۹	ائمہ حدیث اور بزرگان غیر مقلدین سے تائید	۸۱
۷۰	امام ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ	۸۱
۷۱	۱۔ اقسطلانی وغیرہ کا فیصلہ	۸۲
۷۲	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فیصلہ	۸۲
۷۳	امام بخاری پر جھوٹ کا پوسٹ مارٹم	۸۲
۷۴	جواب نمبر ۱	۸۳
۷۵	جواب نمبر ۲	۸۳
۷۶	جواب نمبر ۳	۸۵
۷۷	جواب نمبر ۴	۸۵
۷۸	و بطریق آخر	۸۷
۷۹	جواب نمبر ۵	۸۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۸۰	جواب نمبر ۶	۸۹
۸۱	مضمون بالاک دیگر مثالیں	۹۱
۸۲	تین راتوں والی روایت کتاب الجمعہ میں	۹۲
۸۳	جواب نمبر ۷	۹۲
۸۴	جواب نمبر ۸	۹۳
۸۵	جھوٹ یا ہیرا پھیری	۹۴
۸۶	تین راتوں والی روایت کتاب التہجد میں لانے کی وجہ؟	۹۴
۸۷	ایک تازہ شبہ کا ازالہ	۹۵
۸۸	روایت "فی رمضان ولا فی غیرہ"	
	کوباب قیام رمضان میں رکھنے کی وجہ	۹۷
۸۹	جواب نمبر ۹	۹۹
۹۰	جواب نمبر ۱۰	۱۰۰
۹۱	جواب نمبر ۱۱	۱۰۰
۹۲	اعتراض فرسودہ ہے	۱۰۱
۹۳	دیگر محدثین کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم	۱۰۱
۹۴	بعض اقوال کے ذریعہ مغالطہ کا پوسٹ مارٹم	۱۰۴
۹۵	جواب نمبر ۱	۱۰۴
۹۶	جواب نمبر ۲	۱۰۵
۹۷	جواب نمبر ۳	۱۰۶
۹۸	جواب نمبر ۴	۱۰۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۹۹	علامہ لکھنوی مرحوم کی عبارت سے جواب	۱۰۹
۱۰۰	سہارن پوری اور علامہ قاری کی عبارت سے جواب	۱۱۱
۱۰۱	امام ابن ہمام کی عبارت کی صحیح توجیہ	۱۱۳
۱۰۲	کون سچا کون جھوٹا؟	۱۱۴
۱۰۳	اقراری جہالت	۱۱۵
۱۰۴	لطیفہ	۱۱۵
۱۰۵	لفظ تراویح پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم	۱۱۶
۱۰۶	نہایت	۱۱۸
۱۰۷	ایک اور لطیفہ	۱۱۸
۱۰۸	اپنی کتابوں سے فرار	۱۲۰
۱۰۹	اپنے بڑوں کی درگت	۱۲۲
۱۱۰	محدث مروزی کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم	۱۲۳
۱۱۱	الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے	۱۲۵
۱۱۲	ایک اور یا وہ گوئی کا پوسٹ مارٹم	۱۲۶
۱۱۳	مؤلف کا زبردست تاریخی جھوٹ	۱۲۷
۱۱۴	مذہب امام مالک در رکعات تراویح	۱۲۸
۱۱۵	۲۱ جواب پر لایعنی اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۱۳۰
۱۱۶	اقول	۱۳۰
۱۱۷	اولاً	۱۳۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۱۱۸	ثانیاً	۱۳۱
۱۱۹	اس کی مزید وضاحت	۱۳۱
۱۲۰	تحقیق مذہب امام مالک و توجیہ قول علامہ عینی و جوزی	۱۳۳
۱۲۱	آخری کیل	۱۳۶
۱۲۲	غلطی کا سبب	۱۳۷
۱۲۳	رد و ہم	۱۳۷
۱۲۴	ایک اور کاری ضرب	۱۳۸
۱۲۵	ایک اور ضرب قاہر	۱۳۸
۱۲۶	۳۱ رکعات کی توجیہ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۱۳۹
۱۲۷	جھوٹ یا کم ہنسی کا پوسٹ مارٹم	۱۴۲
۱۲۸	بد زبانی اور کج ہنسی کا پوسٹ مارٹم	۱۴۵
۱۲۹	امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم	۱۴۷
۱۳۰	اقول	۱۴۷
۱۳۱	عبارت کا صحیح محمل	۱۵۱
۱۳۲	تراویح کو متوکدہ کہنے پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۱۵۲
۱۳۳	”ہیں رکعتیں کبھی نہیں پڑھیں“ کا پوسٹ مارٹم	۱۵۳
۱۳۴	حدیث مرفوع سے ہیں کا ثبوت	۱۵۴
۱۳۵	مذکورہ روایت ابن عباس پر اعتراضات	۱۵۴
۱۳۶	جواب نمبر ۱، بجزمانہ خیانت	۱۵۵
۱۳۷	جواب نمبر ۲، ایک اور خیانت	۱۵۷

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۱۳۸	جواب نمبر ۳، اصل عبارت	۱۵۷
۱۳۹	جواب نمبر ۴، موضوع کی شرائط	۱۵۹
۱۴۰	جواب نمبر ۵، و بطریق آخر	۱۵۹
۱۴۱	جواب نمبر ۶، متروک کہنا بھی غلط ہے	۱۶۱
۱۴۲	جرم غیر مفسر ہے	۱۶۲
۱۴۳	ذرف نگاہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۶۲
۱۴۴	جواب نمبر ۷، دیگر جرحوں کا پوسٹ مارٹم	۱۶۳
۱۴۵	جواب نمبر ۸، ضعف سند، ضعف متن کو مستلزم نہیں	۱۶۳
۱۴۶	جواب نمبر ۹، دلیل صحت متن	۱۶۳
۱۴۷	ایک اور دلیل	۱۶۵
۱۴۸	جواب نمبر ۱۰، ضعف کب رد ہوتی ہے؟	۱۶۶
۱۴۹	و بطریق آخر	۱۶۷
۱۵۰	جواب نمبر ۱۱، ضعف بھی بعد کا ہے	۱۶۷
۱۵۱	جواب نمبر ۱۲، سند "ضعیف مطلقاً رد ہے تو؟"	۱۶۸
۱۵۲	جواب نمبر ۱۳، سخت نا انصافی پر احتجاج اور آخری کیل	۱۶۸
۱۵۳	حوالہ	۱۶۹
۱۵۴	اقول	۱۶۹
۱۵۵	ایک تازہ عذر لنگ کا پوسٹ مارٹم	۱۷۰
۱۵۶	تہجد و تراویح کے دو الگ الگ نمازیں	
	ہونے پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم	۱۷۱
۱۵۷	سننت لکم قیامہ پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم	۱۷۲

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۱۵۸	الجواب: اقول، رکعت	۱۷۳
۱۵۹	اعتراض لایعنی ہے	۱۷۳
۱۶۰	روایت صرف تائید پیش کی تھی	۱۷۴
۱۶۱	متن روایت مقبول و معتبر ہے	۱۷۴
۱۶۲	وجہ نمبر ۱..... معارضہ کی بنیاد غلط ہے	۱۷۴
۱۶۳	وجہ نمبر ۲..... اس کا متن، بیان حقیقت پر مبنی ہے	۱۷۵
۱۶۴	وجہ نمبر ۳..... دیگر دلائل بھی اس کے مؤید ہیں	۱۷۵
۱۶۵	مؤید نمبر ۱	۱۷۵
۱۶۶	مؤید نمبر ۲	۱۷۵
۱۶۷	مؤید نمبر ۳	۱۷۶
۱۶۸	مؤید نمبر ۴	۱۷۷
۱۶۹	مؤید نمبر ۵	۱۷۸
۱۷۰	مؤید نمبر ۶	۱۷۸
۱۷۱	مؤید نمبر ۷: خود مؤلف سے تائید	۱۷۹
۱۷۲	مؤید نمبر ۸: مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی	۱۷۹
۱۷۳	کچھ اور مجرمانہ خیانتیں	۱۸۰
۱۷۴	اقوال محدثین سے جواب	۱۸۲
۱۷۵	آخری کیل	۱۸۳
۱۷۶	نصہ پر بہتان کا پوسٹ مارٹم	۱۸۳
۱۷۷	مؤلف کے اولیٰ جواہر پارے	۱۸۵
۱۷۸	مصلیٰ کا پوسٹ مارٹم	۱۸۶

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۱۷۹	مضمون ہلاکی دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸ نیز دلیل نمبر ۱۰
۱۸۶	پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم
۱۸۷	الجواب: اقوال
۱۸۹	پیش کردہ روایات کی نوعیت
۱۸۹	استدلال کی بنیاد
۱۸۹	ایک مغالطہ کا پوسٹ مارٹم
۱۹۰	ایک نئی ایچ
۱۹۲	جہالت یا تحریف
۱۹۲	اسناد و روایات پر کلام
۱۹۶	دلیل نمبر ۹ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم
۱۸۷	عذر گناہ بد تراز گناہ
۱۹۸	"مؤلف کی بودم بے دالی" کا پوسٹ مارٹم
۱۹۰	روایت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر
۲۰۰	اعتراضات کا پوسٹ مارٹم
۲۰۱	اعتراض اول کا پوسٹ مارٹم
۲۰۲	اقوال
۲۰۲	اولاً
۲۰۲	ثانیاً
۲۰۲	ثالثاً
۲۰۳	رابعاً و بطریق آخر
۲۰۴	عبارت ہذا میں تراویح کی دلیل ہے

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۱۹۸	اعتراض دوم کا پوسٹ مارٹم
۱۹۹	الجواب
۲۰۰	تنبیہ نبیہ
۲۰۱	ابن خضیفہ ابن یوسف سے اوثق ہیں
۲۰۲	لطیفہ
۲۰۳	ایک ضمنی عیاری کا پوسٹ مارٹم
۲۰۴	مؤلف کی بودم بے دالی
۲۰۵	روایت ابن خضیفہ کی مزید وجہ ترجیح
۲۰۶	خود مؤلف اینڈ کمپنی کے خلاف
۲۰۷	امام احمد سے منسوب روایت سے جواب
۲۰۸	صنم ذہبی سے جواب
۲۰۹	صحیح توجیہ
۲۱۰	اعتراض سوم (جھوٹ اور افتراء) کا پوسٹ مارٹم
۲۱۱	اضطراب کس کی روایت میں
۲۱۲	اعتراض چہارم کا پوسٹ مارٹم
۲۱۳	مسئلہ "متابعت" میں مؤلف کی کج فہمی اور بھینکاپن
۲۱۴	متابعت کے وادیوں کی حقیقت
۲۱۵	ابن ابی الذباب کا بیان
۲۱۶	ابن خضیفہ کا بیان
۲۱۷	محمد بن یوسف کا بیان
۲۱۸	فائدہ سمجھ و تنبیہ نبیہ

۲۱۹	تقریر امام مالک سے جواب کا پوسٹ مارٹم	۲۲۵
۲۲۰	فضول تکرار	۲۲۶
۲۲۱	روایت حارث ابن ابی الذباب پر اعتراض کا	
	پوسٹ مارٹم	۲۲۶
۲۲۲	اقول	۲۲۷
۲۲۳	لطیفہ	۲۲۸
۲۲۴	مؤلف کی مزعومہ دو متابعیتوں کی حقیقت	۲۲۸
۲۲۵	اولاً	۲۲۸
۲۲۶	ثانیاً	۲۲۹
۲۲۷	ثالثاً	۲۲۹
۲۲۸	رابعاً	۲۲۹
۲۲۹	خامساً	۲۳۰
۲۳۰	امام عبدالرزاق پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۲۳۰
۲۳۱	اقول	۲۳۱
۲۳۲	مؤلف کی سخت کذب بیانی	۲۳۱
۲۳۳	مؤلف کے جھوٹ کا ایک اور ثبوت	۲۳۱
۲۳۴	ایک اور کاری ضرب	۲۳۲
۲۳۵	امام عبدالرزاق اور رافضیت	۲۳۲
۲۳۶	ظلم کی انتہاء	۲۳۴
۲۳۷	امام یحییٰ و امام احمد کے ترک کی حقیقت	۲۳۵

۲۳۸	بعض جروج محدثین کا صحیح محمل	۲۳۵
۲۳۹	امام عبدالرزاق، امام احمد کی نظر میں	۲۳۶
۲۴۰	امام بخاری کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے	۲۳۶
۲۴۱	امام عبدالرزاق کو مؤلف کے رافضی قرار دینے کی وجہ	۲۳۷
۲۴۲	قول نسائی "فیہ نظر" کا صحیح محمل	۲۳۷
۲۴۳	مؤلف کی دو غلط پالیسی، سینہ زوری اور عاجزی	۲۳۹
۲۴۴	الجواب (اقرار مجز)	۲۴۰
۲۴۵	دو غلط پالیسی	۲۴۲
۲۴۶	مؤلف کی سخت کج فہمی یا ہیرا پھیری	۲۴۲
۲۴۷	خانہ ساز اضافہ اور ڈھٹائی	۲۴۳
۲۴۸	ریت کی دیوار	۲۴۴
۲۴۹	مذہبی خود کشی کی بدترین مثال	۲۵۰
۲۵۰	سعودی نجدی اور میں تراویح	۲۴۴
۲۵۱	آخری کیل	۲۴۵
۲۵۲	بحث روایت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ثمان رکعات	۲۴۶
۲۵۳	الجواب	۲۴۷
۲۵۴	اولاً: مسئلہ تراویح اور گالی نامہ میں تعارض	۲۴۷
۲۵۵	ثانیاً	۲۴۸
۲۵۶	روایت جابر کے حوالہ سے مؤلف کے	
۲۵۰	واویلا کا پوسٹ مارٹم	۲۵۰
۲۵۰	انکار تعارض کا پوسٹ مارٹم	۲۵۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۲۵۸	اس کے جواب میں	۲۵۰
۲۵۹	الجواب: اولاً	۲۵۱
۲۶۰	ثانیاً	۲۵۱
۲۶۱	وبطریق آخر	۲۵۲
۲۶۲	حافظ ابن حجر کے عندیہ کی وضاحت	۲۵۲
۲۶۳	الجواب	۲۵۳
۲۶۴	وجہ دوم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۲۵۳
۲۶۵	تلمیحیں شدید	۲۵۴
۲۶۶	وجہ چہارم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۲۵۵
۲۶۷	اس گھر کو آگ لگ گئی	۲۵۵
۲۶۸	افول: اولاً	۲۵۶
۲۶۹	ثانیاً	۲۵۷
۲۷۰	ثالثاً	۲۵۷
۲۷۱	رابعاً	۲۵۷
۲۷۲	خامساً	۲۵۷
۲۷۳	دجل و تلمیحیں	۲۵۸
۲۷۴	امام بیہقی کے اس قول کا محمل	۲۵۹
۲۷۵	جواب ندارد	۲۶۰
۲۷۶	ایضاً "عجز مؤلف"	۲۶۰
۲۷۷	صبیح ابن حجر سے جواب کا پوسٹ مارٹم	۲۶۱
۲۷۸	گل پر اختتام	۲۶۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-----------	-------	-----------

۲۷۹	اقول	۲۶۲
۲۸۰	امام اعظم کی شان میں زبان درازی کا پوسٹ مارٹم	۲۶۲
۲۸۱	امام اعظم کی علمیت متفق علیہ ہے	۲۶۳
۲۸۲	امام اعظم لقب	۲۶۴
۲۸۳	الجواب: اولاً: تعصب مؤلف	۲۶۵
۲۸۴	ثانیاً: جروح کا جمالی جواب	۲۶۶
۲۸۵	امام ابن حجر عسقلانی کا دونوک فیصلہ	۲۶۶
۲۸۶	عبارت میزان کے حوالہ	۲۶۶
۲۸۷	سے اعتراض کا پوسٹ مارٹم	۲۶۷
۲۸۷	اولاً: عبارت الحاقی ہے	۲۶۷
۲۸۸	دلیل نمبر ۱	۲۶۷
۲۸۹	دلیل نمبر ۲	۲۶۸
۲۹۰	دلیل نمبر ۳	۲۶۸
۲۹۱	دلیل نمبر ۴	۲۶۹
۲۹۲	دلیل نمبر ۵	۲۶۹
۲۹۳	فرض نسائی و ابن عدی کے اقوال کا تاہر توڑ جواب	۲۶۹
۲۹۴	تو اس کا جواب	۲۷۰
۲۹۵	جروح نسائی و ابن عدی کے غیر معتبر ہونے کی دیگر وجوہ	۲۷۱
۲۹۶	حال جروح نسائی	۲۷۱
۲۹۷	حال جروح ابن عدی	۲۷۲

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۲۹۸	کسی محدث کی جرح علی الاطلاق معتبر نہیں	۲۷۳
۲۹۹	امام اعظم ائمہ نقاد سے ہیں	۲۷۵
۳۰۰	ایک اور طرح سے	۲۷۵
۳۰۱	جرح خطیب کا ایک اور جواب	۲۷۸
۳۰۲	بعض ائمہ کے حوالہ سے مغالطہ اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم	۲۷۸
۳۰۳	اقول	۲۷۹
۳۰۴	محاکمہ و تقابل کا پوسٹ مارٹم	۲۷۹
۳۰۵	بعض محدثین پر افتراء تصحیح کا پوسٹ مارٹم	۲۸۰
۳۰۶	بعض احناف کے اقوال سے مغالطہ اور بد زبانی	۲۸۱
	کا پوسٹ مارٹم	۲۸۱
۳۰۷	علامہ عینی اور علامہ زہلمی پر افتراء	۲۸۲
۳۰۸	علامہ ابن ہمام نیز علامہ زہلمی کی عبارت کا صحیح محمل	۲۸۳
۳۰۹	علامہ علی قاری کی عبارت کی صحیح توجیہ	۲۸۵
۳۱۰	کشمیری صاحب کے حوالہ سے جواب	۲۸۶
۳۱۱	صنیع عینی و قاری کا صحیح محمل	۲۸۷
۳۱۲	بحث روایت ابی رضى اللہ تعالیٰ عنہ	۲۸۸
۳۱۳	الجواب	۲۸۸

جوابات پر اعتراضات نیز یادہ گوئیوں کا پوسٹ مارٹم

نمبر شمار عنوان صفحہ نمبر

۳۱۵	اقول	۲۹۰
۳۱۶	"یعنی فی رمضان کا قائل کون؟"	۲۹۰
۳۱۷	اعادہ جھوٹ	۲۹۱
۳۱۸	ایک اور جھوٹا دعویٰ	۲۹۲
۳۱۹	بناء الفاسد علی الفاسد	۲۹۳
۳۲۰	اقول	۲۹۳
۳۲۱	جماعت تہجد	۲۹۳
۳۲۲	مطلق متقید کے چکر کا پوسٹ مارٹم	۲۹۴
۳۲۳	اقول: اولاً	۲۹۴
۳۲۴	ثانیاً	۲۹۴
۳۲۵	ثالثاً	۲۹۴
۳۲۶	رابعاً	۲۹۵
۳۲۷	خامساً	۲۹۵
۳۲۸	امام اعظم پر ایک بار پھر طعن اور زبان	۲۹۵
	درازی کا پوسٹ مارٹم	۲۹۵
۳۲۹	حسن اسناد، حسن حدیث کو مستلزم نہیں	۲۹۶
۳۳۰	مبارک پوری کی طرف سے عذر لنگ	۲۹۷
۳۳۱	اقول	۲۹۷
۳۳۲	جھوٹ پر خاتمہ	۲۹۸
۳۳۳	اقول	۲۹۸
۳۳۴	مولف کی شیخوہوں، تلامیوں، ڈیٹلوں	۲۹۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطبہ :- نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَتَبِعِهِ أَجْمَعِينَ

اما بعد فقد قال الله تعالى في الكلام المجيد والفرقان الحميد
فوقع الحق وبطل ما كانوا يعملون فغلبوا هنالك وانقلبوا صغرين-
وقال في مقام آخر وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان
زهوقا وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " ياتي في آخر الزمان
قوم حدثاء الاسنان سفهاء الاحلام يقولون من خير قول البرية
يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية لا يجاوز ايمانهم
حناجرهم " الحديث (رواه الامام البخاري في صحيحه عن
امير المؤمنين علي المرتضى كرم الله وجهه الكريم) وفي رواية
عنده تحقرون صلواتكم مع صلواتهم وصيامكم مع صيامهم
وعملكم مع عملهم الحديث (رواه البخاري عن الخدري رضي الله عنه)
مرفوعا وفي رواية "اياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم" الحديث
(رواه مسلم وغيره) وقال ايضا من حمى مؤمنا من منافق يعيبه
بعث الله تبارك وتعالى ملكا يحمي لحمه يوم القيمة من نار جهنم
الحديث رواه الامام احمد (مسند ۳، صفحه ۲۳۱)

(صدق الله العظيم وصدق رسول النبي الكريم ونحن على ذلك
لمن الشاهدين و الشاكرين والموقنين والمطمئنين والحمد لله رب
العلمين -----)

صفحہ نمبر

نمبر شمار عنوان

۲۹۸	اور لاف گزاف کا پوسٹ مارٹم
۲۹۹	۳۳۵ حنفیت کو باطل کہنے کی عقل کا پوسٹ مارٹم
۲۹۹	۳۳۶ اقول
۳۰۲	۳۳۷ چیلیج بازیوں کا پوسٹ مارٹم
۳۰۳	۳۳۸ لفظ تراویح پر چیلیج کا پوسٹ مارٹم
۳۰۴	۳۳۹ اقول
۳۰۴	۳۴۰ شمولیت صحابہ پر چیلیج کا پوسٹ مارٹم
۳۰۴	۳۴۱ اقول
۳۰۵	۳۴۲ بیس تراویح پر چیلیج بازی کا پوسٹ مارٹم
۳۰۵	۳۴۳ اقول
۳۰۷	۳۴۴ مؤلف گیدڑ بھیکیوں کا عادی ہے
۳۰۷	۳۴۵ مؤلف کی آخری ڈینگ کا پوسٹ مارٹم
۳۰۸	۳۴۶ اقول
۳۰۸	۳۴۷ آئندہ جواب کی نوعیت
۳۰۹	۳۴۸ مؤلف کا اختتامیہ اور تابوت غیر مقلدیت میں ہمارا آخری کیل
۳۱۱	۳۴۹ غیر مقلدین کے عقائد و نظریات
۳۱۷	۳۵۰ غیر مقلدین کے بعض شرمناک مسائل
۳۲۰	۳۵۱ اشتہار واجب الانظار

خلاصہ ترجمہ :-

یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : اے محبوب (ﷺ) آپ فرمادیں، حق آیا اور باطل ملیا میٹ ہوا، بلاشبہ باطل ملیا میٹ ہونے کی چیز ہے (اسراء پ ۱۵، آیت ۸۱)

نیز فرمایا : حق ثابت ہوا اور ان کے تمام ہتھکنڈے ناکارہ ہو کر رہ گئے تو انہیں وہیں پر ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ (الاعراف، پ ۹، آیت ۱۱۸، ۱۱۹)

اور رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا : آخری زمانہ میں ایک ٹولہ نکلے گا جس کے نوجوان بھی احمق ہوں گے (یعنی ان کے بوڑھے تو ویسے ہی علم و عقل سے فارغ ہوں گے) وہ قرآن حدیث کی رٹ لگائیں گے، ان کے نماز روزہ اور ظاہری نیک عمل دیکھو گے تو تمہیں تمہارے نماز روزہ اور نیک عمل ان کے مقابلہ میں معمولی اور حقیر نظر آئیں گے، وہ اسلام سے ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان کا ایمان محض زبانی کلامی ہو گا۔ (نیز فرمایا) تم ایسوں کو خود سے اور خود کو ایسوں سے دور رکھو کہ وہ کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں کسی فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

نیز فرمایا : جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی منافق کے ضرر سے بچائے اللہ تبارک و تعالیٰ روز قیامت ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔

افتتاحیہ :-

ۛ رضا کے سامنے کی تاب کس میں
فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث

ۛ کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

بہت سے احباب نے

”ایک بریلوی مولوی کے جھوٹ خیانت اور جہالت کا اپریشن“ نامی ایک رسالہ کی چند کاپیاں دکھائیں اور اس کے جواب کا پر زور مطالبہ بھی کیا جس پر بطور مؤلف یہاں شہرہی کے ”عبد اشیم بشیر احمد حسیم“ نامی ایک غیر مقلد مولوی صاحب کا نام لکھا ہے۔ رسالہ ہذا کو یہاں کے غیر مقلدین نے بٹ اسلامی کتب خانہ ”نامی ایک فرضی (یا کم از کم انتہائی غیر معروف) مکتبہ کی جانب سے شائع کیا ہے۔ رسالہ ہذا کا بنیادی مقصد، سابق کی طرح ایک بار پھر ”کل جدید لذیذ“ کے پیش نظر ۲۰ تراویح کو خلاف سنت، بدعت اور اس کے قائلین کو جہنمی و بدعتی نیز آٹھ تراویح کو سنت نبویہ قرار دینے کی نئی اور جدید بات کر کے اپنی پھینکی دکان کو چمکانا، سستی شہرت حاصل کرنا اور عبادت الہیہ سے نفرت کی حد تک پس و پیش کرنے والے یا کم از کم اختصار پسند دنیا دار طبقہ کی ہمدردیاں حاصل کر کے ان میں بکسانی اپنے نجدی عقائد و نظریات کے زہریلے جراثیم کا پھیلانا ہے۔

رسالہ ہذا ہمارے رسالہ کا قطعاً جواب نہیں ہے۔

رسالہ ہذا کو ہمارے رسالہ ”آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ“ کا جواب ظاہر کیا گیا ہے جو ہم نے مؤلف کے ایک رسالہ ”مسئلہ تراویح“ کے جواب میں تحریر کیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے اس رسالہ کا قطعاً جواب نہیں بلکہ یہ ایک مجموعہ مغالطات ہے جو محض شرم مٹانے، اپنی منہ مانگی شکست فاش کو شور و غل کر کے چھپانے اور محض دفع و تقی کرتے ہوئے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے شائع کیا گیا ہے جس کے لئے ہم مزید کچھ کہنے کی بجائے اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارے

متلاشیانِ حق اور طالبینِ حقیقت منصف مزاج قارئین اس پروپیگنڈہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے دونوں رسائل کا غیر جانبدارانہ تقابلی مطالعہ فرما کر اس کا خود ہی مبنی بر انصاف فیصلہ فرمالیں۔ (وما علینا الا البلاغ المبین)

مؤلف کے رسالہ ہذا کی شانِ نزول اور اس کی منہ مانگی شکست کی تفصیل :-

علاوہ ازیں اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو اس کے لئے مؤلف کے اس رسالہ کی شانِ نزول اور پس منظر سے آگاہی حاصل کر لینا کافی رہے گا جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۹۱ء بروز اتوار میں انہوں نے ۲۰ تراویح کے خلاف اور آٹھ تراویح کے سنتِ نبویؐ ہونے کے اثبات کی غرض سے ”مسئلہ تراویح“ کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کیا اور اس کے جواب کا مطالبہ کیا جس سے انہوں نے بناوٹی فاتح بننے کی غرض سے سوچا یہ تھا کہ رمضان المبارک کی گوناگوں شدید مصروفیات کے باعث ادھر سے جواب یقینی طور پر جلد نہیں آ سکے گا اور انہیں کچھ عرصہ شور مچانے اور بغلیں بجانے کا موقع ہاتھ آ جائے گا مگر بفضلہ تعالیٰ مؤلف کی اس سازش کو ناکام بناتے ہوئے ہم نے اس کا بقدر کفایت جواب چند گھنٹوں میں مرتب کر کے بروقت ہفتہ عشرہ میں پیش کر دیا جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس حالیہ رسالہ کے آخر میں لکھا ہے۔

”یہ تو تمہارے علمی تحقیق جائزہ کا جواب ہوا جو تمہاری چند گھنٹوں کی محنت تھی“ اہ ملاحظہ ہو (ص ۵۰)

ع جادو وہ جو سرچڑھ کر بولے

پھر کئی مختلف ذرائع سے ہم نے (اہل علم کی روش پر چلتے ہوئے) اپنا یہ رسالہ مؤلف کے ہاتھوں میں پہنچوایا مگر جواب کے کئی بار پُر زور اور شدید

مطالبات کے باوجود ان کی طرف سے ”صدائے برنخواست“ اور ایسی خاموشی طاری رہی جیسے انہیں کوئی کالا سونگھ گیا ہو۔

اس کے تقریباً "تین سال کے بعد (۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۹۳ء بروز جمعرات) ہمارے دو غیور سنی نوجوانوں گلزار احمد صاحب زرگر اور محمد اختر صاحب زرگر عرف ننھا کی سر توڑ کوششوں سے "ریاضِ بٹ" اور "فاروق" نامی مؤلف کے دو مقلد، اپنی زیر دستخطی یہ تحریر ہمیں دے کر وعدہ کر گئے کہ وہ ہفتہ عشرہ میں اس کا مکمل تحریری جواب لا کر دیں گے۔ اگر وہ اس مدت میں مطلوبہ جواب لا کر نہ دیں تو مؤلف موصوف سمیت ان کی پوری جماعت کی شکست فاش ہوگی (جو ریکارڈ پر محفوظ ہے اور اس کا عکس حسب ذیل ہے):

منہ مانگی تحریر شکست فاش کا عکس :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسم الله الرحمن الرحيم

باعث تحریر انکم منکم ریاضی ہٹ ولد عبد الرشید ہٹ اود منکم محمد علی ولد بن اود
مبارک مسجد ان الحوت رحیم ریاضی سے ازان مفتی عبد الرشید محمد مدرس دہتم جہم
عوض اعظم وعلیہ لاری جامع مسجد شادی رولڈ باجی علی مشی تھانہ لاری رحیم ریاضی
ان ما، سرکاری پندرہ جمع فی مسئلہ کے دل کہ مسئلہ تراویح" کا جواب "آپ تراویح کے دلائل تقیق
جس کے ہم انہیں سرکاری پندرہ جمع سے تحریری جواب لاکر دیئے تھے اور یہ جواب اس زمانہ میں ہی پہنچا تھا
وہرول یا یا یہ تحریر کر دی ہے تاکہ سند ہے (اور بوقت عزت کام آئے فقط

گواہ شد

شکرت و حمد

3-3-44

۲۰ رمضان المبارک

العبد

ریاض بنی و الدین

2012/12/27

W-1-97

گوان شہ

رافض

3.3.

18/12/2019

مگر شدید انتظار کے باوجود وہ ہفتہ، مہینہ اور سال کیا اس پر کم و بیش مزید دو سال گزر گئے لیکن اس کا جواب آنا تھا نہ آیا۔ جس سے اخلاقاً ”قانوناً“ اور شرعاً ہر طرح سے ان کی منہ مانگی اور اقراری شکست ہو گئی جس کے بعد اس موضوع پر انہیں مزید کچھ کہنے یا لکھنے کا کوئی حق باقی نہ رہا۔ باین ہمہ اپنی جماعت کے شرم دلانے پر مؤلف نے یہ رسالہ شائع کر کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت شوخ چشمی سے اس کے جواب کا مطالبہ شروع کر دیا جو ہمارے رسالہ ”تحقیق جائزہ“ کی اشاعت کے بعد بحساب سٹشی پورے چار سال نو ماہ تیس ایام اور بحساب قمری چار سال گیارہ ماہ اور انیس ایام (کچھ دن کم پورے پانچ سال) کے طویل عرصہ کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۹۶ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چار بجے شام ہمارے سامنے منظر عام پر آیا اور اس میں بھی مؤلف نے ”اپنی پرانی عادت“ کے مطابق کئی چالاکیاں کیں اور کئی کھیل کھیلے۔ مثلاً ”سابقہ رسالہ کی طرح اسے بھی اواخر رمضان المبارک میں تقسیم کرایا تاکہ شدتِ مصروفیات کے باعث ان کے خصم کو اس کا جواب جلد شائع کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ نیز اس میں اول سے آخر تک کہیں بھی اس کی تاریخ اشاعت درج نہیں کی تاکہ وہ عوام کو بآسانی یہ دھوکہ دے سکیں کہ انہوں نے ہمارے مذکورہ جواب طلب رسالہ (تحقیق جائزہ) کا جواب فوراً“ لکھ دیا تھا یا کم از کم ناواقفوں کی اس طرف توجہ نہ جاسکے پھر بھی مؤلف نہایت دیدہ دلیری سے ہم ہی پر یہ الزام رکھتا ہے کہ ہم نے وہ رسالہ اپنے عوام کو دھوکہ دینے اور انہیں خوش کرنے کی غرض سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۱)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو ہیرا پھیری اور ہاتھ کی صفائی دکھانے کے فن میں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ زندہ باد۔

۴۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند۔

۵۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایک اور سخت ہیرا پھیری :-

رسالہ ہذا میں مؤلف نے نہ صرف یہ کہ اپنے سابقہ رسالہ میں بولے گئے جھوٹ نیز حضور نبی کریم ﷺ کی (صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہا کی) ایک حدیث میں کی گئی اپنی مجرمانہ خیانت اور کئی طرح سے اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کا گھناؤنا اقدام کیا ہے (جس کی نشان دہی کر کے ہم نے بجا طور پر ان سے توبہ کا مطالبہ کیا تھا) بلکہ ۵۔ ”النا چور کو توال کو ڈانے“ کا انگریزی فارمولا اپناتے ہوئے اس نے اس احسان کا صلہ ہمیں یہ دیا اور سخت ہیرا پھیری کرتے ہوئے ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ بے جا انتقام پر اتر کر اپنا یہ جرم ہم پر ڈالنے اور نہایت درجہ متکبرانہ انداز اور سوقيانہ لہجے میں بات کرتے ہوئے عوام کو یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ہم نے معاذ اللہ اپنے رسالہ میں اس کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے نیز صفحہ ۱ پر بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں: ”بندہ مذنب کے رسالہ (مسئلہ تراویح) کا بزم خود جامع جواب دیتے ہوئے ایک بریلوی مولوی عبدالجید سعیدی رضوی صاحب نے..... جس جھوٹ خیانت اور جہالت یا تجاہل کا ارتکاب کیا ہے اس کی حقیقت واضح کی جا رہی ہے اھ۔ جو بہت بڑا ظلم اور سخت زیادتی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ وہ ادھر ادھر کی ہانک کر اپنے نامہ اعمال کی طرح اپنے رسالہ کے پچاس صفحات تو سیاہ کر گئے ہیں مگر اپنے اس بے بنیاد باطل دعویٰ کا کوئی ایک بھی صحیح شرعی ثبوت پیش کرنے سے سخت عاجز اور بری طرح ناکام رہے ہیں اور نہ ہی وہ انشاء اللہ آئندہ اسے کبھی ثابت کر سکتے ہیں ہاں البتہ وہ یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس کے جواب میں بھی مزید ایک اور جھوٹ کا پلندہ تیار کر کے شائع کر دیں جس سے انہیں روکنا بھی کسی کے بس کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک خالص قسم کے غیر مقلد ”محقق“ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب (جھوٹ خیانت اور جہالت جنہیں انہوں نے ازراہ بہتان ہم

سے منسوب کیا ہے) ان کے ذاتی اور ان کے اپنے ”اوصاف حمیدہ“ ہیں اور یہ ان کی طرح ہمارا محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہمارے پاس اس کے ٹھوس قسم کے کئی مضبوط شواہد موجود ہیں۔ باقی جن باتوں کو انہوں نے کھینچا تانی سے جھوٹ خیانت اور جہالت یا تجاہل کا نام دے کر انہیں اپنے اس جھوٹے دعویٰ کی دلیل بنانے کی مذموم کوشش کی ہے وہ ان کی اپنی تراش خراش، کم علمی، کج فہمی اور تلبیس کا نتیجہ ہے (جیسا کہ اپنے مقالات پر بالتفصیل آ رہا ہے) پس کھوپڑی کسی کی اپنی خراب ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ (لیجئے ہمارے مذکورہ دعویٰ کے بعض دلائل حاضر ہیں)

مؤلف کے جھوٹے ہونے کا ثبوت :-

جھوٹ نمبر ۱ تا نمبر ۳ :-

ان کے تین جھوٹ تو وہی ہوئے جو انہوں نے کذب بیانی کرتے ہوئے ہم پر (جھوٹ، خیانت، اور جہالت کے) بیک وقت تین جھوٹے الزامات کے رکھنے کے ضمن میں بولے ہیں۔

جھوٹ نمبر ۴ :-

نیز اپنے اسی رسالہ میں (صفحہ ۲۶ پر) ہمارے اس قاہر سوال کے جواب سے عاجز آکر (کہ اگر تہجد اور تراویح ایک ہے تو غیر مقلدین صرف آٹھ رکعات ہی کو مسنون کہہ کر اسے ہی کیوں پڑھتے ہیں چار، چھ اور دس رکعات تہجد بھی تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے پس وہ انہیں سنت کہہ کر رمضان المبارک میں کبھی کبھی انہیں کیوں ادا نہیں کرتے؟) نہایت شوخ چشتی سے یہ جھوٹ بول دیا کہ وہ کبھی کبھی آٹھ سے کم (یعنی ۷، ۵، ۳ اور ایک رکعت) اور کبھی کبھی آٹھ سے زائد (یعنی ۹، ۱۱، ۱۳ رکعات) تراویح بھی پڑھتے ہیں جس کے جھوٹ ہونے میں کسی جھوٹے کو بھی ذرہ بھر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کیا وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور قسم اٹھا کر بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے کب، کہاں اور کس مسجد

میں آٹھ سے کم یا زائد تراویح پڑھائی یا پڑھوائی تھی اور کیا وہ یہ لکھ کر دے سکتے ہیں کہ اگر یہ ان کا جھوٹ ہو تو ان کی موجودہ یا متوقع بیوی پر ان کے نظریہ کے مطابق پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں؟؟؟

جھوٹ نمبر ۵ :-

نیز ایک جھوٹ انہوں نے یہ بھی بولا کہ مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کا ایک حوالہ نقل کر کے ہمارے عوام پر رعب جھاڑنے اور اپنے فضول حوالہ جات کا نمبر بڑھانے کی غرض سے کشمیری صاحب مذکور کو ہمارا پیشوا اور ہمارے مسلک کا انتہائی کثیر العلم اور ذمہ دار عالم بنا کر پیش کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶) جب کہ انہیں اچھی طرح نہ صرف معلوم ہے بلکہ انہیں اس کا اقرار بھی ہے کہ موصوف قطعاً ہمارے پیشوا نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اس رسالہ کی ابتداء ہی ہمیں ”بریلوی“ لکھ کر کی ہے جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے جب کہ کشمیری صاحب موصوف، بریلوی نہیں، دیوبندی ہیں۔ سچ ہے

ع ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

جھوٹ نمبر ۶ :-

مؤلف موصوف اس حوالہ سے بڑے باہمت اور اپنے فن میں کامیاب ترین شخص ثابت ہوئے ہیں جس پر وہ شاباش کے مستحق بھی ہیں کہ انہوں نے اپنے اس ”رسالہ مبارک“ کو اول سے آخر تک ایک ہی نہج پر رکھ کر اس کے مقررہ معیار و مقام سے گرنے نہیں دیا۔ چنانچہ جس طرح انہوں نے اس کا آغاز جھوٹ سے کیا تھا، اسے انجام بھی جھوٹ ہی کا دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے آخری صفحہ پر آخری جملوں میں ہمارے رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : ”تم نے حبیب الرحمن اعظمی دیوبندی کے رسالہ بنام ”رکعات تراویح“ سے نقل کر کے چند گھنٹوں میں تیار کیا“ اھ

اگرچہ کسی علمی تحقیقی کتاب سے استفادہ کوئی جرم اور کچھ معیوب نہیں کہ (الحکمة ضالة المؤمن الخ) تاہم حقیقت یہ ہے کہ اعظمی صاحب موصوف کی یہ کتاب ہمارے پاس ہماری (ذاتی اور دارالعلوم کی کسی بھی) لائبریری میں سرے سے ہے ہی نہیں پس ہم نے اس سے نقل کہاں سے لے لی جب کہ ہم نے ان کی وہ گھر والی ذاتی کتاب ”رکعات تراویح“ بھی کبھی نہیں دیکھی۔ پس یہ ان کا چھٹا جھوٹ ہوا۔ دراصل یہ جھوٹ انہوں نے حفظ ماقدم کے طور پر اپنے ایک اور کروت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے بولا ہے کیونکہ ان کے اس رسالہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے گالیوں اور ادھر ادھر کی غیر متعلق باتوں کے علاوہ مسئلہ ہذا کے حوالہ سے جو بعض الٹی سیدھی بجیش لکھی ہیں وہ انہوں نے اپنے ایک غیر مقلد پیش رو مولوی عبدالرحمن مبارک پوری کی کتاب تحفۃ الاخوان جلد ۲ کے متعلقہ ابواب سے نقل کر کے اپنے اس رسالہ میں بھرتی کی ہیں جس کا انہیں خود کو بھی اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ ۱۳، صفحہ ۳۷، صفحہ ۴۲ رسالہ مذکورہ)۔ خلاصہ یہ کہ مؤلف نے یہ جھوٹ محض اپنے ایک کروت کو چھپانے کی غرض سے بولا ہے البتہ ”چند گھنٹوں میں تیار کیا“ کے لفظ لکھ کر اس حقیقت کو ڈکنے کی چوٹ تسلیم کر لیا ہے کہ ہم نے ان کا قرض واقعی پہلی فرصت میں اور بروقت چکایا تھا۔

والفضل ما شهدت به الاعداء

(لیجئے اب ان کے وصفِ خیانت سے پردہ اٹھتا ہے)۔

مؤلف کے خائن ہونے کا ثبوت

خیانت نمبر ۱:

مؤلف کی ایک مجرمانہ خیانت تو وہی ہے جس کا ارتکاب انہوں نے اپنے سابقہ رسالہ (مسئلہ تراویح) میں کیا تھا جسے انہوں نے اپنے اس رسالہ میں بھی

تسلیم کیا ہے چنانچہ ہتجد کے بارے میں حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نقل کرنے میں عدا ”قصدا“ اور جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے انہوں نے یہ خیانت کی تھی کہ اس کے وہ الفاظ جو اس کے دربارہ ہتجد ہونے پر واضح قرینہ ہیں (یعنی اتنام قبل ان توتر الخ انہیں وہ) شیرمار سمجھ کر ہضم کر گئے تھے جن پر ہم نے انہیں اپنے رسالہ میں بجا طور پر جھنجھوڑتے ہوئے اس مجرمانہ خیانت پر ان سے سخت جواب طلبی کی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ”باقی رہا یہ سوال کہ میں نے ان آخری الفاظ کو ذکر کیوں نہیں کیا؟ اھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)“ ذکر کیوں نہیں کیا“ کے لفظوں سے مؤلف نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے بھولے سے نہیں بلکہ عدا ”ان لفظوں کو چھپا کر واقعی خیانت کا ارتکاب کیا تھا اور ہم ان پر مجرمانہ خیانت کا یہ الزام رکھنے میں حق بجانب تھے جس کے بعد مزید کسی ثبوت کے پیش کرنے یا ڈنڈا لے کر ان پر بدستی کچھ منوانے کی کوئی حاجت نہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

باقی ”کیوں“ کی توجیہ میں انہوں نے جو عذر پیش کیا ہے وہ بھی ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا صحیح مصداق ہے (جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل آرہی ہے) مگر اس کے باوجود مؤلف کے لفظوں میں اس کی عیاری اور مکاری دیکھیں کہ اس نے کتنی چابک دستی سے اپنا یہ جرم ہم پر ڈالتے ہوئے کس درجہ ڈھٹائی سے یہ لکھ دیا ہے کہ ”یہ ہوائی مولوی لوگوں کو صرف وہی بات بتاتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہو۔ کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی طرح دین میں خیانت کرتے ہوئے جو ان کے خلاف ہو اس کو چھپا لیتے ہیں“ اھ بلفظ ملاحظہ ہو صفحہ ۲ ایسی ہی یا وہ گوئی صفحہ ۳ پر بھی کی ہے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کہہ دیتا کہ

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

خیانت نمبر ۲:

خان مولف صفحہ ۵ پر دو راویوں (محمد بن یوسف اور ابن خنیفہ) کا جرح و تعدیل کے حوالہ سے تقابل کرتے ہوئے تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کا حوالہ دے کر اول الذکر کے بارے میں لکھا کہ وہ ”ثقة ثبت“ ہے ہر کتاب کے ساتھ انہی کتابوں کے حوالہ سے ثانی الذکر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صرف ”ثقة“ ہے اس لیے اول کو ثانی پر ترجیح ہے جب کہ انہی کتب میں ثانی الذکر کو بھی ”ثقة“ کے ساتھ ”ثبت“ بھی لکھا ہے۔ یہ ہاتھ کی صفائی انہوں نے اس لیے دکھائی کہ ان کے زعم میں اول الذکر کی وہ روایت خوش فہمی سے ان کے مزعوم کے موافق اور ثانی الذکر کی بحث فیہ روایت فی الواقع بیس تراویح کی مؤید ہے (جس کی تفصیل متعلقہ مقام پر آ رہی ہے) جو ان کی تاریخی بددیانت خیانت ہے۔

خیانت نمبر ۳:

نیز مولف نے اپنے اس رسالہ میں کئی مقامات پر ”حدیث مرسل“ کو مطلقاً غیر مقبول اور مردود لکھا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴، ۱۷) حالانکہ بعض ائمہ راوی تابعی کے معتد ہونے کی صورت میں علی الاطلاق اور بعض کچھ شرائط کے ساتھ اس کی حجت کے قائل ہیں۔ کما سنبینہ انشاء اللہ یہ کھیل بھی مولف نے اس لیے کھیلا کہ وہ بحث فیہ روایت ان کے پہلے سے طے کردہ نظریہ کے برخلاف جا رہی تھی۔ جو ان کی ایک اور مجرمانہ خیانت ہے۔

خیانت نمبر ۴:

علاوہ ازیں سابقہ اور حالیہ دونوں رسائل میں متعدد مقامات پر مولف نے نماز ہتھ، نماز تراویح اور نماز وتر کو ایک ہی نماز کے کئی نام قرار دیا ہے جس کی

بنیاد دلائل میں قطع و برید پر ہے جو ظاہر ہے بہت بڑی خیانت ہے۔

مولف کے وصف جہالت کا ثبوت :-

مولف کا یہ وصف اس کے مذکورہ دو اوصاف پر نمایاں طور پر غالب ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ اس کے دوسرے وہ اوصاف بھی درحقیقت اس کے اسی وصف (جہالت) کے مرہون منت ہیں کیونکہ جھوٹ اور خیانت، جہالت ہی کا نتیجہ اور کرشمہ ہوتے ہیں جس کی ان کے اس رسالہ میں بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں سب کے احصاء کا تو یہ مختصر رقیہ متحمل نہیں۔ مالا یدرک کلمہ لا یتدرک کلمہ کے پیش نظر ”شتہ نمونہ از خروارے“ کے طور پر اس کی چند مثالیں محض عنوان کو تشہید تکمیل رہنے سے بچانے کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔ فلیمنا حظ:

جہالت نمبر ۱۔۔۔ ۲

مولف نے اپنے اس رسالہ کے ٹائٹل نیز اس کے صفحہ نمبر ۱ پر لفظ ”آپریشن“ کو آپریشن لکھا ہے جس سے اس کی علمی بے مائیگی اور جہالت کا پتہ چلتا ہے (فیاللعجب ولضیعة الادب) بلکہ اس کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ اسے ایک عام سالفظ بھی صحیح طور پر لکھتا نہیں آیا چنانچہ اس نے ”رحیم یار خاں“ کو ”رحیم یار خان“ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ٹائٹل۔

جہالت نمبر ۳:

رسالہ کے ٹائٹل والے صفحہ پر عنوان رسالہ کے نیچے لکھا ہے ”مولفہ من عبدہ الاشیم بشیر احمد حسین“ اھ بلقلم اپنے منہ میاں مٹھو جنتے ہوئے بزبان خود اپنی علیت کا ڈھنڈورا پیٹنے اور حد سے زیادہ اس کا پڑپیگندہ کرنے والے اس ”پیکر علم“ سے کوئی پوچھے کہ عربی گرائمر کی رو سے یہاں لفظ ”مولفہ“ کے بعد ”من“ کا اضافہ کرنے کی کیا تمکنتی ہے اور وہ یہاں کس معنی کی لائی گئی ہے

ہے؟ نیز ”عبدہ“ کے لفظوں میں ”ہ“ ضمیر کا مرجع کیا ہے جب کہ اس کے اوپر لکھے گئے حسب اصول خود خطبہ بدعیہ اور عنوان کے درمیان فل شاپ ہے جس کے بعد یہ علیحدہ اور مستقل کلام ہے تو کیا یہ خلاف فصاحت، انضام قبل الذکر نہیں؟ نیز اس مقام پر ”عبدہ الاثم“ کے الفاظ کو عربی طریقہ پر معرفہ لانے کے بعد لفظ ”حسب“ کو نکرہ رکھنے میں کس نحوی قاعدہ کی خدمات لی گئی ہیں اور اس کے نکرہ لانے میں کیا حکمت ہے جب کہ یہ ”عبدہ“ معرفہ کی صفت ثانیہ ہے؟ تجب ہے جس کی علی قالیبت کا یہ عالم ہے کہ نحو کے ان ابتدائی قواعد سے بھی قطعاً بے بہرہ اور بالکل ناابلد ہے جو عربی کے درجہ ابتدائیہ کے لائق طالب علم کو بھی خوب ازبر ہوتے ہیں اور جو نحو میر، شرح مائتہ اور ہدایۃ النحو کے مسائل کے ضبط میں بھی نل بٹہ نل ہے وہ جمالت کا الزام بھی ہم پر رکھتا ہے۔

ع ناطقہ سر بگرباں ہے اسے کیا کہئے؟

سے اتنی نہ بڑھا پائی دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندہ قبا دیکھ

جمالیت نمبر ۴ :

جابل مؤلف نے ٹائٹل پر سترھویں پارہ کی ایک آیت لکھی ہے جس کا حوالہ اس طرح سے قلمبند کیا ہے ”آیت نمبر ۱۸ پارہ نمبر ۱“ جو مؤلف کی کم علمی اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ کسی پارے کے حوالہ سے آیت نمبر نہیں بلکہ رکوع نمبر لکھا جاتا ہے جبکہ سترھویں پارے میں صرف ایک سورت بھی نہیں کہ اس کا پیش کردہ آیت نمبر اسی کا نمبر شمار کیا جائے بلکہ اس میں دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک سورۃ انبیاء اور دوسری سورۃ حج ہے۔ جس کے لئے سورت کے نام کی تصریح از حد ضروری تھی۔ اس کے بغیر اس کا تحریر کردہ نمبر دونوں سورتوں سے متعلق ہو رہا ہے۔ مگر اس قدر علمی خون کے باوجود جہالت کا الزام بھی ہم ہی رہا ہے جو

سخت شرم ناک ہے۔

۷ ذرا آئینہ لے کر اپنی شکل تو دیکھیں
بڑے آئے ہیں ہمارا چاک گریبان دیکھنے والے

جہالت نمبر ۵:

پھر نقل کردہ اس آیت کا جو شستہ اردو ترجمہ انہوں نے کیا ہے، اللہ اللہ“ وہ بھی صرف انہی کا حصہ ہے جو، کیمنے سے تعلق رکھتا ہے جس سے واقفیت حاصل کرنا ان کے ”بلند ترین“ علمی مقام کو سمجھنے کے لیے نہایت درجہ ضروری ہے۔ آیت کے لفظ ہیں: بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق الایق۔ جس کا ترجمہ غیر مقلد مؤلف نے اس طرح لکھا ہے: ”بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ حق اس باس کا مغز نکل دیتا ہے پھر اچانک وہ بھاگ جاتا ہے الخ“ جو نہایت درجہ غلط ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے، زاهق کا صحیح معنی بھاگ جانے والا نہیں بلکہ ”نابود“ اور ”میا میٹ ہونے والا“ ہے جس کی تائید مؤلف ہی کے ایک پیشرو مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ موصوف نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: بلکہ ہم تو بچ کو (پتھر کی طرح) جھوٹ پر ڈالتے ہیں پھر وہ اس کو کچل ڈالتا ہے پس وہ (جھوٹ) اسی دم میا میٹ ہو جاتا ہے۔“ (ملاحظہ ہو ترجمہ ثنائی پ ۱۷، سورة انبیاء، آیت نمبر ۱۸)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف اس قدر ساقط اور علم سے اتنا فارغ ہے کہ اور تو اور اسے اپنے گھر کی اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں۔ پھر ان کی سمجھ ان کا اتنا ساتھ چھوڑ گئی کہ وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکے کہ کسی جاندار کا بھیجا نکل جانے سے اس پر فوراً "موت واقع ہو جاتی ہے۔ بس کے بعد اس کا بھاگ ٹکنا قطعاً" متصور نہیں ہو سکتا مگر مؤلف کا باطل ایسا زور آور ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے قابو سے بھی باہر نکل گیا یا پھر کم از کم یہ کہ پوری قدرت صرف کرنے کے باوجود خدا

تعالیٰ سے اس کا بھیجا ہی نہ نکل سکا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) پھر بھی وہ ہمیں پرستے ہوئے بار بار لکھ رہے ہیں کہ ”مقلد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مسلوب و معدوم ہوتی ہے“ الخ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۹)۔ نیز صفحہ نمبر ۱۳ پر گوہر افشانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے“ الخ اسی کی مانند صفحہ نمبر ۱۳۔ ۲۷ پر بھی لکھا ہے مجبوراً ”کنا پڑ رہا ہے

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت اور ضیغ اسلام غزالیٰ زماں علیہما الرحمة والرضوان کے تراجم قرآن ”کنز الایمان“ اور ”البیان“ کے دیکھنے سے تعصب کی پٹی مانع حق تو کم از کم اپنے ہی پیشرو کے ترجمہ کی تقلید کر لیتے تو یہ مضحکہ خیز لفظ لکھ کر رسوا نہ ہوتے۔ غیر مقلدیت کا دورہ ختم ہو گیا ہو تو حسیم صاحب اب بتائیں کہ انہوں نے جو مذکورہ اوصاف لکھے ہیں وہ درحقیقت ان جیسے کسی غیر مقلد کے اوصاف ہیں یا مقلد کے؟ کیا جس کی عقل ٹھکانے ہو وہ آپ جیسا مضحکہ خیز ترجمہ کر سکتا ہے؟؟؟

جہالت نمبر ۶:

مؤلف پر اس کے وصف جہالت کے غلبہ کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ خود کو حسیم (بروزن للنیم) لکھتا ہے اور اس کو اتنا بھی خبر نہیں کہ یہ لفظ حسیم ہے یا حسیم جب کہ حسیم بمعنی محسوم ہو تو اس کے نہایت ہی گندے معنی نکلتے ہیں جو خود ان سے پوچھ لیے جائیں تو بہتر اور حالات کے تقاضے کے مطابق ہو گا۔ مؤلف کے بگڑ جانے اور غصے ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بتا دیتے کہ یہ لفظ اس بچے کے لیے بولا جاتا ہے جس کی نشو و نما گندی خوراک پر ہوئی ہو جس میں بہت سی

چیزیں آ جاتی ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو ”لسان العرب“ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ مؤلف نے جھوٹ، خیانت اور جہالت جن سے ہمیں ازراہ بہتان متہم کرنے کی مذموم کوشش کی ہے وہ دراصل ان کی اپنی ہی ذاتی ”صفات کمالیہ“ ہیں جس سے ان کا مقصد اپنی کذب بیانیوں، خیانتوں اور جہالتوں کو چھپانا ہے مگر

ح حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کانڈ کے پھولوں سے جسے ہم نے یہاں بقدر کفایت بعض ٹھوس دلائل کے ذریعہ اجاگر کر دیا ہے۔ ان کے اس قسم کے دیگر کارناموں کی مکمل تفصیل کے لیے آئندہ اوراق کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ

ح یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے جو کچھ بیاں ہوا، آغاز باب تھا

رسالہ کا علمی مقام اور اس کے مواد کی نوعیت اور خصوصیت :-

پھر ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر کے مؤلف نے بزعم خویش ہمارے رسالہ کا جو جواب پیش کیا ہے وہ بھی ”کھودا پہاڑ نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا“ کا صحیح مصداق ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ کنا پڑتا ہے کہ

ح بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

سابقہ رسالہ کی تلخیص :-

مؤلف نے اپنے اس رسالہ کا کچھ مواد تو اس طرح سے بنا لیا کہ اپنے سابقہ رسالہ کی بعض عبارات کی ترتیب کو بدل کر اسے نئی شکل دے دی جیسے نماز

تہجد و تراویح کے ایک ہونے کی بحث وغیرہ۔

غیر متعلق بحثیں :-

اور اس کا کچھ حجم اس طرح سے بڑھایا کہ اس میں بکثرت، غیر متعلق بحثیں بھرتی کر دیں جیسے اعظم الفقہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بعض حاسدین و معاندین اور متعصبین کے اعتراضات کی بحث اور مسئلہ تقلید وغیرہما جو قطعاً موضوع سے غیر متعلق اور خارج از بحث ہیں۔

فضول تکرار :-

پھر اس کا حجم، مزید بڑھانے کی غرض سے بہت سی باتوں کو کئی بار مکرر لے آئے مثلاً "تقلید کی بحث کو وہ بلا ضرورت تقریباً" پانچ مقالات پر لے آئے (ملاحظہ ہو (صفحہ ۹، صفحہ ۱۳، صفحہ ۱۴، صفحہ ۲۷ اور صفحہ ۴۰)

اسی طرح لاف زنی کرتے ہوئے عوام پر رعب جھاڑنے کی غرض سے مداریوں والی چیخ بازی کو بھی کم و بیش پانچ مختلف صفحات پر درج کیا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹، صفحہ ۲۷، صفحہ ۲۸، صفحہ ۴۶ اور صفحہ ۵۰)

اسلاف پر طعن :-

کچھ حجم اس طرح سے بڑھایا کہ نہایت درجہ سوقیانہ اور غلیظ زبان استعمال کرتے ہوئے ہمارے اسلاف کو منہ بھر گالیاں لکھ دیں۔ مثلاً "صفحہ ۱۰ پر حضرت واثا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا جس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ آپ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نہ صرف مداح بلکہ آپ کے مقلد اور خالص حنفی تھے۔ نیز صفحہ ۳۲ تا ۳۵ جلیل القدر نابعی امام الفقہام سیدنا امام ابو حنیفہ نعمان علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں زبان درازی کرتے ہوئے بعض غلط سلسلہ اور الٹے سیدھے حوالوں کی آڑ میں "اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ" "حیلہ

ساز" "جھوٹ بولنے والا" حتیٰ کہ "مگراہ" کے اس غیر مقلد نے غلیظ لفظ لکھنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بلکہ ایک مقام پر محدث امت خلیفہ راشد جانشین نور مجسم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر بھی تبرا کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور نہایت صریح الفاظ میں آپ کے ایک فیصلہ کو معاذ اللہ خلاف سنت لکھ دیا جس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ آپ کا وہ فیصلہ ملاں موصوف کے دھرم کے برعکس ہے جس سے اس نے اپنی چھپی راقصیت کا ثبوت ہتیا کیا ہے مگر حضرت فاروق اعظم سے اس قدر عداوت کے باوجود سخت تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلد موصوف ایک ایسے مدرسہ میں ملازمت کر کے اس سے تنخواہ لے کر گزر اوقات کر رہے ہیں جو حضرت فاروق اعظم کے نام سے موسوم ہے۔ (اسی نسبت سے وہ اسے "جامعہ الفاروق" کہتے لکھتے بھی ہیں۔

یہ ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

راقم الحروف کو گالیاں :-

پھر بھی مقررہ پروگرام کے مطابق اس کا حجم نہ بن سکا تو اس کی کمی اس طرح سے پوری کی کہ انتہائی عامیانہ اور بازاری قسم کی گندی زبان استعمال کرتے ہوئے راقم الحروف پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی ایک سرسری تخمینہ کے مطابق جن کی تعداد پورے ایک سو ہے جن میں سے "الو" چگاڑ، "یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح خائن۔ اندھا، عیار، مکار، پاگل، لعین، جاہل، احمق اور نمک حرام کے یہ غیر مقلد موصوف" جو گندے لفظ فقیر کے حق میں استعمال کر گئے ہیں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ (ٹائٹل نیز صفحہ نمبر ۲، ۳، ۴، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۰)۔

اگر ان گالیوں، نازیبا کلمات اور غیر متعلق احداث اور مکررات کو حذف کر

دیاجائے تو ان کا اصل رسالہ آٹھ صفحے بھی بمشکل بنے گا۔ ۵۰ صفحات کے اس رسالہ پر ان گالیوں کو تقسیم کیا جائے تو ہر صفحہ کے حصہ میں دو دو گالیاں آئیں گی۔ اگر ”مولانا“ کے تصور سے ہٹ کر ان کے اس رسالہ کو دیکھا جائے تو اس کا ہر قاری یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ یہ کسی خالص بازاری یا کسی سخت ذہنی مریض کا کلام ہے۔

در پردہ، حدیث شریف پر چوٹ۔

مؤلف نے بلا وجہ یہ جارحانہ انداز تحریر اختیار کر کے اپنی جماعت کا کوئی وقار بلند نہیں کیا بلکہ اس گھنیا پن کی وجہ سے وہ اس کے لیے وبال جان اور ایک بدنام و جبّ قرار پائے ہیں۔ بلکہ ہر قدم پر اپنے عمل بالحدیث کے بلند بانگ دعوے کے بعد انہوں نے لوگوں کی نظروں میں حدیث شریف کا مقام گھٹایا، وقار کو مجروح کیا اور در پردہ اس پر چوٹ کی ہے کیونکہ لوگ ان کے علانیہ حدیث کے زریعت پر چمکنے میں آکر ان کی اس سب و شتم کو بھی تعلیمات حدیث سے گردانیں گے جس سے خصوصاً ”غیر مسلم اقوام غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے بطور ڈھال استعمال کریں گے جو یقیناً“ کسی خفیہ ہاتھ کے اشارے کی اتباع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ورنہ رسول پاک ﷺ کی مقدس و مطہر زبان اس عیب سے ایسی قطعاً بری ہے کہ خود رب العالمین بھی اس کی قسم یاد فرماتا ہے (حيث قال وقيله يارب الاية)

اسی پاک زبان کا ارشاد اس حوالہ سے یہ ہے ”سباب المسلم فسوق“ کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ نیز ارشاد ہے ”واذا خاصم فجر“ منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ بحث کے وقت گالیاں بکے گا۔

بہر حال اس طریق کلام سے مؤلف نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا البتہ اس سے اپنی مخصوص ذہنیت اور اصلیت خوب واضح کر دی ہے جس پر ہم ان سے کوئی

شکوہ کرنے کی بجائے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ولنعم ما قيل ”كل اناء يترشح بما فيه“ (برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا) والیضا

ہر کے بر خلقت خودے تند

نیز

سے آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

حواس باختگی و تضاد بیانی :-

مؤلف کے رسالہ ہذا کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کثرت سے تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔ ایک ہی امر کو کہیں کفر و شرک یا بدعت مذمومہ اور حرام لکھا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو اسلام، توحید اور سنت اور مطابق شریعت بھی مانا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مؤلف ہمیں کوستے کوستے خود کو کوسنا شروع کر دیتا ہے جس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا جو اس کی مذہبی خود کشی کی بدترین مثال اور حواس باختگی کا خاص ذہنی پریشانی پر بھی دال ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ”تحقیقی جائزہ“ کی قاہر ضربات اور کاری سٹیں انہیں واقعی لگی ہیں جنہوں نے انہیں ”ادھ موا“ کر کے ان کے ذہنی توازن کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کے ایک دو مناظر اور بھی اس فرقہ کو الٹا ہو جائیں تو ہمیں آئندہ ان کا کچھ جواب لکھنے کی قطعاً کوئی ضرورت پیش نہیں آیا کرے گی بلکہ وہ خود ہی اپنا قصہ تمام کرنے اور اپنا بیڑا غرق کرنے کے لیے کافی رہیں گے مؤلف کی اس خصوصیت کی بطور نمونہ چند مثالیں حسب ذیل ہیں :

مثال تضاد نمبر :-

رسالہ کے ابتدائی صفحات میں مؤلف نے مقلدین احناف کو ”برادران اسلام“ اور ”میرے بھائیو“ کہہ کر انہیں اپنا مخاطب بنایا۔ (ملاحظہ ہو ص ۱)۔ جس

سے ان کا مقلدین احناف کو مسلمان اور مؤمن تسلیم کرنا ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن بعد کے کئی صفحات میں انہوں نے انہی مقلدین احناف کو محض تقلید کے جرم میں ”مسلوب العقل“ ”معدوم العقل“ ”منحوس“ ”عقل و شعور سے محروم“ ”عقل سے عاری“ ”پاگل“ اور ”مشرک فی الرسالة“ اور ”کافر“ بھی لکھ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹، ۱۳، ۱۴، ۲۷، ۳۰ ملخصاً)

پس اس سے وہ اپنے منہ آپ اور بقلم خود یہ سب کچھ ہو گئے کیونکہ اگر مقلدین احناف واقعی کافر و مشرک وغیرہ تھے تو وہ انہیں مؤمن و مسلم مان کر اور اپنا اسلامی بھائی کہہ کر نیز اگر وہ فی الواقع ایسے نہیں تھے تو انہیں کافر و مشرک وغیرہ کہہ کر اقبالی ڈگری سے خود کافر و مشرک وغیرہ ہو گئے کیونکہ کسی کافر کو مؤمن و مسلم کہنا اسی طرح کسی مؤمن و مسلم کو کافر کہنا دونوں کفر ہیں کہ اول تحلیل حرام یعنی کفر کو اسلام کہنا اور ثانی تحریم حلال اسلام کو کفر کہنا ہے جو کفر ہے نیز صحیح حدیث میں ہے ”فقد باء احدہما“ جس نے کسی کو کافر کہا تو یہ حکم ان دو میں سے کسی ایک پر ضرور لاگو ہو گا اس کے باوجود وہ اپنی مادری زبان استعمال کرتے ہوئے بار بار ہمارے متعلق ہی لکھتے جارہے ہیں کہ ان کا ”دماغی توازن قائم نہیں“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۷ وغیرہ) حقائق کو سامنے رکھ کر منصف مزاج قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ ان کے اس جملے کا حقیقی مستحق اور حیدر آباد پاکستان کے مشہور بڑے ہسپتال میں رکھے جانے کے قابل کون ہے؟ بلکہ ہم اس حوالہ سے مؤلف کے بہت ممنون و مشکور ہیں کہ اس کا فیصلہ بھی انہوں نے نہایت ہی سادگی کے ساتھ خود ہی فرما دیا ہے چنانچہ ”اپنے اسی گالی نامہ (کے صفحہ ۴۸) میں رقمطراز ہیں: ”جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود ہی تردید کر دیتا ہے“ اھ بلفظہ۔

سے دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۲۔ ایک اور تضاد:-

گالی نامہ کے مختلف صفحات کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے کہ تقلید مؤلف کے نزدیک مطلقاً پاگل پن نحوست بلکہ کفر اور شرک فی الرسالة ہے پھر اس میں متعدد مقامات پر یہ کہہ کر کہ چونکہ فلاں محدث نے فلاں حدیث کو فلاں باب میں رکھ دیا ہے اس لیے ہم ان کے دعویٰ کے مطابق کیے گئے ان کے اس معنی کے پابند ہیں جس کا اس سے ہٹ کر کوئی اور معنی لینا خیانت، بددیانتی، یہود و نصاریٰ کی تحریف والی روش پر چلنے کے مترادف اور سخت عیاری و مکاری ہے۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۲۱، ۳۳ وغیرہا)

جب کہ غیر مقلدین خود کو جس تقلید کا منکر اور مخالف ظاہر کرتے ہیں وہ یہی تقلید ہے جس کا وہ یہاں اقرار کر رہے ہیں اس سے بھی جو ان کا تضاد ظاہر ہو رہا ہے قطعاً محتاج بیان نہیں کہ وہ مقلد بنیں یا غیر مقلد بہر صورت وہ اپنے منہ آپ وہی کچھ ہیں جس کے وہ ریمارکس دے چکے ہیں۔ اب حسیم صاحب فیصلہ دیں کہ دماغ خراب غیر مقلد کا ہوتا ہے یا مقلد کا؟ مؤلف کا منقولہ بالا زرین جملہ ایک بار پھر نوکِ قلم پر آنا چاہتا ہے۔ ”جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود ہی تردید کر دیتا ہے“

سے الجھا جو پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو اپنے دام میں خود صیاد آ گیا

۳۔ ایک اور تضاد:-

مؤلف اور اس کی پوری پارٹی کا یہ دعویٰ ہے کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے بہت کدائی اور بعینہ صریحاً ثابت نہ ہو وہ وہی بدعت ہے جس کی مذمت اور جس کے ارتکاب پر قرآن و سنت میں سخت وعیدیں پائی جاتی ہیں۔ اس حوالہ سے ان کا ایک مشہور نعرہ بھی ہے: ”اہل حدیث کے دو ہی

اصول : اطيعوا الله واطيعوا الرسول۔ پھر اس امر کو بنیاد بناتے ہوئے بزعم خود ۲۰ تراویح کو آپ ﷺ سے غیر ثابت کہہ کر ہمیں بدعتی اور جہنمی قرار دینے کے لیے یہ گالی نامہ ترتیب دیا اور اس سے پہلے ایک رسالہ تحریر کیا اور کئی مقالات پر صریحاً لکھا کہ بدعت کے ارتکاب کی سزا جہنم ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵-۳۶) مگر اس کے باوجود اسی رسالہ میں کئی مقالات پر اس قسم کے بہت سے امور کو نہ صرف جائز و مباح بلکہ مستحب و مستحسن اور کارِ ثواب بھی گردانا ہے جب کہ وہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں جو کھلی تضاد بیانی اور مذہبی خود کشی کی بدترین مثال ہے۔ چنانچہ

ارتکابِ بدعات :-

انہوں نے اپنے اس گالی نامہ کا آغاز کرتے ہوئے تسمیہ اس طرح لکھی ہے : ”بسم اللہ تعالیٰ“

پھر خطبہ ان لفظوں میں لکھا الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا هو زاہق ولکم الویل مما تصفون۔۔۔ پھر الفاظِ خطبہ و آیت پر اعراب (زبر، زیر، پیش (حرکت) و سکنت) اور نقطے لگائے ہیں لفظ ”زاحق“ کے بعد نشان وقف ”ط“ لکھا نیز آیت کے ساتھ ”پارہ نمبر“ اور ”آیت نمبر“ لکھا۔ آیت کے اختتام پر گول دائرہ (○) لگایا۔ نیز آیت کا بزبان اردو ترجمہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ٹائٹل گالی نامہ) نیز صفحہ ۱ پر ان الفاظ میں خطبہ لکھا ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بعد فاعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا هو زاہق ولکم الویل مما تصفون (انبیاء ۱۸)“

یہ سب امور ایسے ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی ان کے اصول کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں۔ پس یہ سب کچھ ان کے اصول کے مطابق بدعتِ مذمومہ ہوا بلکہ ان کے اس رسالہ کا عنوان خود اس رسالہ کی تالیف و اشاعت، مولانا کا اپنا نام ”بشیر احمد حسین“ ان کا مطبع ”بٹ اسلامی کتب خانہ“ نیز ان کی تنظیم اور اس کا نام ”جمعیت اہل حدیث“ جس کا انہوں نے خود کو ”امیر“ لکھا ہے نیز ان کی فرقی کا نام ”اہل حدیث“ یہ سب کچھ بھی ان کے اصول کے مطابق اسی مد میں آتا اور بدعتِ ستینہ قرار پاتا ہے کیونکہ ان میں سے کچھ بھی ان کے حسبِ اصول، حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ اگر ثابت ہے تو مؤلف بتائے کہاں لکھا ہے بخاری میں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ کیا یا اس کے کرنے کا حکم دیا تھا۔ بخاری کا نام ان کی بولی میں لیا گیا ہے۔ اس شرط کو بھی ہم ازراہِ کرم معاف کیے دیتے ہیں وہ حسبِ اصول خود ان امور کا سنتِ رسول اللہ ﷺ ہونا بخاری چھوڑ مسلم چھوڑ ابو داؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ چھوڑ حدیث کی کسی معتبر کتاب کی کسی مستند حدیث سے دکھادیں اور اگر نہ دکھاسکیں اور صبحِ قیامت تک وہ دکھا بھی نہیں سکتے تو پھر ان بدعات سے یا پھر اپنے خود ساختہ اصول سے تحریری توبہ نامہ شائع کریں۔

عج جلا کر رکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

(نعرۂ غوثیہ۔ یا غوثِ اعظم)

۴۔ ایک اور تضاد :-

بلکہ اسی رسالہ میں کئی مقالات پر بدعت کے بارے میں اپنے اس خود ساختہ معیار کی صریحاً تردید بھی کروی ہے جس کا انہیں احساس تک نہیں ہوا پھر بھی وہ مقلدین ہی کو عقل و شعور سے عاری اور ادراک و احساس سے محروم قرار دیتے چلے جا رہے ہیں :

۴ ناطقہ سرہ گریباں ہے اسے کیا کہیں؟

خرابی دماغ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے

چنانچہ اسی کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں: ”نفل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے گا جتنی ثابت ہے“ الخ - بلفظہ -

نیز صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے: ”سنت سمجھ کر اتنی ہی رکعتیں پڑھے جتنی آپ سے ثابت ہیں لیکن عام نفل سمجھ کر جتنی رکعتیں پڑھے پڑھتا رہے۔ تم سے ہمارا جھگڑا بھی سنت کے بارے میں ہے ورنہ عام نفلوں کی زیادتی سے ہم کسی کو نہیں روکتے جتنے نفل بھی کوئی چاہے پڑھتا رہے لیکن ان کو سنت نہ کہے۔“ اھ بلفظہ -

اسی کی مانند اسی کے صفحہ ۴۵ پر بھی ہے۔ مولیٰ جی! اگر یہ درست ہے تو آپ کے اس کلیہ کا کیا مفہوم ہے اور آپ کا وہ قاعدہ کہاں گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو چیز بعینہ اور بحسب کذاۃ صریحاً ثابت نہ ہو وہ بدعت مذمومہ ہوگی جس کی بنیاد پر آپ ہمارے بہت سے معمولات کو آپ ﷺ سے غیر ثابت کہہ کر انہیں بدعت شرعیہ اور ہمیں بدعتی اور جہنمی کہتے رہتے ہیں جب کہ ہم بھی کئی بار اعلان کر چکے کہ جو امر مسنون ہے ہم اسے سنت ہی سمجھتے ہیں اور جس کا سنت اصطلاحیہ ہونا ثابت نہیں اور اس کی ممانعت کی بھی شرعی دلیل نہیں تو وہ ہمارے نزدیک صرف جواز کے درجہ پر ہے جیسے اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام (وغیرہ)۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ غیر مسنون کو کوئی جائز سمجھ کر کرے تو ”ہم کسی کو نہیں روکتے جتنے نفل کوئی چاہے پڑھتا رہے۔“ اگر اپنے سابقہ نظریہ سے رجوع اور توبہ نہیں تو جھوٹ ضرور ہے جو یقیناً ”آپ کی کھلی تضاد بیانی ہے۔ سچ ہے کہ نجدی وقت ضرورت“ ضرورت ایجاب کی ماں ہے“ کے فارمولا کو اپناتے ہوئے نہایت ہی سادگی سے بہت سے امور کو مان لیتے ہیں:

۴ کہتے ہیں بدعت ہوتے ہیں شامل
بے ... نہیں تو اور کیا ہے؟

۵۔ ایک اور تضاد:-

مؤلف نے اپنے اس گالی نامہ کے صفحہ ۴ پر ازراہ تکبر و عجب نیز ذوالخوبصہ کی روش پر چلتے ہوئے اور صحیح حدیث ”اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف“ سے کھلی بغاوت کرتے ہوئے احتاف کی نماز کو صحابہ کرام کی نماز کے سراسر خلاف اور بیٹھکیں نکالنا نیز کوٹے اور مرغ کے ٹھونگوں سے مشابہ لکھا ہے اتنے میں ہوش آگیا کہ مفتی عبدالمجید سعیدی سے بات ہو رہی ہے کہیں وہ گھٹنوں کے نیچے دے کر کچھ مرہی نہ نکال دے تو فوراً لکھا: اگر یہ کہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اتنی لمبی تو اہلحدیث بھی پڑھتے تو ہم پر طعن کیوں؟ گویا یہ مان لیا کہ ان کی نماز واقعہً صحابہ کرام کی نماز جیسی نہیں پس جو الزام وہ ہم پر رکھنے لگے تھے انہوں نے اسے خود ہی اپنے سر پر رکھ لیا۔ اتنا جلدی ہی اپنے موقف سے ہٹ جانا تھا تو خواہ مخواہ اس یادہ گوئی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس یہ محض ان کی تضاد بیانی ہی نہیں بلکہ ان کا اقرار جرم بھی ہے۔ پھر بھی وہ ہمیں ہی خائن اور ہوائی ملاں وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ انصاف فرمائیں اصل میں یہ کس کی صفات حمیدہ ہیں۔

باقی حد اعتدال سے ہٹ کر نہایت اختصار مذموم کے ساتھ نماز پڑھنا ہمارے نزدیک معیوب اور قطعاً نامحمود ہے بعض جہلاء اگر ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے فقہ حنفی اس کی کیا ذمہ دار ہے یہ الزام اس پر تب عائد ہوتا جب اس نے ان کے اس فعل نامحمود کو جائز قرار دیا ہوتا جبکہ ہماری فقہ کی تمام کتب میں اعتدال کو واجب لکھا ہے۔ مولانا اگر اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو وہ ہماری فقہ کی کسی معتبر کتاب کے کسی مفتی بہ قول سے اس کے برخلاف ثابت کریں

ورنہ کم از کم آئندہ یہ رٹ رٹ بند کروں اور اگر بے لگام جملاء کے افعال کی ذمہ داری اہل مذہب علماء پر عائد ہوتی ہے تو کیا آپ بھی اپنے داڑھی منڈوانے، حد شرع سے کم کرانے والے نیز شرابی، کبابی، زانی، روزہ خور اور تارک نماز وغیرہم قسم کے اہلحدیث عوام کے ان افعال کے ذمہ دار ہیں، کیا اگر اس پر آپ کا گریبان پکڑا جائے، شراب پیں وہ بدکاری کریں وہ رجم کیا جائے اور کوڑوں کی سزا دی جائے آپ کو، تو آپ یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں؟ خدارا انصاف اور

ع۔ دیکھ اپنی آنکھ کا شہتیر بھی

باقی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا طویل قیام کرنا ان کے شوق عبادت اور مقام رفیع کے حوالہ سے تھاجسے شریعت مطہرہ نے نہ تو فرض واجب کہا نہ سنت مؤکدہ بلکہ اس کا درجہ محض استحباب کا ہے جس کے ترک پر شرعاً کچھ ملامت نہیں۔ ہاں اس پر عمل یقیناً قابل تعریف ہے۔ زمانہ حال میں لوگوں کی عبادت سے بے رغبتی کے پیش نظر کہ اگر انہیں اتنے طویل قیام پر مجبور کیا جائے تو یہ تھوڑا بہت جو کچھ کر لیتے ہیں اسے بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے جبکہ یہاں کوئی ایسی اسلامی حکومت بھی نہیں جو ان پر کنٹرول کرے۔ پس اس بڑی خرابی سے بچتے ہوئے فقہاء اسلام نے (صحیحین وغیرہ) کی مشہور حدیث جس میں ”فلینصف“ کا حکم موجود ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو نمازیں لمبا کر کے پڑھانے کی بجائے ہلکا کر کے یعنی مختصر پڑھائے، کی رو سے (اختصار غیر مخل کے ساتھ نماز پڑھانے کی تلقین فرما کر انہیں ایک بڑی محرومی سے بچا لیا۔ پس عمل بالحدیث کی تاریخی مثال قائم کرتے ہوئے امت پر اتنے بڑے احسان کے باوجود فقہاء پر مؤلف کا دانت پیسنا سمجھ سے بالاتر اور حدیث مذکور کے خلاف اعلان جنگ نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ اس پروپیگنڈہ کے باوجود انہیں خود کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ تطویل قیام کے اس عمل پر وہ خود بھی نہیں چلتے۔

۱۔ آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

۲۔ ایک اور تضاد:-

مؤلف اور اس کے ہمنا تحریر و تقریر کے ذریعہ تحریک کی حد تک یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ بدعت صرف سینہ ہی ہوتی ہے ”بدعت حسنہ“ خانہ ساز شریعت اور ایجاد بندہ ہے مگر انہوں نے اپنے اس گلی نامہ میں ڈکے کی چوٹ تسلیم کیا ہے کہ بدعت، حسنہ بھی ہوتی ہے بلکہ اسے صحیح بخاری اور مؤطا امام مالک کی حدیث سے ثابت بھی مان لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۶، ۴۷)

حیث قال: قال عمر بن الخطاب: لا بدعة الا بدعة الله.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھا طریقہ ہے ”اھ ملخصاً“ جو کھلی تضاد بیانی اور مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے۔ پس اگر یہ تقسیم درست ہے تو اسے غلط قرار دے کر، اور غلط ہے تو اسے درست کہہ کر آنجناب بدعتی، جہنی اور مخالف حدیث قرار پائے۔ ناراضگی معاف کہ

ع۔ اے باد صبا میں ہمہ آور وہ تست

۷۔ ایک اور تضاد:-

مؤلف اور اس کے ہمنا بہت سے مسائل میں ہم سے الجھتے وقت، حرمین طیبین زادوا اللہ شرفاً پر قابض اہل نجد کے افعال کو حجت بنا کر پیش کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر یہ غلط ہے تو وہ کیوں کرتے ہیں، ہم نے ان کی بولی میں ان سے اپنے رسالہ ”تحقیق جائزہ“ میں پوچھا تھا کہ وہاں پر آج بھی تراویح ۲۰ رکعات ہی پڑھی پڑھائی جاتی ہے تو اگر یہ بدعت ہے تو آپ ان پر کیا فتویٰ عائد کریں گے؟ مؤلف نے اس کے جواب میں کافی ہاتھ پاؤں

ہیں۔ سچ ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے دس جھوٹ مزید بولنے پڑتے ہیں۔ جس پر مولانا نے صحیح معنی میں عمل کر کے دکھایا ہے اس کے باوجود مؤلف ہمیں پر عیاری مکاری کے گندے لفظ فٹ کرتا ہے جو ان کے لفظوں میں ان کی واقعی بہت بڑی عیاری و مکاری ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

اپنا منہ اور اپنا طمانچہ :-

رسالہ کی ایک واقعی خوبی :-

ویسے تو یہ رسالہ جھوٹ کا پلندہ اور اس کا مؤلف اس وصف سے علی الوجہ الاقم موصوف ہے تاہم جو بات ماننے کی ہو اسے ضرور مان لینا چاہیے، مؤلف نے ایک آدھ جگہ پر سچ بھی بولا ہے جس پر وہ واو تحسین کا مستحق ہے مثلاً ”مؤلف اور اس کے ہوا خواروں کا رات دن کا مشغلہ عوام سے حضور سید عالم ﷺ کی شان پاک اور آپ کی عظمت میں وارد آیات و احادیث کو تحریک کی حد تک چھپانا ہے جو قطعاً محتاج دلیل نہیں (جیسا کہ ان کے عقائد کی بنیادی کتاب ”تفویۃ الایمان“ نیز ان لوگوں کی چال ڈھال اور نقل و حرکت سے واضح ہے) اور

ع عیاں راچہ بیاں

پہلی مرتبہ سچ بول کر مؤلف نے اپنا اور اپنے دم چھلوں کا مقام اور شرعی حیثیت متعین کرتے ہوئے دونوں لفظوں میں نہایت درجہ صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ ”یہودی اور عیسائی ہر دو گروہ آخری نبی ﷺ کی صفات والی آیات کو عوام سے چھپا لیتے تھے تاکہ عوام ان کے مخالف نہ ہوں اور وہ عوام سے دنیاوی مفاد حاصل کرتے رہیں“ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳ گالی نامہ)۔

نیز ایک طرف انہوں نے قطع و برید سے کام لیتے ہوئے محض اپنا من پسند

مارنے کی کوشش کی مگر وہ اس دلدل سے نکل نہیں سکے۔ تجدیوں سے اعتقادی ہم آہنگی کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کے تسلی بخش جواب سے عاجز آ کر محض دفع وقتی کرتے ہوئے لکھ دیا۔ ”ہمیں ان کے عمل سے کیا غرض“۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵) جو ہمارے سوال کا قطعاً جواب نہیں کیونکہ ہم نے وہی کام کیا تو ہم پر بدعت کے فتوے دانے گئے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ان کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا۔ ”ہمیں ان کے عمل سے کیا غرض“۔ ہاں آپ نے ان سے دنا نیرو درانہم اور ریال وصول کرنے ہیں اس لیے اس موقع پر بات کو گول کر لینا ہی مناسب ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ باقی مؤلف نے اس مقام پر جو مزید عذر لنگ پیش کیے ہیں وہ بھی قطعاً ”جھوٹ“ تلیس اور ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق ہیں جیسے ان کا یہ کہنا وغیرہ کہ وہ آٹھ سے زائد کو ”سنت سمجھ کر نہیں پڑھتے بلکہ عام نفل سمجھ کر پڑھتے ہیں“۔ کیونکہ ان کے عقائد خواہ کچھ بھی ہیں وہ فقہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہ حنبلی وہاں پر سرکاری لاء کے طور پر نافذ ہے جبکہ فقہ حنبلی کی تمام کتابوں میں متعلقہ مقام پر ۲۰ تراویح کو مسنون لکھا ہے۔ اسی سے جان چھڑانے کی غرض سے مؤلف نے انہیں ”نام کے حنبلی ہیں“ لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵)

یہ بھی ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ ہے کیونکہ مؤلف کے نزدیک تقلید مطلقاً ”شرک فی الرسالۃ“ ہے جیسا کہ سطور بالا میں باحوالہ گزر چکا ہے تو اس تقدیر پر ان کے اس جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ ”سعودی نجدی نام کے شرک ہیں“۔ تو کیا خود کو شرک سے منسوب کرنے پر فخر کرنا اسے سرکاری لاء کے طور پر نافذ کرنا بذات خود شرک نہیں کہ رضاء یا کفر کفر ہے نیز ”نام کے حنبلی ہیں“ کا جملہ سعودیوں کو ”منافق“ کہنے کے مترادف بھی ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ ازراہ نفاق خود کو حنبلی کہلاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ ریالوں کی موصولی میں دیر ہو گئی ہے یا حسب مطالبہ ملے نہیں

معنی کشید کرنے کی غرض سے نقل حدیث میں ہیرا پھیری سے کام لیا ہے جیسا کہ ”مؤلف کے خائن ہونے کا ثبوت“ کے زیر عنوان باحوالہ گزر چکا ہے۔ دوسری طرف نہایت ہی زوردار لفظوں میں انہوں نے اسے یہود و نصاریٰ کا پیشہ بھی لکھا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ”یہود و نصاریٰ کی طرح دین میں خیانت کرتے ہوئے جو ان کے خلاف ہو اسے چھپا لیتے ہیں“ ۱ھ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲ اسی طرح ۳ پر بھی بعبارات مختلفہ مرقوم ہے)۔

پھر نہایت ہی غیر مبہم الفاظ میں ان کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”یہود و نصاریٰ قطعی طور پر جہنمی ہیں جو قرآن و حدیث میں صراحت مذکور ہے۔“ ۱ھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳) جس پر وہ ہمارے شکر یہ کہ مستحق ہیں کیونکہ اگر یہ بات ہم کرتے تو عین ممکن تھا اسے مذہبی اختلاف کا نتیجہ اور فرقہ واریت کا ثمرہ کہہ دیا جاتا۔ ہمارے ایک دوست کی اصطلاح میں اسے ”اپنا منہ اور اپنا طمانچہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عمل بالحدیث کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم

باتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور:-

مؤلف اور اس کے ہمناؤں کا ٹھیکیداری (بلکہ ہمارے ایک ملنے والے کے لفظوں میں بد معاشی) کی حد تک پروپیگنڈہ تو یہ ہے کہ ان کی ہر نقل و حرکت عمل بالحدیث کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ ان کے اس رسالہ سے بھی ظاہر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اسی حدیث کو مانتے ہیں جو ان کی خواہش نفس پر (ان کے زعم میں) پوری اتر رہی ہو اور وہ بھی محض اس صورت میں کہ اس کا ماننا یا عمل کرنا ان کی سستی شہرت کا بھی باعث ہو اسی لیے باقاعدگی کے ساتھ انہوں نے خود کو بعض گنے چنے محض ان فروعی مسائل کے حوالہ سے مشہور کر رکھا ہے

جن کے ذریعہ عوام میں باسانی ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور بغیر کسی محنت کے ان کی پلبٹی ہو جاتی ہے ورنہ حق یہ ہے کہ اس فرقہ حادہ و محدث کا حدیث رسول ﷺ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس معنی میں انہیں اہلحدیث کہا جائے کہ ان کے گمراہانہ خد و خال کی نشاندہی حدیث میں موجود ہے تو بالکل بجا ہے۔ ہمارے اس مؤقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مؤلف نے اپنے اس گالی نامہ کے خطبہ میں تعویذ سے پہلے ”بعد“ کے لفظ استعمال کیے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۱) جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابن عباس اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطب و رسائل میں ”اما بعد“ کے لفظ ارشاد فرماتے تھے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری عربی ج ۱ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱

ہیں کہ تقریر جمعہ عید اور اسی طرح لکھی جانے والی کتابوں کے خطبوں میں ”الابعد“ کہنا اور لکھنا کارِ ثواب ہے جس کے اثبات کے لیے امام بخاری نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس کے ثبوت میں متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ ۱ھ۔ ملاحظہ ہو (نووی شرح صحیح مسلم عربی ج ۱ صفحہ ۲۸۵ طبع اصح المطابع کراچی)۔

پس مؤلف کی اس دوغلہ پالیسی اور ان کے قول و عمل کے اس تضاد کو ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور“ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ جس سے مؤلف نے عمل بالحدیث کے اپنے بلند بانگ دعوے کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ (مبارک باد)۔

عمل بالحدیث ۱ صحیح کے پروپیگنڈے کا پوسٹ مارٹم :-
ایک اور دوغلہ پالیسی :-

مؤلف اور اس کے ہم جولیوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف صحیح احادیث کو اپناتے ہیں مگر اس کے برعکس اس نے اپنے اس رسالہ میں ”میٹھا ہپ اور کڑوا تھو“ کے پیش نظر محض اپنا آئینہ سیدھا کرنے کی غرض سے ان احادیث کو بھی لے لیا ہے جنہیں بڑے بڑے ائمہ حدیث بلکہ خود مؤلف کے بڑوں نے بھی غیر صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً انہوں نے اپنے اس گلی نامہ کے خطبہ میں تعوذ ان لفظوں سے لکھا ہے:

اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه و نفخه و
نفثه ۱ھ (ملاحظہ ہو)۔ صفحہ نمبر ۱۔

تعوذ کے یہ الفاظ جس حدیث سے لیے گئے ہیں وہ ہمارے مطالعہ کے مطابق ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی اور مختصراً ”و مطولاً“ درج ذیل کتب مخرّجہ میں موجود ہے۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۵۰ طبع مکتہ المکرمہ۔ سنن ابی داؤد ج ۱ صفحہ ۱۱۳، طبع سعید کراچی، جامع ترمذی ج ۱ صفحہ

۳۳۰ طبع دہلی، نسائی ج ۱، صفحہ ۱۳۳ طبع قدیمی کراچی، سنن ابن ماجہ ص ۵۸ طبع کراچی، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۲ طبع کراچی، سنن دار قطنی ج ۱، صفحہ ۲۹۸ طبع لاہور، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۳۸ طبع مکتہ المکرمہ حدیث نمبر ۴۶۷)۔

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وقد تكلم في اسناد حديث ابی سعيد كان يحيى بن سعيد ينكلم في علی بن علی وقال احمد لا يصح هذا الحديث

یعنی حدیث ابی سعید کی سند پر محدثین کو اعتراض ہے امام یحییٰ بن سعید اس کے راوی ”علی بن علی“ پر اعتراض فرماتے تھے اور امام احمد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں۔ ۱ھ۔ ملاحظہ ہو: (جامع ترمذی ج ۱، صفحہ ۳۳۰ طبع دہلی)

نیز امام ابن خزیمہ نے فرمایا کہ میری تحقیق کے مطابق سلفاً ”خلفاً“ یہ حدیث تمام ائمہ و علماء اسلام کے نزدیک عملاً ”متروک“ ہے اور یہ من و عن کسی ایک بھی عالم دین کا معمول بہ نہیں۔ ملاحظہ ہو (ابن خزیمہ ج ۱، صفحہ ۲۳۸)

علاوہ ازیں مؤلف کے پیشوا صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد نے مسک الختام شرح بلوغ المرام (ج ۱، صفحہ ۳۷۶ طبع بھوپال) میں امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ کے مذکورہ اقوال کو استناداً پیش کیا ہے۔

اسی طرح مؤلف کے ایک اور پیشوا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب عون المعبود شرح ابی داؤد (ج ۱ صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲ طبع ملتان) نیز اپنی ایک اور کتاب التعلیق المغنی شرح دار قطنی (ج ۱ ص ۲۹۸ طبع لاہور) میں مذکورہ ائمہ (نیز امام منذری) کا اس حدیث پر مذکورہ کلام نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مؤلف کی متدل بہ اس روایت کو بڑے بڑے ائمہ حدیث بلکہ خود مؤلف کے بزرگوں نے بھی غیر صحیح کہا ہے جو اصولاً ”مؤلف کے نزدیک بھی ضعیف قرار پائی مگر کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہماری باری میں مؤلف نے کئی احادیث کو محض یہ کہہ کر ٹھکرایا ہے کہ فلاں فلاں محدث نے اس پر کلام کیا ہے اس

لئے یہ لائق تسلیم نہیں اور اپنی باری آئی تو اسے یہ سب کچھ بھول گیا اور ان کے اصول کے مطابق ضعیف حدیث بھی حجت بن گئی۔ اسی کو کہتے ہیں ”ذو بے کو تنکے کا سہارا“۔ پس اگر اسے اس کا غیر صحیح ہونا معلوم نہ تھا تو اس سے مؤلف کے بناسپتی اجتہاد کی قلعی کھل گئی اور ظاہر ہو گیا کہ جس جاہل بلکہ اجہل الناس کو عام پڑھی پڑھائی جانے والی کتب کے مندرجات کی بھی خبر نہیں وہ اپنے دعویٰ اجتہاد میں کیونکر سچا ہو سکتا ہے اور اگر اسے اس کا غیر صحیح ہونا معلوم تھا تو اپنے اصول سے انحراف کرتے ہوئے اسے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر چھپایا ہے؟

لطیفہ :-

اس خانہ ہمہ آفتاب است :-

مؤلف کے پیشوا صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلد نے اپنی کتاب مسک الختام میں مذکورہ روایت کا ضعیف اور غیر صحیح ہونا بیان کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں باحوالہ گزر چکا ہے مگر اپنی ایک اور کتاب الروضة الندية (ج ۱ ص ۱۰۰ طبع ملتان) میں اسے صحیح قرار دیا ہے یعنی ایک ہی روایت ایک کتاب میں ضعیف ہے پھر وہی روایت دوسری کتاب میں جلتے جلتے پلٹا کھا کر اچانک صحیح بن گئی (فیا للجب)۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف اور اس کے سلسلہ کے یہ محققین ایک ہی کیٹاگری کے مجتہدین ہیں۔ سبحان اللہ! اس خانہ ہمہ آفتاب است۔

روایت ہذا پر ایک اور طریق سے کلام :-

روایت ابی سعید (مذکورہ بالا) خود مؤلف کے نزدیک بھی قابل عمل نہیں کیونکہ اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نماز شروع فرماتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر ثناء پڑھتے پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے پھر مذکورہ تعوذ پھر تین بار اللہ اکبر پھر مذکورہ تعوذ کہہ کر قرأت شروع فرماتے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۳ صفحہ ۵۰ طبع مکتہ المکرّمہ)

اسی کی مانند تھوڑے سے اختلاف سے ابو داؤد ج ۱ صفحہ ۱۳۳ نیز ابن خزیمہ ج ۱ صفحہ ۲۳۸ میں بھی ہے اور دار قطنی (ج ۱ صفحہ ۲۹۸) میں اتنا زائد ہے کہ ثناء (سبحنک اللہم الخ) تین بار پڑھ کر تعوذ فرماتے۔ جسے مؤلف قطعاً نہیں مانتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ایک اور رسالہ ”مختصر محمدی نماز“ میں نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے اس سب کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا اور اس کا ایک لفظ تک ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱۔ مانتا ہے تو قرآن پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ اس طریقہ سے اس نے کب اور کہاں نماز پڑھی یا اسی کے مطابق پڑھنے کی اپنے مقلدوں کو تلقین کی ہے پھر اگر یہ جھوٹ ہو تو اس کی موجودہ یا متوقع بیوی پر اس کے حسب اصول پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا تعلق محض صلوٰۃ اللیل سے ہے تو انہیں یہ بتانا ہو گا کہ اگر ایسے ہے تو انہوں نے اسے پنجگانہ نماز پر کیوں فٹ کیا ہے؟

لطیفہ :-

(مؤلف کی اندھی تقلید) :-

مؤلف نے اپنے رسالہ ”مختصر محمدی نماز“ صفحہ ۴۱، طبع رحیم یار خاں میں مذکورہ بالا الفاظ تعوذ کا حوالہ دیتے ہوئے احمد اور ابو داؤد کے علاوہ نسائی کا نام بھی لیا ہے حالانکہ پوری نسائی میں یہ لفظ قطعاً نہیں ہیں۔ ہیں تو مؤلف بتائے کہ اس کی کس جلد کس کتاب، اس کے کس باب کس صفحہ اور کون سی سطریں ہیں۔ دراصل یہ غلطی پہلے ایک غیر مقلد مولوی عبید اللہ رحمانی نے اپنی کتاب ”مرعاۃ“ میں کی۔ پھر اس ڈیڑھ کتابی بناسپتی محقق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اصل کتاب سے مراجعت کر لے۔ اس نے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اور اپنے ہی مولوی کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اسے من وعن نقل کر کے عوام پر رعب جھاڑنا شروع کر دیا کہ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ ابو داؤد میں بھی ہے۔ ایک اور حوالہ نیچے

نسائی میں بھی ہے۔ اس کے باوجود وہ نہایت درجہ شوخ چشتی سے اندھی تقلید کا مرتکب بھی نہیں ہی جاتے ہیں اور تقلید ہی کا بار بار طعنہ دے کر مصلوب العقل، عقل و شعور سے محروم اور پاگل بھی ہمیں ہی گردانتے ہیں۔ حسیم صاحب انصاف سے بتائیں آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آیا، یا نہیں؟ اور سچ سچ بتادیں کہ واقعی یہ حوالہ آپ نے غلط دے کر اپنی جہالت کا ثبوت فراہم کیا ہے، ہم آپ پر جھوٹا الزام رکھ رہے ہیں؟ رتی بھر بھی ایمان ہے تو قیامت کی پیشی کو مد نظر رکھ کر امر واقعی بیان کیجئے گا۔

نوٹ:-

مؤلف کے رسالہ ”مختصر محمدی نماز“ کا مسکت جواب بعنوان ”حقیقی محمدی نماز“ بھی عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) جو بفضلہم تعالیٰ اس موضوع پر تابوتِ غیر مقلدیت میں آخری کیل کی حیثیت رکھتا ہے اور لائقِ دید و قابلِ مطالعہ ہے۔ جس سے انشاء اللہ مؤلف اینڈ کمپنی کو یاد رہے گا کہ انہیں واقعی کسی سنی حنفی سے پالا پڑا تھا۔

منہ توڑ جواب:-

الغرض مؤلف کا یہ رسالہ تضادات، خرافات، تلبیسات اور افتراءات کا مجموعہ، اکاذیب و تکذیب اور خیانات و جملات کا پلندہ اور ان کا ایک مکمل گلی نامہ ہے (وکل اناء یترشح بمافیہ برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا) جو نہایت درجہ بیہودہ، لہجہ اور ساقط ہونے کے باعث اپنا جواب آپ ہے اس لیے اگرچہ یہ چنداں لائقِ التفات اور قطعاً کچھ اس قابل تو نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے یا اس کے جواب میں اپنا قیمتی وقت ضائع کیا جائے تاہم احباب کے پُر زور اصرار، بعض کچے اذہان نیز کم پڑھے اور ناواقف قسم کے مسلمانوں کو اس کے دامِ تزویر میں پھنسنے اور کسی گمراہی میں پڑنے سے بچانے نیز اس لیے بھی

کہ کہیں ہماری خاموشی کو ہماری عاجزی اور بے بسی نہ سمجھ لیا جائے۔ مؤلف کو اس کا اپنا آئینہ دکھاتے ہوئے نیز مؤلف کے حسبِ مزاج مگر اپنی افتاد طبع کے مطابق نہایت ہی سنجیدہ اور خالص علمی انداز میں پہلی فرصت میں مؤلف کی کذب بیانی، بدزبانی، نادانی اور یادہ گوئی کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کا ترکی بہ ترکی اور منہ توڑ جواب پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ قصہ زمین بر زمین کے طور پر جب تک کسی کی طبیعت صاف کر کے اس کا دماغ ٹھکانے نہ لگایا جائے اور جب تک اینٹ کا جواب پتھر سے نہ ہو عرف میں اسے کوئی قابلِ ذکر اور وزن دار جواب نہیں سمجھا جاتا، پھر بھی ہم نے ”لا یحب اللہ الجہر بالسوء القول الا من ظلم“ کے پیش نظر مؤلف کی بدزبانی اور زیادتیوں پر فریاد کرنے اور صدائے احتجاج بلند کرنے کے سوا جس کا اصولاً و شرعاً ہمیں حق ہے، عامیانہ اور سوقیانہ زبان کے استعمال سے قطعاً احتراز کیا ہے ورنہ اہل علم اور جاہل۔ سنی اور وہابی۔ مقلد اور غیر مقلد (الغرض ہم میں اور ان میں) کیا فرق رہے گا۔ جب کہ یہ تھوڑی بہت تندی بھی محض بامرِ مجبوری اور محض ”کما تدین تدان“ کے پیشِ نظر ان کے اپنے کرتوتوں کا ثمرہ ہے (ومن اساء فعلیہا و جزاء سنیۃ سنیۃ مثلہا)۔ پس اب انہیں ہم پر دانت پینے کی بجائے خود کو ملامت کرنی چاہیے کہ ”این ہمہ آوردہ تست“ و نعم ما قیل

سے نہ صدے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

خادمِ مسلک ناچیز مؤلف

پہلی بسم اللہ بناوٹی خطبہ سے :-

مؤلف نے اپنے اس گالی نامہ کا آغاز حسبِ ذیل بناوٹی خطبہ سے کیا ہے
چنانچہ اس کے لفظ ہیں

بسم اللہ تعالیٰ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ بل
نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا هو زاهق ولکم الویل مما
تصفون۔ (ملاحظہ ہو ٹائٹل گالی نامہ)
نیز صفحہ ۱ پر ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین
اصطفیٰ۔ بعد فاعوذ باللہ السميع العلیمن الشیطن الرجیم من
ہمزہ ونفخہ و نفثہ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا هو
زاهق ولکم الویل مما تصفون۔ اہ بلفظہ۔
مؤلف بقلم خود بدعتی و جہنمی :-

جو خود اس کے خود ساختہ مذہب کے اپنے بے ڈھنگے اصول کے مطابق
منکھرت بناوٹی اور ایسی گمراہانہ اور مذموم بدعت ہے جو اپنے قائل و فاعل کو جہنم
رسید کرتی اور دوزخ میں لے جاتی ہے کیونکہ اس حوالہ سے مؤلف اور اس
کی ”فرقی“ کا غنڈہ گردی کی حد تک پروپیگنڈہ اور نظریہ ہے کہ جو امر رسول اللہ
ﷺ سے بعینہ صریحاً اور بسنیت کذائیہ ثابت نہ ہو اس کا اپنا شدید
حرام، سخت گناہ بلکہ بعض اوقات کفر بھی ہے چنانچہ ان کے گروپ کا مشہور نعرہ
ہے کہ ”اہل حدیث کے دو ہی اصول - اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ جس
کی بناء پر وہ اہل سنت کے کئی معمولات کو اپنے بقول محض اس بناء پر بدعت
ستیہ اور ان کو بدعتی و جہنمی کہہ دیتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ سے بعینہ
ثابت نہیں جیسے صلوٰۃ و سلام عند الاذان، محافل میلاد اور دعا بعد نماز جنازہ (وغیرہا)

بلکہ وہ اسی آڑ میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی یہ فتویٰ عائد
کرنے میں دین کی عظیم خدمت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے گروپ کا مشہور
مقولہ ہے ”بدعت، بدعت ہے اگرچہ عمر بھی کرے“ (والعیاذ باللہ)۔ نیز خود
مؤلف نے اپنے اس گالی نامہ میں اپنے چھپے رفض کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے نہایت
درجہ غیر مبہم الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یک وقتی اکٹھی تین طلاقیں جاری کرنے کا
حکم اور فیصلہ ان (عمر رضی اللہ عنہ) کا رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلے کے
خلاف ہے اس لیے ہم اسے نہیں مانتے ”اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ
(۴۱)

مؤلف نے جس بے شری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خبیث اور بے حیاء
قلم سے مراد رسول ﷺ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان
اقدس میں یہ جو بکواس کی ہے، اس کا دندان شکن اور تابہ توڑ جواب تو آپ اس
کے متعلقہ مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔ سروسٹ اس کے بیان سے جو امر مقصود
ہے وہ بدعت کے بارے میں اس فرقہ حادثہ و محدثہ کی ”گندم نما جو فروشی“ اور
دوغلہ پالیسی ہے کہ وہ اس حوالہ سے ”دیگراں را نصیحت خود را نصیحت“ کا آئینہ
دار ہے۔

توبہ کر لے ورنہ جائے جہنم :-

پس مؤلف عیند اپنے ہی اس اصول کے پیش نظر صرف صحیح بخاری اور
صحیح مسلم ہی نہیں، بقیہ صحاح (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ) ہی نہیں بلکہ
دنیا کی، حدیث کی کسی مستند کتاب کی کسی ایک صحیح صریح مرفوع حدیث سے
دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لفظوں میں قولاً یا فعلاً ”کب اور کہاں
یہ خطبہ ارشاد فرمایا یا اس کے لکھنے پڑھنے کا حکم دیا تھا بلکہ ایسی کوئی ایک حسن

حدیث دکھا دے بلکہ اس کے ثبوت میں ایسی کوئی ایک ضعیف حدیث ہی پیش کر دے۔ اور اگر یہ ثابت نہ کر سکے اور انشاء اللہ وہ اسے تا صبح قیامت ثابت نہیں کر سکتا تو اپنی اس رویہ بازی کا اعتراف کرتے ہوئے حسب اصول خود اس خبیث بدعت کے ارتکاب کی غلطی سے تحریر "تقریر" اعلانیہ طور پر نہ صرف خود توبہ کرے بلکہ اپنی قوم کے ہر اس فرد سے بھی توبہ کرائے جس جس نے اس سے استفادہ کیا یا پھر جہنم رسید کرنے والے اپنے اس خود ساختہ کلمہ کے غلط ہونے کا اعلان کرے۔ کچھ بھی منظور نہیں تو جائے جہنم میں اور اس کے بھی سب سے نچلے گڑھے میں اور اپنی قوم کو بھی بے شک اپنے ساتھ لے جائے کہ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشید من الغی فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا احاط بهم سرادقها وان یتستغیثوا یغاثوا بمعاء کالمهل یشوی الوجوه بشس الشراب وساءت مرتفقا بقلم خود جنمی بننے کی یہ سزا ہے مؤلف کو اس کی اس گستاخی کی جو اس نے شان فاروقی میں کی ہے کذلک العذاب وللعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کیوں حسیم صاحب دماغ ٹھکانے لگایا نہیں؟

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے :-

مؤلف نے مذکورہ خطبہ کے ضمن میں سورہ انبیاء کی جو آیت لکھی ہے، اس کے ذریعہ اس نے ڈنکے کی چوٹ، آٹھ تراویح کے "حق" اور بیس تراویح کے "باطل" ہونے کا دعویٰ اور اعلان کیا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ بیس تراویح کا قائل ہونا سخت گناہ بلکہ کفر ہے جو اس کی بے شمار ائمہ دین بالخصوص ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین پر سخت چوٹ ہے۔ چنانچہ ۲۰ تراویح پر چوٹ اور اس آیت کو اس کے قائلین پر چسپاں کرتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے

لکھا ہے: "بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ حق اس باطل کا مغز نکال دیتا ہے۔ پھر اچانک وہ باطل بھاگ جاتا ہے اور تمہارے لیے ہلاکت ہے بسبب اس کے جو تم بیان کرتے ہو" (ملاحظہ ہو ٹائٹل گلی نامہ)

یہ عبارت اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ مؤلف کے نزدیک ۲۰ تراویح باطل اور اس کا قائل ہونا اخروی تباہی کا باعث اور موجب ہلاکت ہے (باقی مغز نکل جانے کے باوجود کسی چیز کے بھاگ جانے کا قول کرنا کتنا مضحکہ خیز ہے اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں صفحہ ۱۶ پر گزر چکی ہے) لیکن آپ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہو گی کہ مؤلف نے شروع میں جس چیز کے باطل ہونے کا دعویٰ کیا اور جس امر کے اثبات کے لیے یہ سب پاؤں نیلے اور اتنی ورق سیاہی کی آگے چل کر نہایت غیر مبہم الفاظ میں اس نے اسے درست تسلیم کر کے اپنے سارے کیتے پر خود ہی پانی پھیر دیا ہے جس سے اس کی بدحواسی کا پتہ چلتا ہے اور اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ "تحقیقی جائزہ" کی کاری ضربوں نے واقعی کچھ اثر دکھایا ہے۔ سبحان اللہ! اس قسم کے ایک دو مناظر اور بھی اس مذہب کے لیے وقف ہو جائیں تو ہمیں کسی قسم کی جوابی کارروائی کی کوئی ضرورت قطعاً نہیں رہے گی۔ بلکہ اپنی پوری قوم سمیت اپنی نیا ڈبوں کے لیے یہ خود ہی کافی رہیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے اس دعویٰ کے برعکس ۲۰ تراویح کا کارِ ثواب ہونا تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے: "نفل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے جتنی ثابت ہے" (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۔ اسی طرح صفحہ ۱۵ اور صفحہ ۴۵ پر بھی لکھا ہے) "پڑھ سکتا" ہے تو اسے پہلے باطل کیوں قرار دیا تھا؟ کیا باطل کا اپنا اجر و ثواب کا کام ہے۔ پس ان دو میں سے ایک تو ضرور غلط ہو گا۔ پھر یہ کہ جو امر غیر ثابت ہو وہ آپ کے اصول کے مطابق بدعت مذمومہ ہوتا ہے پس آٹھ سے زائد تراویح جب آپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو وہ بدعت اور گناہ ہوئی پھر وہ آپ کے نزدیک جائز کیسے ہو گئی؟

۴ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

اس قدر اکھڑی باتیں کرنے کے باوجود مؤلف صاحب بار بار، 'ملسوب العقل' اور عقل و شعور سے محروم بھی ہمیں ہی کہتے ہیں، کتنی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کی بات ہے۔ ہم اپنے اس پیرائے کو مؤلف کے اس ذرین قول پر ختم کرتے ہیں کہ "جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بیان کی خود تردید کر دیتا ہے" اہ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸ گلی نامہ)

۵ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مؤلف کی خارجیت :-

مؤلف کی پیش کردہ یہ آیت کفار مکہ کی تردید میں نازل ہوئی تھی جس کی ایک دلیل اس کا سیاق و سباق بھی ہے نیز یہ سورہ انبیاء کی آیت ہے اور وہ مکی ہے جب کہ مشہور صحابی اور غیر مقلدین کے بقول ان کی لڑائی بھگڑے والی رفیع یدین کے ثبوت کی اعلیٰ درجہ کی روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کے مطابق کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دینا بے ایمان خارجی فرقے کا کام ہے چنانچہ صحیح بخاری عربی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۳ میں ہے "وکان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی مخلوق میں سے بدترین سمجھتے تھے اور فرمایا ان کا ایک جرم یہ ہے کہ وہ کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اہ۔ جس سے مؤلف کی خارجیت کا ثبوت ملتا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خیر سے حضرت ابن عمر کے فتوے کے مطابق عظیم المرتبت خارجی ہیں جب کہ انہیں ہمارا مسلمان ہونا بھی مسلم ہے۔ چنانچہ گلی نامہ کا آغاز کرتے ہوئے

انہوں نے مقلدین احناف کو مخاطب بنا کر انہیں "برادران اسلام" اور "میرے بھائیو" کے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱) فیا للجب

روایت ام المؤمنین میں مؤلف کی ہیرا پھیریاں :-
بعد خطبہ پہلی چار سو بیسی :-

ہم نے "تحقیقی جائزہ" میں نہایت ٹھوس دلائل سے ثابت کیا تھا کہ مؤلف نے قصداً "عدا" اور جان بوجھ کر محض اپنا من مانا معنی کشید کرنے کی غرض سے حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بیان والی حدیث کو تراویح کے بارے میں بنا کر پیش کرنے کے لیے اس کا آخری حصہ اڑا دیا جس سے اس کا دربارہ تہجد ہونا متعین ہوتا تھا نیز اس کے اردو ترجمہ میں انہوں نے اپنی طرف سے "تراویح" کا لفظ بھی بڑھا دیا جس سے وہ "معنوی تحریف" اور "مجرمانہ خیانت" کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۶ اور صفحہ ۸)

جس کے بعد انہیں اعتراف جرم کر کے توبہ کر لینی چاہیے تھی جو قطعاً کار عار یا باعث نار نہیں عظمت اور رحمت پروردگار کے حصول کا سبب ہے یا پھر وہ ہمارے ان شواہد کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے تو کم از کم معاملات کے نمٹانے کے شرعی اصول پر عمل کرتے ہوئے کسی قسم کی کوئی شرم محسوس کیے بغیر حلف دے کر اپنی صفائی پیش کرتے مگر ان کی عیاری، چالاکی اور چار سو بیسی دیکھیں کہ "چور کی داڑھی میں تنکا" کے تحت بعد خطبہ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ سنت ابلیسی پر چلتے ہوئے نہایت درجہ متکبرانہ انداز میں سلب منصب کر کے جو کام اس کے ذمہ تھا اسے ہیرا پھیری سے ہم پر ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے چنانچہ ایک پر آگندہ اور بے ربط سی عبارت میں اس حوالہ سے اس نے لکھا ہے :-

”اگر اس احکم الحاکمین کی عدالت میں پیش ہونے، حساب و کتاب اور جزا و سزا پر یقین ہے تو پھر میرے بھائیو اصل کتب حدیث کو محولہ ابواب سے نکال کر انہیں اپنے مولویوں سے حلفاً پورے ابواب کی ساری احادیث کا ترجمہ کروا کر سنو تو انشاء اللہ آپ کے سامنے منکشف ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خائن ہے“
 اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۱ سطر نمبر ۱۵ تا ۱۵) مؤلف کے اس جملہ ”اصل کتب حدیث کو محولہ ابواب سے نکال کر“ الخ سے جو اس کی جہالت، علمی بے مانگی اور بدحواسی ظاہر ہے محتاج بیان نہیں کہ اس پیکر علم کو اتنی بھی خبر نہیں کہ کتب میں ابواب ہوتے ہیں یا ابواب میں کتب ہوتی ہیں۔ پھر دیکھیں مؤلف نے کتنی ہیرا پھیریاں کر کے قارئین کو کیسے چکر میں ڈال دیا ہے، موضوع کیا تھا اور بات کو ”پورے ابواب کی ساری احادیث کا ترجمہ کروا کر سنو“ کہہ کر کس چالاک سے دوسری طرف لے گئے اور پھر جزا و سزا سے ڈرنے کی تلقینیں بھی ہمیں شروع کر دیں۔ بات فقیر سے تھی مشورہ یہ دیا کہ مولویوں کے پاس جاؤ یعنی اس کے پاس نہ جانا ورنہ وہ سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دے گا۔

حسب صاحب اگر آپ بے ایمانی کو ساتھ لے کر توبہ کے بغیر گئے تو انشاء اللہ روزِ محشر آپ کی سزا اور حساب و کتاب بھی سب دیکھ لیں گے اس دنیا کے شرعی احکام کے حوالہ سے سرِ دست جو آپ کے ذمہ ہے وہ اس امر کی حلفیہ صفائی پیش کرنا ہے کہ آپ حلف دیں کہ ہم نے آپ کی جو تحریف اور خیانت بیان کی ہے آپ نے وہ نہیں کی کسی جنّت نے کی ہے اگر آپ نے وہ تحریف و خیانت کی ہو یا ہمارا وہ بیان صحیح ہو تو آپ کی موجودہ یا متوقعہ بیوی پر آپ کے حسبِ اصول پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں۔ دیدہ بلید۔ ویسے انہیں ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنا گھر اجائیں نہ اپنی آخرت برباد کریں اور ہیرا پھیری کرنے یا باتیں بنا کر عوام کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی بجائے حدیث میں کی گئی مجرمانہ خیانت اور تحریف سے اللہ و رسول ﷺ کی بارگاہ میں گزرگا کر توبہ کر لیں

اسی میں عظمت ہے اسی میں سرخروئی اور عافیت ہے جب کہ آپ دے لفظوں میں اس کا اقرار بھی کر چکے ہیں چنانچہ اپنے اسی گلی نامہ میں اس سے کچھ آگے آپ نے لکھا ہے:

”باقی رہا یہ سوال کہ میں نے ان آخری الفاظ کو ذکر کیوں نہیں کیا“ اھ (بلفظہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)

یعنی آپ نے مان لیا کہ آپ واقعی حدیث کا وہ آخری حصہ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے تھے، رہا آپ کا یہ کہنا کہ ”ان آخری الفاظ کا بحث فیہ مسئلہ کے ساتھ تعلق نہیں تھا“ یہ آپ کی دجل و تبلیس جھوٹ اور جہالت یا تجاہل ہے کیونکہ ان کا تعلق نہیں تھا تو پورے الفاظ کے نقل کر دینے میں آپ کو نقصان کیا تھا؟

کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

علاوہ ازیں حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا بحث فیہ مسئلہ سے گہرا تعلق ہے کیونکہ جو جملہ آپ نے اڑایا ہے اس طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشہ ان عینی تنامان ولا ينام قلبي“ جسے آپ نے اپنے اس گلی نامہ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر نقل کر کے اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: ”کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں پھر بیدار ہو کر اس طرح وضو کے بغیر نماز پڑھ لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے یعنی نیند سے میرا وضو نہیں ٹوٹتا“ (اھ بلفظہ)

جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ اس میں مذکورہ نمازِ نفل سے مراد محض وہ نفلی نماز ہے جو رسول اللہ ﷺ نیند فرمانے کے بعد ادا فرماتے تھے اور وہ تہجد ہی ہے کیونکہ اس کے لیے نیند شرط ہے جیسا کہ ہم اسے ”تحقیق جائزہ“ میں قاہر دلائل سے ثابت کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر

۱۳ تا ۱۵) وہ تراویح نہیں ہو سکتی کیونکہ تراویح نیند کرنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے (کمالا یخفی عن جابل فضلہ) عن فاضل (معلوم ہوا کہ اس جملہ کا اس مسئلہ سے صرف گہرا تعلق ہی نہیں بلکہ یہ جملہ پورے مضمون حدیث کی جان ہے جس پر اس میں مذکور نماز کی نوعیت کے سمجھنے کا دارومدار ہے۔

مرغے کی وہی ایک ٹانگ :-

مگر مؤلف صاحب اپنی اسی ہٹ پر قائم ہیں اور ان حقائق سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اس کے فوراً بعد ارشاد فرماتے ہیں :

”اب بتائیں ان الفاظ سے تہجد اور تراویح جدا جدا کہاں سے ثابت ہو گئیں بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)

تعبص کی پٹی آنکھوں سے اتار دیں واضح ہو جائے گا پھر بھی نہ مانیں تو جناب کی اس ہٹ کا بہترین جواب جناب کے وہ الفاظ ہیں جو آپ نے اپنے گالی نامہ کے صفحہ ۴۶ پر لکھے ہیں ان کو آئینہ بنا کر ان میں اپنی شکل دیکھ لیں ”کہاں سے ثابت ہو گئیں“ سمجھ میں آجائے گا چنانچہ آپ کے لفظ ہیں۔

”اگر سورج چڑھنے اور نکلنے کے باوجود الو اور چمگادڑ کی نظر کام نہ کرے ان کو سورج نظر نہ آئے یا اسے دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں تو سورج کا کیا قصور؟ یا دوسری مخلوق ان دونوں کو سورج کیسے دکھائے؟ ورنہ اس کا سورج تو چڑھا ہوا ہے“

”اھ - نعرۂ رسالت : یا رسول اللہ

سہ انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں انہی کی محفل سجا رہا ہوں

ہے محفل میری بات ان کی چراغ میرا ہے رات ان کی

خائن کا حکم بقول مؤلف :-

اپنی مجرمانہ خیانت اور تحریف کو لفظوں کے وزن تلے دبانے کی غرض سے لفاظی کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ خیانت کرنا لعین اور نمک حرام آدمی کا

کام ہے اھ ملخصاً (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰) پس جب مؤلف کا حدیث میں تحریف و خیانت کرنا ایک حقیقت ثابت ہے تو اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے کسی بھی اہل عقل پر مخفی نہیں۔ منطقی حوالہ سے یہ بحث اس طرح سے طے ہوگی کہ ۱۔ ایک شخص نے حدیث میں تحریف اور مجرمانہ خیانت کی ہے اور ۲۔ جو ایسا کرے وہ حسب تصریح ”ماؤلانا“ لعین و نمک حرام شخص ہے۔ لہذا وہ شخص مؤلف کے بقول لعین و نمک حرام شخص ہے۔ بوجھ تو جانیں وہ کون ہے؟

اس ہمہ آوردہ تست

رجسٹرو خائن و لعین

مؤلف نے فضول واویلا اور خود ستائی کے ذریعہ اپنے اس جرم کو چھپانے اور اس سے جان چمڑانے کی غرض سے صفائی کا ایک نیا اور مخصوص انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے: ”خیانت تو وہ لعین کرے جو خالق و رازق کے سوا اپنے جیسے محتاج انسانوں کو داتا بنائے اور حقیقی داتا خالق و رازق کا نمک حرام بنے اور مساجد کے نام سے اور مختلف ناموں کی بدعات کے ارتکاب سے لوگوں سے چندہ وصول کر کے دنیاوی مقاصد حاصل کرے ہمیں خیانت کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم تو اپنے خالق و مالک اور حقیقی داتا کو ہی رازق سمجھتے ہیں خواہ ساری دنیا مخالف ہو جائے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمارا داتا اور رازق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے“ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰ گالی نامہ) مگر اس سے انہوں نے ہمارے اس الزام کو اٹھانے کی بجائے اسے مزید پختہ کر کے خود اپنے لفظوں میں اپنے لعین، خائن اور نمک حرام ہونے پر رجسٹری کر دی ہے اس طرح سے وہ ”یک نہ شد و شد“ اور ”فرمن المطر واستقر تحت المیزاب“ کا صحیح مصداق قرار پائے ہیں (یعنی بارش سے بھاگا، پرنا لے کے نیچے آکھڑا ہوا) جس میں پہلے تو وہ صرف خود اکیلے ملوث تھے اب وہ اپنی پوری قوم کو بھی لے ڈوبے ہیں

۸۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس عبارت سے مؤلف کا مقصد مسئلہ توسل کی بناء پر ہم پر ہٹ کرنا اور یہ بتانا ہے کہ ان کا گروپ اولیاء کرام (خصوصاً حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) سے مانگنے یا لوگوں سے چندوں کی اپیل کرنے کی بجائے سب کچھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں جو ان کا بہت بڑا دجل و فریب اور ان کی سخت تلبیس اور شدید کذب بیانی ہے جسے ہم ان کا اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ کہنے سے ڈر رہے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بزرگانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے بھی کوئی بڑا جھوٹ بولیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ان کے جملہ مصارف کہاں سے آرہے ہیں ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا پیٹ کیسے پل رہا ہے۔ جن کا طول و عرض بھی بتاتا ہے کہ واقعی اس میں کتنی مٹیریل پھینکا گیا ہے، راتوں رات بڑی بڑی مساجد اور مدارس کی آسمان بوس بلڈنگیں کہاں سے تعمیر ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ وہ یعنی ان کی جماعت کسی سے چندہ بھی نہیں مانگتی۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ان کی یوتھ ونگ لشکر طیبہ، کشمیر کے نام پر نہ صرف قربانی کے موقع پر قربانی کی کھالیں اور چمڑوں کے جمع کرنے کے لیے ملکی لیول پر کیمپس لگاتے ہیں بلکہ اس حوالہ سے وہ پورا سال لوگوں کی چڑیاں بھی اڑھڑتے رہتے ہیں۔ ملک کے مختلف مقامات پر غیر مقلدوں نے مساجد و مدارس کے نام پر چندے جمع کرنے کے پھٹے لگا رکھے اور اڑے قائم کیے ہوئے ہیں۔ دستاویزی ثبوت کے طور پر ان کے مسلک کا مشہور ہفت روزہ رسالہ اہل حدیث (شمارہ نمبر ۱ جلد ۲۹ مطبوعہ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۲ تا ۸ جنوری ۱۹۹۸ء) کا تازہ شمارہ اٹھا کر دیکھ لیں اس کے صفحہ نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۴ صفحہ نمبر ۲۶، صفحہ نمبر ۲۷ صفحہ نمبر ۲۸ اور آخری صفحہ پر مختلف ذمہ دار قسم کے بڑے بڑے غیر مقلدوں کی طرف سے اپنے مختلف مذہبی اداروں کے لیے نہایت لجاجت کے ساتھ چندوں کی اپیلیں درج ہیں بلکہ اس کے صفحہ ۲۲ پر ایک ”اہل حدیث“

کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فراڈ بازی سے ایک ادارے کے نام پر چندہ جمع کرنے کا کاروبار کرتا ہے۔ گویا حسیم صاحب کے فتویٰ کے مطابق ان کے یہ سب غیر منصفہ بھائی، خائن، لعین اور نمک حرام ہیں؟

باقی لفظ ”داتا“ کے حوالہ سے انہوں نے حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ پر جو ہٹ کی ہے؟ تو اولاً اس جاہل کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہاں داتا بمعنی ”سخی“ ہے ملاحظہ ہو (فیروز اللغات اردو) ”خرد ساز صفحہ طبع تاج کمپنی“ تو کیا کسی جود و سخا کے پیکر کو ”سخی“ کہنا جرم ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں سخاوت اور سخی کی تعریف اور بخل و بخیل کی مذمت موجود نہیں۔ کیا صحیح حدیث کے یہ لفظ نہیں ہیں البید العلویا خیر من البید السفلی (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) اس علم سے کورے کو درجہ ابتدائیہ کا چھوٹا سا رسالہ ”کریم“ بھی نہیں آتا جس میں ”در صفت سخاوت“ اور ”در مذمت بخیل“ کے عنوانوں کے تحت سخی کو سراہا اور کنجوس کو رگیدا گیا ہے

علاوہ ازیں خود مؤلف نے اللہ تعالیٰ کو بار بار ”حقیقی داتا“ لکھ کر مخلوق کے داتا ہونے کا اقرار کر کے اپنے موقف کے جھوٹے ہونے کو تسلیم کر لیا ہے کیونکہ جب وہ حقیقی داتا ہے تو کوئی مجازی اور عطائی داتا بھی تو ہو گا۔ اگر یہ تقسیم صحیح نہیں تو لفظ حقیقی کو لانے کا فائدہ ہی کیا ہے مؤلف صاحب ہمیں گالی دینے کی نیت سے بار بار ان لفظوں کی رٹ لگاتے ہیں کہ ”دروغ گو را حافظہ نباشد“۔ پس ”لا ذاکرۃ للکذاب“ کہ شان کے مالک اس بڑھے کو چاہیے کہ اب وہ اس کی تسبیح پڑھ کر خود پر اس کا دم کر لے۔ باقی محبوبان خدا سے مانگنے کا مطلب یہ ہمارے نزدیک محض طلب دعا ہے جو قرآن و سنت کی رو سے درست و بجا اور اس کا جواز شرعاً ثابت ہے۔ جس کی تفصیل ہمارے علماء کی اس موضوع پر لکھی گئی تصانیف جلیلہ میں ہے۔ جیسے الآن والعلیٰ وغیرہ اس کی وضاحت ہمارے رسالہ ”اہل حدیث مذہب کی حقیقت“ میں بھی ہے۔

باقی انہوں نے ہمیں ارتکابِ بدعت کا جو طعنہ دیا ہے صحیح معنی میں اس کا مصداق بھی وہ خود ہی ہیں۔ اور تو اور ان کا مذہبی نام (اہل حدیث) بھی اصول و شرع اور خود ان کے قواعد کے پیش نظر بدعتِ مذمومہ ہے جسے ہم کئی دلائل سے ثابت کر آئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ رسالہ ہذا) اگر ہمارے معمولات میں سے ہمارے کسی معمول کو نامزد کر کے حسبِ اصول اس کا بدعتِ شرعیہ ہونا ثابت کیا ہوتا تو ہم اس کے جواب دہ تھے جس کا ہم تابزد توڑ جواب پیش کر کے ان کی طبیعت خوب صاف کر دیتے، اس کے بغیر یہ ان کی ہمیں گالی ہے جس کے لئے وہ قطعاً "مجبور ہیں کہ یہ ان کی "پرانی عادت" ہے جس کے بغیر ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا اور دلائل سے عاری ہونے کے باعث کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے بھی اس کی انہیں "شدید حاجت" تھی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ سچ ہے:

؎ گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

اس حدیث میں ایک اور تحریف :-

مؤلف اپنے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے قدم قدم پر کئی کئی جھوٹ بول کر اس حدیث میں مزید خیانت پر خیانت اور تحریف پر تحریف کا مرتکب ہوتا چلا جا رہا ہے چنانچہ حدیث کا منقولہ بالا جملہ جسے اس نے حدیث کو حسبِ خواہش معنی پر ڈھالنے کے لئے اڑا دیا تھا۔ اس کے بارے میں ایک اور تحریف کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ان الفاظ سے تو آپ کا صرف ایک معجزہ ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ دوسرے انسانوں کی طرح آپ غفلت کی گہری نیند نہیں سوتے تھے (الی) جس سے آپ کا وضو ٹوٹے" اھ بلفظہ ملخصاً۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ نمبر ۱۰) مؤلف نے اپنے مزعوم کے اثبات کے لئے جو لفظ "صرف" لکھا ہے وہ حدیث میں بعینہ ایسا اضافہ ہے۔ اس کے لفظوں میں جس کا ارتکاب زمانہ قدیم کے خائن و محرف یہود و نصاریٰ کرتے تھے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا

محض بے بنیاد اور بلا دلیل دعویٰ ہے جس کے ثبوت کی وہ کوئی صحیح دلیل پیش کرنے سے عاجز رہا ہے اور اسے وہ انشاء اللہ تا صبح قیامت ثابت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ ذرہ بھر بھی اس میں صداقت اور جرأت ہے تو اپنے حسبِ اصول لائے کوئی ایسا ارشادِ رسول ﷺ جس میں آپ نے اس مقام پر "صرف" یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ ارشاد فرمایا ہو۔ یا جس میں آپ نے نیند سے پہلے اور نیند کے بعد والے نوافل کو ایک ہی قسم شمار فرمایا ہو۔ پھر تعجب ہے کہ مؤلف اپنی اس ورق سیاہی کو بھی بھول گیا ہے جس میں اس نے اپنے نظریہ کے برعکس محض اَلو سیدھا کرنے کی غرض سے بار بار یہ واویلا کیا ہے کہ محدث جس حدیث کو جس باب میں رکھ دے اسے اسی معنی ہی میں لیا جائے گا۔ تو کیا امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے اس حدیث کو متعلقہ کتب و ابواب میں آپ ﷺ کے اس معجزہ کے اثبات کی غرض سے رکھا ہے؟ غور فرمائیں "دروغ گو را حافظہ نباشد" (اور لا ذاکرتہ للکذاب) کا مصداق یہ مؤلف کس طرح سے خود ہی ایک اصول بناتا پھر خود ہی اس کو پس پشت ڈال کر بار بار "افتونون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض" کی منظر کشی اور "بیٹھا ہپ اور کڑوا تھو" کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیش نظر مقام پر محدثین اس حدیث کو اثباتِ معجزہ کے لئے نہیں لائے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اثباتِ معجزہ کی غرض سے کتاب الناقب کے "باب کان النبی ﷺ تمام عینہ ولا ینام قلبہ" میں علیحدہ لائے ہیں۔ یعنی اس امر کا بیان کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ (ملاحظہ ہو بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۰۱-۵۰۲) جس سے مؤلف کی تلبیس واضح ہوتی ہے۔

فیصلہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

مؤلف کے، منقولہ بالا اس جملہ کو غیر متعلق بتانے کے کذب، جھوٹ اور نہایت درجہ غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ موجودہ اختلاف سے پہلے کے بڑے بڑے محدثین اسے اس میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی نفلی نماز کے نماز تہجد ہونے کی دلیل مان کر صدیوں پہلے، مؤلف کے اس باطل نظریے اور غلط استدلال کا ”پوسٹ مارٹم“ فرما چکے ہیں چنانچہ مسلم بن الفریقین جلیل القدر محدث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری مسلم وغیرہا کی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکسال بود غالباً بعد از اذہ رکعت مع الوتر سے رسد۔ دلیل برین حمل آنت کہ راوی اس حدیث ابو سلمہ است در تتمہ اس روایت میگوید کہ قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ ﷺ اتمام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم۔ و ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور میشود نہ غیر آں اہ ما اردنا بلفظہ یعنی حضرت ام المؤمنین کی اس روایت میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی اس نماز سے مراد تہجد ہے جو سال کے بارہ مہینوں میں برابر اور عموماً وتر سمیت گیارہ رکعات ہوتی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو سلمہ نے اس کا آخری جملہ اس طرح سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا رہتا ہے جیسا کہ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وتر سے پہلے سو جانا نماز تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور نفلی نماز میں اھ۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ عزیزی فارسی جلد اول صفحہ نمبر ۱۱۹ طبع کتاب فروشی حاجی محمد علیم کتاب فروشی بازار کابل افغانستان)

اقرار بے مثلیت سرکارہ۔ ﷺ

مؤلف اور اس کی (نام نہاد اہل حدیث) پارٹی کا حضور ﷺ کی بے مثل و بے مثال ذات اقدس کے بارے میں ایک گستاخانہ عقیدہ یہ بھی ہے کہ آپ معاذ اللہ عام انسانوں کے طرح بشر ہیں۔ منقولہ بالا جملہ کو اڑانے سے مؤلف کا ایک مقصد اپنے اس باطل نظریے کو تحفظ دینا بھی تھا کیونکہ اس سے آپ علیہ السلام کی بے مثلیت واضح ہوتی ہے جو اس کے نظریے کے قطعاً منافی ہے مگر علیٰ کل شئی قدیر ذات نے مؤلف کے گستاخ قلم سے اپنے حبیب ﷺ کی شان منوا کر چھوڑا ہے پس اس ضمن میں مؤلف نے صحیح حدیث کے حوالہ سے دو ٹوک لفظوں میں یہ لکھ کر کہ ”دوسرے انسانوں کی طرح آپ غفلت کی گہری نیند نہیں سوتے تھے (الی) جس سے آپ ﷺ کا ”صوٹوٹے“ مان لیا ہے کہ آپ کے بارے میں اہل سنت کا بے مثل بشر ہونے کا عقیدہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحیح حدیث کے مطابق ہے جو اس کا منکر ہو وہ حدیث کا منکر اور اہل حدیث مذہب سے خارج ہے۔ پس نام نہاد اہل حدیثوں کو یا تو اپنا یہ باطل نظریے چھوڑنا ہو گا یا پھر اپنے اس بڑے کے فتویٰ کے مطابق اہل حدیث مذہب سے خارج قرار پانا ہو گا جو ان کی زبان میں کفر کا دوسرا نام ہے اب جو آسان ہو اسے اپنالیں۔ (یا علی مدد)

ایک اور مغالطہ، تلیس اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم:-

مؤلف نے حضرت ام المؤمنین کی زیر بحث روایت کے درباره تراویح ہونے نیز تہجد اور تراویح دونوں کے ایک ہونے کا اثبات کرنے نیز اپنے اس جرم کو چھپانے کی غرض سے ہمارے متعلق اپنی ماوری زبان میں لکھا ہے کہ: ”رکعات تراویح کی اجمالی بحث“ سرخی کے تحت خود تسلیم کر رہے ہیں کہ جو نماز رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ نے تین راتیں پڑھائی بحوالہ صحیح بخاری

صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ۔ یہ وہی نماز ہے جسکو مسلمانوں کو اصطلاح میں تراویح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی نماز کو اگر ہم تراویح سے تعبیر کریں تو ارتکاب خیانت اور تحریف معنوی کا الزام دیا جاتا ہے اور خود اسی نماز کو تراویح سے تعبیر کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں۔

الحجاء ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ملاحظہ ہو - (گلی نامہ صفحہ ۷) نیز صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے: ”یہ بریلوی مولوی ایک حدیث یعنی تین رات نماز پڑھانے والی کو تراویح پر محمول کرتا ہے اور دوسری یعنی ورتوں سمیت گیارہ رکعات والی تہجد پر اھ۔ جو ان کا زبردست مغالطہ، سخت جھوٹ اور شدید تلبیس ہے جس پر جتنی لعنت کے ڈوگرے برسائے جائیں کم ہے کیونکہ حضرت ام المؤمنین کی زیر بحث روایت قطعاً رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک کی اس نفلی نماز کے متعلق نہیں ہے جو آپ نے بعد نماز عشاء نیند کرنے سے پہلے اپنے اصحاب کرام کو تین راتیں پڑھائی تھی بلکہ تین راتوں کی اس نماز کو بیان کرنے والی روایت اس سے الگ ہے اور یہ زیر بحث روایت اس سے علیحدہ شے آخر اور چیزے دیگر ہے ہم نے یہ قطعاً نہیں لکھا کہ حضرت ام المؤمنین کی یہ روایت ان تین راتوں کی نماز کے بارے میں ہے یا اس میں مذکور نماز سے مراد تراویح ہے بلکہ عبارت کا تعلق محض اس روایت سے ہے جو ان تین راتوں کی اس نماز کے بیان پر مشتمل ہے اس جھوٹے، مبسّ اور یہودی منش خائن مؤلف نے ہماری اس عبارت کو غلط رنگ دے کر پیش کیا اور مغالطہ دینے کی غرض سے اسے ادھورا نقل کیا۔ پھر بھی ہمارے ہی متعلق کہا جاتا ہے کہ ”معلوم ہوتا ہے کہ اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں“

قارئین کرام انصاف فرمائیں کھوپڑی کس کی خراب ہے اور دماغی توازن کس کا قائم نہیں اور جو شعر انہوں نے لکھا ہے اس کا صحیح مصداق وہ خود ہیں یا ہم؟ نیز اپنے ہی دام میں گرفتار اور دلدل میں پھنسا ہوا کون ہے وہ یا ہم؟ اور کیا یہ لفظ لکھ کر اس بد زبان نے ہمیں گالی نہیں دی۔

ح گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

ح شرم تم کو مگر نہیں آتی

غیر مقلدیت مآب نے ہمارے

رسالہ ”تحقیق جائزہ“ کی جس عبارت میں قطع و برید کر کے اسے غلط رنگ دے کر پیش کیا ہے وہ مکمل طور پر حسب ذیل ہے:

چنانچہ ”رکعات تراویح کی اجمالی بحث“ کرتے ہوئے ہم نے اس میں لکھا تھا ”یہ امر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں خود بھی قیام فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے روزہ ہائے رمضان کی فرضیت کے بعد پوری زندگی میں صرف ایک بار کے ماہ رمضان کی تیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں شب میں فوراً بعد نماز عشاء جماعت کے ساتھ نوافل ادا فرمائے تھے جن میں سے پہلی شب کو تہائی رات، دوسری رات کو آدھی رات اور تیسری شب کو آپ صبح تک اس نماز میں مصروف رہے۔ ملاحظہ ہو: (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۳ نیز ابوداؤد جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۹۰، نسائی جلد ۱ صفحہ نمبر ۲۳۸، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹، ابن ماجہ صفحہ ۹۳)

مسلمانوں کی اصطلاح میں آپ کی اسی نماز کو ”نماز تراویح“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز تراویح مسنون نماز ہے جو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ یہ امر قابل تحقیق ہے کہ آپ نے ان راتوں

میں جماعت کے ساتھ کتنی رکعتیں ادا فرمائی تھیں؟ پس اس بارے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ احادیث کے پورے ذخیرے میں اس کا تو کوئی صحیح صریح ثبوت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں آٹھ یا اس سے کم تراویح پڑھی ہو البتہ صرف ایک روایت ایسی ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۳ نیز مسند کشی، معجم بغوی، معجم کبیر طبرانی، بیہقی، تعلیق آثار السنن صفحہ ۲۵۳)

یہ روایت اگرچہ باعتبار سند اتنا قوی نہیں تاہم حضرت عمر فاروق کا اپنے دور خلافت میں بیس تراویح کو رائج فرمانا، صحابہ و تابعین اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجہ ضعف سے اٹھا کر قوت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے اھ ملاحظہ ہو: (”آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ“ صفحہ ۳، صفحہ ۵ طبع رحیم یار خان)

یہ ہے ہماری وہ مکمل عبارت جس میں ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے قطع و برید اور مجرمانہ خیانت کر کے مؤلف نے اسے غلط رنگ دے کر کیا کچھ بات کا جھگڑا اور پھانس کا بانس بنا کر پیش کیا۔ اقتباس اگرچہ طویل ہے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا، ہم نے وہ عبارت پوری نقل کر دی ہے تاکہ آپ ان دونوں میں تقابلی اور موازنہ کر کے مؤلف کی کذب بیانی، تلیس اور ہیرا پھیری کو باسانی سمجھ سکیں اور اس میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بس تین راتوں والی روایت اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ کی روایت کو ایک قرار دینا مؤلف کی واقعی تحریف معنوی اور مجرمانہ خیانت اور ہمارا ان دونوں میں فرق کر کے روایت صدیقہ کو دوبارہ تہجد اور تین راتوں والی اس روایت کو دوبارہ تراویح ہونا بیان کرنا قطعاً ”مطابق واقعہ اور امر واقعی“ کا بیان ہے۔

ائمہ حدیث اور بزرگان غیر مقلدین سے تائید:-

جس کی وضاحت ہم ”تحقیقی جائزہ“ میں متعدد ائمہ حدیث (امام سیوطی، امام کشی، امام سبکی وغیرہم) بلکہ خود بزرگان غیر مقلدین (ابن تیمیہ، قاضی شوکانی، صدیق حسن بھوپالی اور مولوی وحید الزماں حیدر آبادی نیز مولوی نورالحسن بن صدیق حسن غیر مقلد) کے ان دو ٹوک الفاظ سے کر چکے ہیں جن میں انہوں نے حضرت ام المؤمنین کی اس روایت کے پیش نظر ہونے کے باوجود نہایت صراحت کے ساتھ اپنی آراء پیش کرتے ہوئے اپنی اپنی کتب میں لکھا ہے کہ بسند صحیح یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تراویح کی کتنی رکعات پڑھی تھیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۸ تا صفحہ ۱۱) جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت صدیقہ کی اس روایت کا تین راتوں والی اس نماز سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ اس کے بارے میں ہوتی تو یہ حضرات صاف کہہ دیتے کہ آپ نے ان راتوں میں آٹھ رکعات تراویح پڑھی تھی اور دلیل کے طور پر حضرت صدیقہ کی اس روایت کو پیش کر دیتے (ولکن اذلیس فلیس)

امام ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ:-

نیز امام ابن حجر عسقلانی (کہ مؤلف جن کا جنون کی حد تک مداح ہے ان) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ ”ولم ارفی شئی من طرقہ بیان عدد صلوتہ فی تلک اللیلالی“ یعنی ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے کتنی رکعات تراویح پڑھی تھی؟ میری تحقیق کے مطابق اس حدیث کے تمام طرق میں سے کوئی ایک طریق بھی ایسا نہیں جس میں اس کی وضاحت ہو۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۱۶ طبع بیروت) بلکہ خود مؤلف نے بھی امام ابن حجر کی یہ عبارت اپنے گلی نامہ میں نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۸ گلی نامہ) باقی ابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالہ سے جو انہوں نے حضرت

جابر کی روایت نقل کی ہے وہ بھی مؤلف کو قطعاً "مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے جس کی تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۹ میں کر دی گئی ہے۔ نیز مزید وضاحت آئندہ سطور میں بھی آرہی ہے۔ جس سے اتنا تو بہر حال ثابت ہو گیا کہ حافظ ابن حجر کے نزدیک روایت صدیقہ کو ان تین راتوں والی نماز سے کوئی تعلق نہیں ورنہ وہ اسے دلیل بنا کر رکعات کی تعداد کا تعین کر دیتے (وہو المقصود)

امام قسطلانی وغیرہ کا فیصلہ :-

نیز شارح بخاری امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ : "اما قول عائشة الآتی فی هذا الباب ان شاء الله تعالى ما كان ای النبی صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة فحملہ اصحابنا علی الوتر " یعنی ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول (جو اس باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سال کے بارہ مہینوں میں (خواہ وہ ماہ رمضان ہوتا یا کوئی اور آپ) گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (لغوی) وتر (یعنی نماز تہجد) کے بارے میں ہے۔ ملاحظہ ہو :- (ارشاد الساری جلد ۳ صفحہ ۳۲۶ طبع بیروت)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فیصلہ :-

نیز فتاویٰ عزیز فی فارسی ج ۱، صفحہ ۱۱۹ کے حوالے سے آپ کا یہ فیصلہ صفحہ ۵۳ پر گزر چکا ہے کہ "آن روایت محمول بر نماز تہجد است" یہ روایت نماز تہجد کے بارے میں ہے۔ اھ۔

امام بخاری پر جھوٹ کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے اس جرم (خیانت و تحریف) کو چھپانے کی غرض سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس میں ملوث ظاہر کر کے ان پر بھی یہ جھوٹ بولا اور

تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ افتراء باندھا ہے کہ وہ بھی اس کی طرح اس امر کے قائل تھے کہ تہجد و تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ ہمارا پھیری اور دجل و فریب سے کام لے کر اور "دو اور دو چار روٹیاں" کے فلسفہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے لکھا ہے :

- "نیز جن تین راتوں میں ماہ رمضان میں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی (الی) اسی حدیث کو امام بخاری نے کتاب التہجد میں بیان کیا ہے۔ اس طرح اس حدیث کو جو ورتوں سمیت گیارہ رکعات والی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب التہجد میں ذکر کیا ہے نیز یہ دونوں حدیثیں امام بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان میں بھی لائے ہیں۔ صحیح بخاری ج ۱، صفحہ ۳۶۹ پ ۸، اس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے لیکن یہ بریلوی مولوی ایک حدیث کو تراویح پر محمول کرتا ہے اور دوسری حدیث کو تہجد پر اھ ملخصاً"۔ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۷، ۸)

یہ مؤلف کا امام بخاری پر بہت بڑا بہتان، سخت جھوٹ اور بڑا مغالطہ ہے جو محض اس کی اپنی تراش خراش اور بقول خود اول من قاس ابلیس " کے تحت اس کے اپنے ابلیسی قیاس کا نتیجہ ہے۔ امام بخاری نے یہ قطعاً نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک "تہجد و تراویح" ایک ہی نماز کے دو نام ہیں اور نہ ہی ان کی یہ مراد ہونے پر کوئی صحیح دلیل قائم ہے اور نہ ہی ان کی یہ مراد ہو سکتی ہے کیونکہ

جواب :-

قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل اور کئی ٹھوس شواہد اور علم و تحقیق کی رو سے نماز تراویح اور نماز تہجد دو مختلف نمازیں ہیں جس کی ایک آسان اور واضح دلیل یہ ہے کہ نماز تہجد کے لیے عشاء کے بعد کچھ نہ کچھ نیند کر لینا شرط ہے نیز

جواب ۳:-

تہجد قبل ہجرت مکہ المکرمہ میں شروع ہوئی جب کہ تراویح بعد ہجرت مدینہ منورہ میں شروع فرمائی گئی جو نیند کرنے سے پہلے اول شب میں ادا کی جاتی ہے جس کی مکمل تفصیل ان دو دلائل کے علاوہ دیگر آٹھ دلائل سے ہمارے رسالہ ”تحقیق جائزہ“ میں موجود ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۷) جن کا مؤلف کوئی صحیح اور تسلی بخش جواب پیش نہیں کر سکا بلکہ بعض کو تو اس نے چھوٹا تک نہیں بعض کے متعلق محض یہ کہہ کر گزر گیا کہ ”ان کا جواب ہو گیا“ (جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے)۔ پس اس صورت میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری جیسے علامہ فہامہ شخص حقائق اور علم و تحقیق کے برخلاف یہ مضحکہ خیز اور نہایت درجہ غلط رائے رکھتے ہوں گویا مؤلف نے آپ کو اس کا قائل بتا کر ”المرء یقیس علی نفسہ“ کا مظاہرہ کیا اور درپردہ آپ پر سخت چوٹ کرتے ہوئے دبے لفظوں میں آپ کو لاعلم اور جاہل کہنے کی گندی گالی دی ہے (فالی اللہ المشتل)۔

جواب ۲:-

امام علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۵۷ھ) نے آپ کے طبقہ ثانیہ کے شافعی علماء میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (طبقات شافعیۃ الکبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۱ طبع قاہرہ (مصر)) جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلد نہیں تھے بلکہ فقہی حوالہ سے شافعی مقلد تھے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نہ تو آٹھ تراویح کے قائل تھے اور نہ ہی تہجد و تراویح آپ کے نزدیک ایک نماز کے دو نام ہیں کیونکہ احناف حنابلہ اور مالکیہ کی طرح شافعیہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (تسلطانی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۲۷ طبع بیروت۔ نیز عمدۃ القاری جلد ۱۱ فتح الباری جلد ۳)

جواب ۳:-

اگر بالفرض وہ اس کے قائل ہوں بھی تو بھی یہ ہمیں کچھ مضر نہیں اور نہ ہی مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ ہم ان کے مقلد نہیں کہ اصولاً ”ان کا کوئی عندیہ ہم پر حجت ہو جب کہ مؤلف اپنے خلاف اقوال علماء سے جان چھڑانے کے لئے یہ تحریر دے چکا ہے کہ چونکہ وہ غیر مقلد ہے اس لئے ان علماء کے اقوال ان پر حجت نہیں ہو سکتے پھر اگر مؤلف اور ان کی پارٹی کی بد زبانی کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ سے غلطی ہو سکتی ہے تو انہیں اپنا ہی یہ اصول یہاں کیوں بھول گیا اور وہ ہمارے خلاف معصوم کیوں بنا دیئے گئے جب کہ وہ علم و تحقیق کے معیار پر پورا بھی نہیں اترتا۔

ع۔ بریں عقل و دانش بایاد گریست

جواب ۲:-

کسی محدث کے کسی حدیث کو کسی عنوان کے تحت رکھ دینے سے یہ کب لازم ہے کہ وہ واقع میں بھی اس کے مطابق بھی ہو۔ یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون کچھ ہو اور محدث صاحب اس سے کچھ اور سمجھ رہے ہوں۔ کیونکہ عنوان باب محدث کی اپنی فہم کا نتیجہ ہوتا ہے جس کا مطابق واقعہ ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو مؤلف اور اس کی پارٹی ائمہ متبوعین بالخصوص اعظم الفقہاء حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مسائل پر چوٹ کرتے ہوئے انہیں اپنی کج فہمی اور کم علمی کی بناء پر قرآن و حدیث کے خلاف قرار دینے کی ہرزہ سرائی کیوں کرتے ہیں؟ یا اگر اس کمپنی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی ایسا واضح ارشاد ہو جس میں آپ نے واضح طور پر یہ فرمایا ہو کہ بخاری (وغیرہ محدثین) جس حدیث کو جس باب کے جس عنوان کے تحت رکھ دیں تو بغیر کسی چون و چرا اور بحث و تمحیص کے محض آنکھوں پر پٹی باندھ کر

اسے مان لینا، وہ ہمیں بھی دکھایا جائے تاکہ ہم بھی اس پر عمل سے محروم نہ رہیں۔ اگر یہ درست ہے تو ائمہٴ حدیث نے امام بخاری وغیرہ محدثین کے قائم کردہ بعض عناوین ابواب کو ان کے ^{۱۰}مُتَعَوِّن سے غیر مطابق کہہ کر ان پر اعتراض کیوں کیا ہے۔ نیز ایک ہی حدیث کے ایک ہی جملہ کو بنیاد بنا کر اسے محدثین اپنی اپنی فہم کے مطابق مختلف ابواب کے تحت کیوں لاتے ہیں۔ دورۂ غیر مقلدیت سے کچھ افادہ ہو تو گوشِ ہوش سے سنئے :- فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۶۲ طبع بیروت میں امام بخاری کے قائم کردہ اس عنوان ”باب صلوة النہی فی السفر“ کے تحت مذکور حدیث کے حوالہ سے مرقوم ہے :- وقد اشکل دخول هذا الحديث في هذه الترجمة وقال ابن بطال ليس هو من هذا الباب وانما يصلح في باب ”باب من لم يصل الضحى واطنه من غلط الناسخ اه اس قسم کے سینکڑوں حوالہ جات ہیں جنہیں بخوفِ طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ معترض، معترض علیہ میں سے کسی ایک کا صحیح اور دوسرے کا غلط ہونا لازم ہے وهو المقصود اذہما کلاهما من المحدثین فافہم ولا تکن من الغفلین

نیز امام مسلم، حدیث ” لا تصوم المرأة الا باذن اهلها “ کو کتاب الصوم کی بجائے کتاب الزکوٰۃ میں لائے ہیں یعنی جو حدیث روزے کے باب میں رکھے جانے کے قابل تھی اسے زکوٰۃ کے باب میں لائے (ملاحظہ ہو مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۳۰)

نیز ”حدیث مالی اراکم رافعی ایذیکم الحدیث“ کو نسائی نے کتاب السنو میں رکھا ہے۔ جب کہ امام ابن ابی شیبہ نے اسے ”من کرہ رفع الیذین فی الدعاء“ کے زیر عنوان اور ابو عوانہ نے اسے ”بیان النہی عن الاختصار“ کے عنوان کے تحت رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، صفحہ ۳۸۶۔ مسند ابو عوانہ جلد ۲، صفحہ ۸۵)

پس مؤلف یا تو اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کو اپنے حسبِ اصول کسی صریح

آیت یا صحیح مرفوع حدیث سے ثابت کرے جس میں اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے تہجد و تراویح کو ایک نماز کے دو نام ہونا قرار دیا ہو یا پھر یہ لکھ کر دے کہ جو محدث کسی حدیث کو کسی بھی باب میں کسی بھی عنوان کے تحت رکھ دے یا اس سے جو کچھ وہ سمجھ لے اسے اسی ہی معنی میں سمجھنا لازم اور اس سے انکار اہل حدیث مذہب سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔ دیدہ بایده۔

و بطریق آخر :-

اگر عنوان باب اور اس کے تحت لائی جانے والی حدیث میں واقع میں بھی مطابقت کا ہونا ضروری ہے اور اس کے مؤلف محدث سے اس میں غلطی کا واقع ہو جانا، ناممکن ہے تو اسی بخاری ہی سے ہم ذیل میں بطور نمونہ دو حدیثیں سپرد قلم کر رہے ہیں۔ غیر مقلد مؤلف اگر واقعی اپنے اس دعوے میں جھوٹا نہیں کہ وہ کسی کا مقلد نہیں ہے تو وہ کسی دوسرے محدث و شارح کی بیان کردہ متکلف تاویلات کی آڑ لیتے بغیر ان میں اور ان ابواب کے عنوانوں میں کوئی واضح اور صحیح مطابقت بیان کرے ورنہ یہ رٹ رٹ کرے۔ چنانچہ۔ صحیح بخاری عربی (جلد ۱) کتاب العیدین صفحہ ۱۳۳، طبع قدیمی کراچی) میں امام بخاری نے ایک جگہ یہ عنوان قائم کیا ہے :- ”باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین وکذلک النساء“ ومن کان فی البیوت والقریٰ“ یعنی اس بات کا بیان کہ جب کوئی شخص نماز عید نہ پڑھ سکے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے اسی طرح عورتیں اور جو لوگ گھروں اور بیتوں میں ہوں۔ پھر اس کے تحت اپنی سند سے یہ حدیث لائے ہیں :- ”عن عائشة ان ابا بکر دخل علیہا وعندہا جاریتین فی ایام منیٰ تدفغان وتضربان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متغش بثوبہ وانتہر ہما ابوبکر فکشف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن وجہہ فقال دعهما یا ابا بکر فانہا ایام عید وتلك الايام منیٰ“ (الحدیث (ملاحظہ

ہو ج ۱، صفحہ ۱۳۵، طبع مذکور)

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد گرامی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قربانی کے ایام میں ان کے پاس آئے جب کہ ان کے پاس دو نابالغ بچیاں تھیں جو دف بجاری تھیں اور نبی کریم ﷺ کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ پس حضرت ابو بکر نے ان بچیوں کو دھمکایا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے رخ انور سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ابو بکر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں اور وہ قربانی کے دن تھے۔ الحدیث۔

حسب تفصیل بالا بتایا جائے کہ مذکورہ عنوان باب اور اس کے تحت لائی گئی اس حدیث میں کیا مطابقت ہے؟

اسی طرح اسی صحیح بخاری عربی (جلد ۱، صفحہ ۱۵۲ کتاب التہجد طبع قدیمی کتب خانہ کراچی) میں امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے :- باب طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل "یعنی رات کے قیام نماز کو لمبا کرنے کا بیان"۔۔۔ پھر اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں عن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للتہجد من اللیل یشوص فاه بالسواک "یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن پاک کو صاف فرماتے تھے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۳)

پس مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق، عنوان باب اور حدیث باب میں معتبر اور واضح دلیل سے مطابقت بیان کی جائے۔

جواب ۵:-

بعض ائمہ کے نزدیک صحیح بخاری کی کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے جن میں سے تین ہزار دو سو پچھتر احادیث وہ ہیں جو مکرر آئی ہیں پس

حذف مکررات کے بعد اس قول کے مطابق اس کی کل احادیث چار ہزار ہیں جب کہ بعض دوسرے محققین کی تحقیق کے مطابق اس کی کل احادیث سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہیں جن میں سے چار ہزار سات سو پچھتر (۳۷۷۳) مکرر ہیں پس اس کی رو سے بعد حذف مکررات اس کی کل احادیث دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۲۳) ہوئیں ملاحظہ ہو (توجیہ النظر از علامہ طاہر جزائری)۔ بعض محققین نے فرمایا معنوی حیثیت سے ان میں کوئی تکرار نہیں کیونکہ امام بخاری جب کسی حدیث کو کئی مقامات پر لاتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد کئی مختلف مسائل کا اثبات ہوتا ہے وہ ایک ہی حدیث کو مختلف عنوانات کے تحت لاتے ہیں اس لئے یہ محض لفظی طور پر تکرار ہوتا، معنی نہیں جو کسی حد تک بالکل صحیح ہے یہ بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بحث فیہ روایات کے کتاب التہجد اور کتاب التراویح میں رکھنے سے ان کا مقصد تہجد و تراویح کا ایک بتانا نہیں بلکہ کوئی نکتہ جدیدہ ہے ورنہ اس سے حقیقی طور پر تکرار لازم آئے گا جو خلاف مفروض ہونے کے باعث قطعاً غیر صحیح ہے۔

جواب ۶:-

اگر اس سے صرف نظر کرتے ہوئے مؤلف کے اس نظریہ کو درست تسلیم کر لیا جائے (کہ مختلف ابواب میں ایک حدیث کو لانا ان کے متحد بالذات ہونے کو مستلزم ہے) تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ ہزاروں مقامات جہاں پر امام بخاری کئی احادیث کو مکرر لائے ہیں ان سب کا محمل ایک اور یہ تکرار محض عبث و فضول ہو جو نہایت درجہ مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ امام بخاری کی علمی شخصیت پر سخت چوٹ اور زبردست حملہ بھی ہے جو کسی (مؤلف جیسے) دشمن حدیث جاہل اور ہنر کی مشہور کماوت کے مصداق نادان دوست ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے اس طرح سے اگر کوئی حدیث ارکان اربعہ (نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) کے بیان پر

مشتمل ہونے کے باعث چار مقامات پر آجائے تو اس جاہل کے اس جاہلانہ کلمہ کی رو سے وہ چاروں مقامات ایک ہی مقام شمار ہوں گے اور چاروں ارکان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ایک ہی ارکان تصور ہوں گے۔ بلکہ اگر ایک حدیث کتاب النکاح میں آجائے پھر وہی کتاب الطلاق میں بھی آجائے تو اس علم و عقل کے دشمن کے نزدیک طلاق و نکاح دونوں ایک ہی چیز بن جائیں گے یعنی ان کا یا ان کے گروپ کے کسی فرد کا کسی عورت سے نکاح کرنا اُسے طلاق دینا اور اسے طلاق دینا اُس سے نکاح کرنا شمار ہو گا۔ شاید وہ اسی نکتہ کی بناء پر ایک مجلس کی تین کیا طلاق کی ایک نتیجہ کو ایک ہی شمار کر کے حرام کو حلال قرار دیتے ایسی عورت اس کے سابقہ خاوند کو لوٹا دیتے اور اسے حرام کھلا پلا کر اپنے تئیں اس پر بہت بڑا احسان کرتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی ایک واضح مثال بھی سامنے آگئی جسے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مشہور کنیز حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے رخت و ولاء کا مشہور قصہ، صحیح بخاری شریف میں ہمارے مطالعہ کے مطابق درج ذیل مقامات پر ہے جن کی تفصیل یہ ہے:-

صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۶۵۔ جلد ۱ کتاب العتق صفحہ ۳۴۴ جلد ۱ کتاب المکاتب صفحہ ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹۔ جلد ۱ کتاب الشروط صفحہ ۳۷۵ صفحہ ۳۷۶، ۳۷۷ اور صفحہ ۳۸۱۔ جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۷۳۔ جلد ۲ کتاب الطلاق صفحہ ۷۹۵، ۷۹۶۔ جلد ۲ کتاب الاطعمہ صفحہ ۷۱۶، ۷۱۸ اور جلد ۲ کتاب الفرائض صفحہ ۹۹۹ صفحہ ۱۰۰۰۔

پس اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اس کے اپنے لفظوں میں اس ”ہوائی مولوی“ کے اس خانہ ساز اصول کی رو سے جس طرح بحث فیہ روایات اس کے بقول کتاب التہجد اور کتاب التراویح میں آجائے سے ”تہجد و تراویح“ ایک ہی چیز کے دو نام قرار پائے تھے اسی طرح حدیث بریرہ کے مذکورہ آٹھوں کتب میں

آجائے سے بھی یہ آٹھ کتب ایک ہی چیز کا نام قرار پائیں یعنی حسیم صاحب نے جب اپنی بیوی سے نکاح کیا تھا تو اسے طلاق دی تھی پھر وہ اسی مطلقہ یعنی منکوحہ کو اپنے گھر کی زینت بنائے ہوئے ہیں (وغیرہ) جو ایسی مضحکہ خیز بات ہے جو کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کر سکتا (فضلاً عن فاضل) پھر بھی یہ طعنہ بھی ہمیں دیا جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ”اس بریلوی مولوی کا دماغی توازن قائم نہیں۔“ خدا را انصاف سے بتائیں کہ یہ لفظ حقیقت میں کس کا وصف ہیں اور دراصل ان کا صحیح مصداق اور مستحق کون ہے؟

مضمون بالا کی دیگر مثالیں:-

بلکہ نماز تحیۃ الوضوء، سنت فجر، دعاء استخارہ، فرض نماز کے بعد نوافل اور نماز چاشت کا بیان بھی علیحدہ عنوانات سے امام بخاری نے کتاب التہجد میں کیا ہے ملاحظہ ہو:- صحیح بخاری کتاب التہجد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷ وغیرہ)

پس جاہل مولف اس مضحکہ خیز کلمہ کی توجہ سے چاکرنا تہجد سنت فجر و عار استخارہ اور نماز چاشت وغیرہ بھی امام بخاری کے نزدیک دراصل ایک ہی نماز کے کئی نام ہیں جنہیں بر سبیل غلط کئی نمازیں سمجھ لیا گیا ہے۔ پس جس شخص نے سنت فجر یا دعاء استخارہ یا نماز چاشت پڑھ لیں اس نے نماز تہجد پڑھی اور جن سے تہجد پڑھ لی اس نے سنت فجر اور نماز چاشت وغیرہ پڑھی۔ جس پر ہم کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے مولف کے مقتدیوں سے روک لیٹ کریں گے کہ وہ چندہ کر کے ان پر بروقت قابو پاتے ہوئے ان کا باقاعدہ کسی اسپیشلسٹ سے علاج کرائیں ورنہ وہ کنٹرل سے باہر نکل گئے تو وہ اس قسم کی مزید دور از عقل باتیں کر کے جماعت کو کوئی ناقابل حلانی شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور وہ خود فرماتے ہیں ”پھر پچھتاؤ گے اور یہ پچھتایا کام نہ آئے گا۔“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹ گلی نامہ)

تین راتوں والی روایت کتاب الجمعہ میں:

بلکہ تین راتوں والی بحث فیہ روایت جس کے کتاب التہجد اور کتاب التراويح میں آجانے کو مؤلف نے تہجد و تراویح کے ایک ہونے کی دلیل بنایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے کتاب الجمعہ میں بھی لائے ہیں (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ طبع قدیمی) جسے مؤلف نے ازراہ خیانت یا بر بناء جہالت ذکر تک نہیں کیا۔ پس چاہیے کہ مؤلف اب یہ کہنا شروع کر دے کہ ہماری بھول سے ایک چیز رہ گئی تھی نماز جمعہ، نماز تہجد اور نماز تراویح دراصل ایک ہی نماز کے تین نام ہیں۔ تہجد پڑھنے سے جس طرح تراویح اس میں آگئی نماز جمعہ بھی اس میں شامل ہو گئی۔ (یک نہ شد و شد بلکہ نہ شد۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

ۛ خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں
ۛ خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

جواب ۷:-

مؤلف اپنے اس پورے رسالہ میں داویلا اور چیچ و پکار کر کے زیادہ زور جس بات پر دے رہا ہے وہ یہ ہے عنوان باب مؤلف کتاب کا دعویٰ ہوتا ہے اور حدیث باب اس کی دلیل ہوتی ہے لہذا محدث نے جس حدیث کو جس باب میں رکھ دیا اسے اسی معنی ہی میں سمجھنا چاہیے جس پر کچھ ضربات قاہرہ سطور بالا میں ابھی گزری ہیں۔ مزید عرض ہے کہ حسیم صاحب اگر یہ درست ہے تو آپ جس تقلید کو اندھی تقلید کہہ کر اس پر دانت پیتے اور ہمیں آنکھیں دکھاتے ہیں وہ کیا ہوتی ہے؟ کہیں وہ یہی تو نہیں جس کی تلقینیں ہو رہی ہیں؟ کیا عنوان باب محدث کی اپنی فہم کا نتیجہ نہیں ہوتا اور کیا اسی فہم کی اتباع بعینہ وہی تقلید نہیں جس کی مذمت کرتے ہوئے آپ لوگ جھاگیں نکالتے ہیں؟ اور جس کو آپ کم از کم شرک فی الرسالہ کا درجہ دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۰)

پس مؤلف نے یہ کہہ کر کہ چونکہ امام بخاری وغیرہ نے فلاں حدیث کو فلاں باب میں رکھ دیا ہے اس لئے ہم اسے اسی معنی میں لینے کے پابند ہیں، امام بخاری وغیرہ کی تقلید کر کے بقلم خود اپنے مشرک فی الرسالہ اور اہل حدیث مذہب سے خارج ہونے پر رجسٹری کر دی ہے مگر اس کے باوجود اس کی سینہ زوری دیدہ دلیری اور شوخ چشتی دیکھیں کہ الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹنے کے پیش نظر ہمیں ہی اندھی تقلید کا طعنہ دیتے ہوئے اس نے اپنی مادری زبان میں لکھا ہے:-
فی رمضان ولا فی غیرہ ہی تو واضح دلیل ہے تہجد اور تراویح کے ایک ہی ہونے کی لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مملوب و معدوم ہوتی ہے یہ اپنی ساری عقل اور سوچ اپنے امام کے سپرد کر دیتا ہے تو حدیث رسول ﷺ کو کیسے سمجھے؟ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹ گلی نامہ)

کس قدر عیاری و مکاری ہے۔ جرم اپنا اچھال دیا دوسرے پر۔ درحقیقت اپنے ان ”کلمات مبارکہ“ کا صحیح مصداق وہ خود ہی ہے وہ خود ہی کتا ہے کہ کسی کی تقلید کرنا اپنی عقل کو اس کے حوالے کر کے خود اس سے فارغ ہو جانا ہے جس میں وہ اپنی ہی کیفیت بیان کر رہا ہے کہ امام بخاری وغیرہ کی تقلید کر کے اس نے اپنی عقل ان کے دفتر میں جمع کرا دی ہے پس چونکہ اب اس کے پاس عقل رہی ہی نہیں اس لئے وہ ادھر ادھر کی ہانک کر نہایت پر آگندہ باتیں کر کے بے عقلی کی باتیں کر رہا اور بار بار مغالطے دے کر دھوکہ دہی سے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بخدی ٹولہ واہ بھی واہ۔

جواب ۸:-

مؤلف پھر بھی اپنی ہٹ پر قائم رہتے ہوئے وہی راگنی لاپتا رہے تو اسی کی طرز پر ہم کہیں گے کہ امام بخاری اسے (بحث فیہ تین راتوں والی روایت کو) کتاب التہجد میں یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ اگر کوئی شخص ساری رات شب

بیداری کرتے ہوئے قیام میں گزار دے تو اس سے اس کی نماز تہجد بھی ادا ہو جائے گی یعنی اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے تہجد ترک کر دی ہے پس وہ لائقِ ملامت ہے خصوصاً جو اس کا علوی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس حدیث میں مذکور تین راتوں میں سے خصوصاً آخری رات میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت پوری رات صبح تک قیام میں مصروف رہے تھے (جسے ہم ”تحقیق جائزہ“ میں مسلم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں) جب کہ انہوں نے اسے کتاب التراويح میں اس کا واقعی اور اصل محل بیان کرنے کے لیے رکھا ہے پس شبہ کی سرے سے جڑ ہی کٹ گئی۔ وهو المقصود۔

جھوٹ یا ہیرا پھیری :-

اپنی اس عبارت میں مؤلف نے جو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ تین راتوں والی یا ”فی رمضان ولا فی غیرہ“ والی روایت کو امام بخاری تہجد کے بیان میں لائے ہیں یہ بھی اس کا جھوٹ اور اس کی سخت ہیرا پھیری ہے کیونکہ امام بخاری ان دونوں روایتوں کو ”باب التہجد“ کے بعد دو مختلف اور علیحدہ عنوانات کے تحت لائے ہیں چنانچہ تین راتوں والی روایت کو انہوں نے باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب کے تحت اور فی رمضان ولا فی غیرہ والی روایت کو ”باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ“ کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری ج ۱، صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴) نوٹ: بعض نسخوں میں ”علی قیام اللیل“ کی بجائے ”علی صلوٰۃ اللیل“ کے لفظ ہیں ملاحظہ ہو ”کرمانی“ مقام ہذا۔

تین راتوں والی روایت کو کتاب التہجد میں لانے کی وجہ :-

صحیح بخاری کی تالیف سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف جمع

احادیث ہی نہیں استنباط مسائل بھی ہے اس لئے وہ ایک ہی مضمون کی حدیث کو کئی عنوانات کے تحت لاتے ہیں اس مقام پر وہ تین راتوں والی روایت کو یہ بتانے کے لئے قطعاً ”نہیں لائے کہ ان کے نزدیک تہجد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں جیسا کہ جاہل مؤلف نے اپنی کم علمی یا کج فہمی کی بناء پر یہ مغالطہ دے کر خود امام بخاری کو مورد طعن بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ وہ اسے یہاں محض اس امر کی توضیح کے لئے لائے ہیں کہ مطلق قیام اللیل امت پر فرض نہیں جس کے لئے ان کا محل استدلال اور ترجمہ باب اس حدیث کا یہ آخری جملہ ہے :- ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم“ نیز اس سے قبل ایک اور روایت کا یہ جملہ بھی اس کے ساتھ محل ترجمہ ہے :-

کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل وهو یحب ان یعمل بہ الناس خشية ان یعمل بہ الناس فیفرض علیہم“ جب کہ عنوان باب کی پہلی شق ”تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل“ یا ”صلوٰۃ اللیل“ کی وضاحت کے لئے اس کے شروع میں حضرت ام سلمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن میں ”من یوقظ صواحب الحجرات“ اور ”الا تصلیان“ کے جملے موجود ہیں ملاحظہ ہو (صحیح بخاری عربی جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

چنانچہ شارح بخاری امام قسطلانی شافعی علیہ الرحمۃ اس کے تحت عنوان باب اور حدیث باب کے درمیان وجہ مطابقت بیان فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :- ”ووجه مطابقة لهذا الحديث للترجمة من قول عائشة ان كان لیدع العمل وهو یحب ان یعمل بہ لان کل شیء احبہ استلزم التحریض علیہ لولا عارضہ من خشية الافتراض وبہ قال حدثنا (الی) ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم“ اھ ملخصاً ملاحظہ ہو (قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ طبع بیروت)

نیز امام ابن حجر عسقلانی اس کے تحت رقمطراز ہیں :- قال ابن المنیر اشتملت الترجمة على امرين التحريض ونفى الايجاب فحديث ام سلمة وعليّ للاول وحديث عائشة للثاني قلت بل يؤخذ من الاحاديث الاربعة نفى الايجاب ويؤخذ التحريض من حديث عائشة من قولها كان يدع العمل وهو يحبه (الى) ويحتمل ان يكون مراد البخارى بقوله "قيام الليل" ما هو اعم من الصلوة والقراءة والذكر وسماع الموعظة والتفكر فى الملكوت وغير ذلك ويكون قوله "والنوافل" من عطف الخاص على العام اه ما اردنا ملخصا۔ (فتح الباری ج ۳، صفحہ ۱۳، طبع بیروت)

اسی کی مانند شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ کی شرح بخاری "عمدة القاری" جلد ۷، صفحہ ۱۷۸ طبع مصر و پاک میں بھی ہے۔ ان تمام عبارات کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ پس شیخ الاسلام بدر عینی، امام علامہ عسقلانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ (تینوں) کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے اس حدیث کو کتاب التہجد کے اس باب میں لانے سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان کے نزدیک اس میں مذکور نماز سے تہجد مراد ہے یا تہجد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں بلکہ وہ اسے اس باب میں محض اس کے آخری جملہ "ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم" کو بنیاد و محل استدلال بنا کر رات کی نفلی عبادت کے امت پر واجب نہ ہونے کے اثبات کے لیے لائے ہیں جس سے انہوں نے غیر مقلد مؤلف کے سارے کئے پر پانی پھیر کر اسے غائب و خاسر فرما دیا (وللہ الحمد)

ایک تازہ شبہ کا ازالہ :-

شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تراویح

کے واقعہ کو بنیاد بنا کر اس سے مطلقاً "رات کی نفلی عبادت کے عدم وجوب کا استدلال کیونکر کر سکتے ہیں؟ تو اس کا ازالہ یہ ہے کہ یہ کوئی اچھے کی بات نہیں کیونکہ بعض اوقات "علت مشترکہ" کی بناء پر اور بعض اوقات لا عبرۃ لخصوص السبب بل لعموم اللفظ کے قاعدہ (وغیرہ) کے پیش نظر اس قسم کے استدلال بلا امتیاز مسلک، علماء میں شائع و ذائع ہیں اور صحیح بخاری میں اس کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں مثلاً "صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۰ پر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث بریرہ (جو "ولاء عتق" کے بارے میں وارد ہے اس کو ولاء الاسلام (یا ولاء الموالاة) کے اثبات میں "باب اذا اسلم علی یدیه" کے عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے۔

نیز اسی صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۷ میں امام موصوف نے کئی اسناد سے حدیث "لا تسافر المرأة لثلاثة ايام الا مع ذی محرم" وفی روایۃ "الا معها ذو محرم" (جو عورت کے محرم کے بغیر سفر شرعی پر جانے کی ممانعت کے بارے میں وارد ہے اسے) نماز قصر کی مسافت شرعی کی تحدید کے اثبات میں "باب فی کم یقصر الصلوة" کے زیر عنوان ذکر فرمایا ہے۔ جس سے آپ کی وقت نظر اور فقہی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

پس مذکورہ مسائل کے لئے ان واقعات و احادیث کو محل استدلال ٹھہرانے میں کوئی شرعی خرابی نہیں تو تراویح کے واقعہ سے مطلق قیام اللیل (رات کی نفلی عبادتیں) کے عدم وجوب کے استدلال سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔ خدا را انصاف۔

روایت "فی رمضان ولا فی غیرہ" کو بالتبیین رمضان میں رکھنے کی وجہ

اسی طرح امام بخاری کا روایت ام المومنین (فی رمضان ولا فی غیرہ) کو کتاب التہجد اور "باب فضل من قام رمضان" میں رکھنا بھی قطعاً اس لیے

نہیں کہ وہ تہجد و تراویح کو ایک نماز کے دو نام سمجھتے ہیں بلکہ اسے ان دونوں مقامات پر رکھنے سے

یہ بتانا مقصود ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی ہر نفل کو ”قیام رمضان“ کہا جاسکتا ہے عام ازیں کدہ رات کو بعد عشاء نیند کرنے سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں۔ یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ تہجد اور تراویح کا دو الگ اور ایک دوسرے سے مختلف نمازیں ہونا ایک حقیقت ثابت ہے جس پر قرآن و سنت کے دلائل صریحہ قاطعہ قائم ہیں جس کی کچھ تفصیل گزشتہ سطور میں (صفحہ پر نیز اس کا بقدر کفایت بیان رسالہ ”تحقیق جائزہ“ میں بھی ہو چکا ہے) پس عندا تحقیق تہجد اور تراویح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر ”تراویح“ تو قیام رمضان ہے مگر ہر ”قیام رمضان“ تراویح نہیں۔ اس لیے محققین شراح حدیث نے اس مقام پر قیام رمضان سے محض تراویح مراد لینے والوں کی بجائے طور پر تغلیط فرمائی ہے۔

چنانچہ تفسلی شارح بخاری، بخاری کے اس عنوان باب کی شرح میں لکھتے ہیں :- ”(باب فضل من قام) فی لیالی (رمضان) مصلیاً ما یحصل بہ مطلق القیام“ (ارشاد الساری ج ۳، صفحہ ۴۲۴ طبع بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی ارقام فرماتے ہیں :- ”قوله (باب فضل من قام رمضان) ای قام لیالیہ مصلیاً والمراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام کما قد مناه فی التہجد سواء ذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوة التراویح یعنی انه یحصل بہ المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لایکون الا بها واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوة التراویح“ اھ۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری ج ۲، صفحہ ۲۹۵ طبع بیروت)

اسی کی مانند عمدة القاری المعروف یعنی شرح بخاری جلد ۱۱، صفحہ ۱۲۴ طبع مصر

و پاک میں بھی ہے۔

ان تمام عبارات کا اردو خلاصہ ترجمہ مثل بالا ہے۔ الغرض مؤلف کا یہ کہنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد و تراویح کو ایک ہی نماز کے دو نام کہتے ہیں اس کی اپنی تراش خراش، تلیس اور ہیرا پھیری، امام موصوف پر اس کا سخت جھوٹ شدید افتراء، بہت بڑا بہتان اور باصول خود ”اول من قاس ابلیس اسکا ابلیس قیاس ہے جس سے امام بخاری قطعاً بری ہیں اور یہ سخت مفتری ہے۔ سچا ہے تو گالیاں دینے اور بازاری زبان استعمال کرنے کی بجائے ہمارے ان دلائل کا علمی و تحقیقی ذہنی کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے بارے میں اپنے اس باطل اور بے بنیاد دعویٰ کے ثبوت میں ان کی کوئی ایسی صریح، واضح اور دو ٹوک عبارت دکھائے جس میں آپ نے تہجد و تراویح کے ایک ہونے کی تصریح کی ہو مگر ہم بڑے وثوق سے عرض کرتے ہیں کہ قیامت آسکتی ہے مگر وہ ہمارا یہ قرض نہیں چکا سکتا۔

نہ نہ خنجر اٹھے گا نہ شمشیر ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

جواب نمبر ۹ :-

مؤلف کے اس اصول کی رو سے (جو اگرچہ خانہ ساز اور غلط ہے تاہم اسے تھوڑی دیر کے لئے درست مان لینے کی صورت میں) جس طرح بعض محدثین کا ان روایات کو باب تہجد میں ان کے دربارہ تہجد ہونے کو مستلزم ہے اسی طرح محدثین کا انہیں باب تہجد میں نہ رکھنا ان کے دربارہ تہجد نہ ہونے کو مستلزم ہو گا۔ تو کیا وہ اسے گوارہ کرے گا؟ اگر کہے ہاں! تو تحریر دے تاکہ ہم ان محدثین کی فہرست پیش کر کے مؤلف کی اس چابک دستی اور ہیرا پھیری کا پردہ چاک کریں جس کے ذریعہ اس نے تصویر کے اس دوسرے رخ کو عوام سے چھپانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اور اگر کہے نہیں! تو اس تفریق کی وجہ بیان

کرے۔ نہ کرے۔ اور انشاء اللہ تاقیام قیامت نہ کر سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ ظالم ”افتونون ببعض الكتاب وتکفرون ببعض“ کا مصداق اور بقول خود ”یہودی و نصاریٰ کی طرح دین میں خیانت“ نیز آیات و احادیث و حقائق میں کتر بیونت کے ارتکاب اور وانتم سیکاری سے آنکھیں بند کر کے لا تقریوا الصلوٰۃ پر اکتفاء کرنے کے جرم میں ملوث خود ہے اور دیدہ دلیری سے اس کا ذمہ دار ٹھہراتا دوسروں کو ہے۔ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۲، ۳)۔ (فاعل ماضی و اس کار از تو آید و مرداں چنین مے کنند)۔

جواب نمبر ۱۰:-

مؤلف نے اپنے سابقہ اور پیش نظر رسالہ دونوں میں تہجد و تراویح کے ایک ہونے کے ثبوت میں بار بار کئی صفحات پر اپنے اسی خود ساختہ اصول کو دہرا کر ہی دفع وقتی کی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس کے پاس اس بارے میں نہ تو قرآن کی کوئی آیت ہے اور نہ ہی اس کے ہاں رسول اللہ ﷺ کا اس قسم کا کوئی ارشاد ہے۔ مثال مشہور ہے ”کنگ بجا اور راگ کا پتہ چلا۔“ پھر لطف یہ کہ یہ انہی کے اصول میں ”قیاس“ ہے اور وہ خود ہی کہا کرتے ہیں اول من قاس ابلیس۔ کیوں حسیم صاحب طبیعت صاف ہوئی یا نہیں؟

جواب نمبر ۱۱:-

ان تمام جوابات سے قطع نظر، مؤلف کے اس مبنی بر مغالطہ باطل نظریہ کو خاک میں ملانے کے لئے سب سے آسان اور واضح جواب یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”تہجد“ اور ”تراویح“ علیحدہ علیحدہ ادا فرماتے تھے جو آپ کی سوانح کی کئی متعدد معتبر اور مستند کتب میں موجود ہے اور جس کا خود مؤلف کے کئی بزرگوں کو بھی اقرار ہے۔ حوالہ، مؤلف کے انکار اور طلب پر پیش کریں گے۔ پس یہ حوالہ اسے معلوم تھا تو اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا، نہیں معلوم تھا تو اس جاہلیت زدہ جاہل مؤلف نے عوام مسلمین کو بر بناء جہالت، گمراہ کرنے کی

کوشش کیوں کی؟۔ اِنی رأیت احد عشر کوباً۔
اعتراض فرسودہ ہے:-

مؤلف کا ”تہجد و تراویح“ کو ایک قرار دینے کا یہ پروپیگنڈہ اپنے اندر کسی قسم کی کوئی جذبت نہیں رکھتا کہ اسے مؤلف کا کمال کہا جائے بلکہ یہ ایک ایسا فرسودہ اعتراض ہے جو ماضی میں ہمارے علماء سے کئی بار کئی شانی جواب پا کر کئی بار ماریں کھا چکا ہے مثلاً آج سے کم و بیش پون صدی پہلے ایک غیر مقلد مولوی ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے اپنے رسالہ ”انارة المصالح“ میں بعینہ یہی راگنی الاپی تھی اور اس وقت اہل سنت کے عظیم عالم، تقيہ اعظم خليفه اعلى حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف صاحب کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی خوب ٹھکانی کی تھی۔ پس یہ سارا ملبہ مؤلف نے اپنے انہی جیسے بزرگوں سے حوالہ دیئے بغیر اپنے رسالہ میں بھر دیا ہے ہاں اس کا جو چیز ذاتی کمال ہے وہ اس کی مادری زبان میں وہ بازاری گالیاں ہیں جو اس نے ہمیں دی ہیں جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس مدرسہ میں پڑھے ہیں اس کے تعلیمی نصاب میں اخلاق و آداب کی کوئی کتاب شامل ہی نہ تھی اور اس شعبہ میں انہوں نے خصوصی ٹریننگ حاصل کی ہوئی ہے جس سے انہوں نے اس کے بانی کو بھی مات کر دیا اور اسے کئی قدم پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ شاباش۔ شاباش!

دیگر محدثین کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:-

ہماری ان منفصل گزارشات سے مؤلف کے اس مغالطہ کا بھی بفضلہ تعالیٰ پوسٹ مارٹم ہو گیا جو اس نے بعینہ اس انداز سے بعض دیگر محدثین کے حوالہ سے دینے کی نپاک کوشش کی ہے مثلاً اسی گلی نامہ (کے صفحہ ۱ تا صفحہ ۴) میں امام بیہقی اور امام محمد کو محض اس حوالہ سے تہجد و تراویح کے ایک ہونے کا قائل بتایا کہ انہوں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی اس بحث فیہ روایت کو ”

باب قیام شہر رمضان کے زیر عنوان ذکر کیا ہے اور اس مقام پر اس باب کے تحت درج بعض روایات کو تہجد اور بعض کو ہمارے تراویح پر محمول کرنے کو اپنی مخصوص زبان میں دروغ گوئی کذب بیانی، خیانت، بد دیانتی، عیاری، مکاری، دوغلہ پالیسی اور یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خیانت قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ہی عنوان کے تحت آنے والی بعض روایتیں تہجد اور بعض تراویح کے بارے میں کیسے بن گئیں؟

نیز اسی کے صفحہ ۸ پر لکھا ہے :- ”اسی طرح امام مسلم، امام نووی، امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور دیگر محدثین تہجد اور تراویح کو ایک ہی نماز کہتے ہیں۔ بحث فیہ مسئلہ کے بارے میں ان کی کتب نکال کر دیکھ لیجئے“ اھ بلفظہ

جس کا مفصل اور مدلل جواب ہو چکا کہ ”قیام رمضان“ کے الفاظ تہجد و تراویح دونوں پر بولے جاتے ہیں نہ اس معنی میں کہ وہ ایک چیز کے دو نام ہیں بلکہ اس لیے کہ ماہ رمضان میں بعد عشاء پڑھے جانے والے ہر نفل قیام رمضان میں شامل ہے عام ازیں کہ نیند کرنے سے پہلے پڑھے جائیں یا بعد میں۔ و بطریق آخر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تہجد و تراویح دونوں ایک ہیں بلکہ قیام رمضان کے زیر عنوان رکھ کر یہ تلقین کرنا مقصود ہے کہ رمضان المبارک میں صرف ایک کو نہیں بلکہ دونوں کو پڑھنا چاہیے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں مثلاً ”اس میں مذکور ابتدائی (لیالی ثلثہ) والی روایت تراویح اور دوسری روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) رسول اللہ ﷺ کی ماہ رمضان المبارک میں تہجد کی دلیل ہے (والحمد للہ) خیانت اور کذب بیانی وغیرہ تب ہوتی ہے کہ ہم نے بحث فیہ اس روایت کے مذکورہ بعض محدثین کی متعلقہ کتابوں میں مذکور عنوان کے تحت مذکور ہونے سے انکار کیا ہوتا۔

پس اس حوالہ سے مؤلف نے اپنی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی ماوری زبان

میں سیاہ روشنائی سے ہم پر دروغ گوئی، کذب بیانی، بد دیانتی، عیاری، مکاری دوغلہ پالیسی اور یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خیانت کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ انہیں اپنے چہرہ پر مل لیں یا ان کی لڑی پرو کر ہار کے طور پر اپنے گلے میں لٹکا لیں۔ جو ان کے وجہ کذاب پر خوب سمجھے گا۔

نیز مؤلف کی ڈیمانڈ کے مطابق ہم نے ان ائمہ کی کتابیں کھول کر دیکھی ہیں جس سے پتہ چلا ہے کہ مؤلف نے ان پر بھی بعینہ اسی طرز میں وہی جھوٹ بولا ہے جو اس نے امام بخاری پر بولا ہے ان میں سے کسی نے بھی اپنی کسی کتاب میں تہجد و تراویح کے ایک نماز کے دو نام ہونے کی بات قطعاً نہیں لکھی۔ مؤلف کے جھوٹے ہونے کا اندازہ یہاں سے بھی ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کی اصل عبارت پیش کرنے کی بجائے محض یہ لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ ”ان کی کتب نکال کر دیکھ لیجئے“۔ سچا تھا تو ان کے اصل لفظ کیوں پیش نہیں کئے۔ پھر کہتا ہے ”کتب نکال کر دیکھ لیجئے“ آخر کون سی کتاب پھر اس کا کون سا مقام اس کی کس جلد اور کس صفحہ میں دیکھیں۔ پھر جو پڑھے لکھے نہیں ہیں اور عربی کی عین سے بھی نا بلد ہیں وہ انہیں کیا اور کیسے دیکھیں گے۔ اتنا کہنے پر اکتفاء کرنا تھا تو رسالہ لکھنے کی زحمت کیوں اٹھائی، لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہی کر دیتے کہ ”دیکھ لیجئے“ (یعنی ہماری حالت زار)۔

علاوہ ازیں مؤلف نے مذکورہ بالا جن علماء کا نام لیا ہے ان میں سے کوئی غیر مقلد نہیں بلکہ وہ سب مقلد ہیں۔ ان میں سے کوئی شافعی ہے تو کوئی حنفی ہے جب کہ کسی حنفی کے امام کا مذہب آٹھ تراویح نہیں اس طرح شافعی بھی بیس سے کم کے قائل نہیں حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو (امام قسطلانی شافعی کی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۳، صفحہ ۴۲۶، طبع بیروت)

نیز ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح البخاری المعروف عینی شرح بخاری جلد ۷ اور جلد ۱۱ (وغیرہما)۔

چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانی، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد و رشید ہیں جو محرر مذہب حنفی ہیں جس کے لئے کسی حوالہ کی حاجت نہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حسب تصریح امام غیر مقلد یہ مولوی صدیق حسن بھوپالی، شافعی مقلد ہیں ملاحظہ ہو (الحلۃ صفحہ ۱۹۸ طبع بیروت و پاک)۔ باقی رہے امام بیہقی، امام ابن خزیمہ، ابن حبان اور نووی؟ تو یہ بھی سب شافعی مقلد ہیں۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو (”طبقات الشافعیۃ الکبریٰ“ للامام تاج الدین السبکی الشافعی)۔

بعض اقوال کے ذریعہ مغالطہ کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اس مقام پر ”تہجد و تراویح“ کے ایک ہونے کے اثبات کی غرض سے کئی مغالطے دے کر بعینہ یہی جھوٹ بعض احتاف پر بھی بولا ہے چنانچہ قریب وہی اور کذب بیانی کی یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے اس نے لکھا ہے :-
ان کے حنفی علماء میں سے انور شاہ کشمیری، عبدالحی لکھنوی، احمد علی سہارن پوری، ملا علی قاری، یہ تمام حضرات، تہجد اور تراویح کو ایک ہی نماز کہتے ہیں جن کی تحریریں ہم نے باحوالہ رسالہ ”مسئلہ تراویح“ میں ذکر کی ہیں یعنی مذکورہ حنفی علماء کی جن میں سے اس بریلوی نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ رسالہ کھول کر پڑھ لیجئے ”اھ (ملاحظہ ہو، صفحہ ۹۸، گلی نامہ)

جواب نمبر ۱ :-

جہاں تک ان عبارات کا ”جواب نہیں دیا“ کا تعلق ہے؟ تو اس پر مؤلف کو اس فضول شور مچانے کی قطعاً ضرورت تھی نہ گنجائش۔ یہ بحث اس نے محض، رسالہ کا حجم بڑھانے کی غرض سے بھرتی کی ہے کیونکہ ہم نے ”تحقیقی جائزہ“ میں ان کا جواب دینے کا عہد کرتے ہوئے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ وقت کے انتہائی قلیل ہونے کے باعث سروسٹ ہم اصولی بحث پر اکتفاء کرتے ہوئے صرف مؤلف کے ان نام نہاد دلائل کا توڑ پیش کر رہے ہیں جنہیں مؤلف

نے اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی دلیل بناتے ہوئے بیس تراویح کو خلاف سنت ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی اور جن کے بارے میں اسے یہ گھمنڈ ہے کہ یہ ایسے لائیو اور ٹھوس دلائل ہیں جن کا توڑ کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہم نے اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

”چونکہ آج رمضان المبارک کی اکیسویں (۲۱) تاریخ ہے جب کہ جوابی کاروائی کا جلد اور اسی عشرے میں آنا مفید اور درکار ہے اس لئے سروسٹ ہم رکعات تراویح کی اجمالی بحث کے ساتھ غیر مقلدین کے انہی دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرنے پر اکتفاء کر رہے ہیں۔ باقی تراویح کے مسئلہ میں غیر مقلدین کے بالاستیعاب جملہ مغالطات کی تردید اور بیس (۲۰) تراویح کے موضوع پر سیر حاصل بحث ہم انشاء اللہ کسی دوسرے وقت کریں گے“ اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ ”صفحہ ۳)

پس ہماری اس قدر وضاحت کے باوجود بھی مؤلف کا شور مچائے جانا اور لوگوں کی یہ غلط تاثر دینے کی غرض سے کہ فلاں فلاں امر کا جواب ان کے ذمہ قرض ہے، یہ کہے جانا کہ ”جس میں سے اس بریلوی نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا“ ”ملاں آن باشد کہ چپ نہ شود“ کا مصداق اور بحث برائے بحث نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اس جملہ میں ”اس بریلوی“ کے لفظ بھی لائق توجہ ہیں یعنی بہت سے بریلوی علماء اس کی یا اس کے بیڑوں کی ٹھکانی کر چکے ہیں۔ جب کہ ”جواب نہیں دیا“۔ اس کا پوسٹ مارٹم ہم نے کر دیا ہے۔

جواب نمبر ۲ :-

پھر اس طوفان کے کھڑا کرنے اور شور مچانے کا فائدہ بھی اسے تب تھا کہ جب ان عبارات میں سے کوئی عبارت، فریقین کے اصول میں سے کسی کے مطابق ہم پر حجت ہو کر ہمارے خلاف ہوتی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے ان میں سے بعض عبارات ایسی ہیں جو خلاف اصول ہونے کے باعث ہم پر

حجت نہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو مؤلف کو کسی طرح مفید نہیں۔ چنانچہ ہم نے حضرت ام المؤمنین کی زیر بحث روایت کے تہجد پر محمول ہونے نیز ”تہجد و تراویح“ کے دو الگ نمازیں ہونے کے ثبوت میں مؤلف کے فرقہ کے نہایت درجہ معتمد قسم کے علماء (ابن تیمیہ، قاضی شوکانی، صدیق حسن بھوپالی اور مولوی وحید الزماں وغیرہم) کی صریح عبارات پیش کی تھیں۔ مؤلف نے جواباً ان سے جان چھڑانے (در حقیقت خود کو دلدل میں پھنسانے) کی غرض سے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ ”ہمارے خلاف ہمارے علماء کے فتوے پیش کرنا مقلدین کی انتہائی درجہ جہالت ہے کیونکہ ہم جب کسی کی تقلید کرتے ہی نہیں تو ہمیں علماء کے فتوؤں سے کیا تعلق؟ (الی) ہم نے تو حدیث رسول ﷺ کی ہی پیروی کرنی ہے نہ کہ لوگوں کے اقوال و آراء کی“ اھ ملخصاً (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۱۱)

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ جو جس کا مقلد نہ ہو، اس پر اس کی کوئی عبارت حجت نہیں ہو سکتی اور اسے اس پر حجت بنا کر پیش کرنا پیش کرنے والے کی ”انتہائی درجہ جہالت“ ہے۔ پس اپنے ہی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر مؤلف صاحب بتائیں کہ جن لوگوں کے نام اس نے پیش کئے ہیں کیا ہم ان میں کسی کے مقلد ہیں؟ تو یقیناً جب ہم ان میں سے کسی کے مقلد ہی نہیں تو مؤلف کا ان سے منسوب ان کے ان اقوال و آراء کو ہم پر حجت بنا کر پیش کرنا اس کے اپنے لفظوں میں اس کی ”انتہائی درجہ جہالت“ ہوا یا نہیں؟ خدا را انصاف..... ع جلاکر را کہ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

جواب نمبر ۳:-

علاوہ ازیں مؤلف کا مذکورہ سب لوگوں کو ”ان کے خفی علماء“ کہہ کر انہیں ہمارا مذہبی پیشوا ظاہر کرنا اس کا شدید افتراء، سخت بہتان اور بہت بڑا جھوٹ

ہے جس کا خود اس افتراء پر داذ کو بھی علم ہے کہ اس نے یہ جھوٹ بولا ہے کیونکہ یہ امر قطعاً محتاج دلیل نہیں کہ مولوی انور شاہ کشمیری مسلکاً صرف دیوبندی ہی نہیں بلکہ امام دیوبند یہ ہے۔ نیز مولوی احمد علی سارن پوری بھی مولوی اعلیٰ دیوبندی (مؤلف ہمارے مسائل و اربعین مسائل) سے اعتقاداً بہت متاثر ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے جس کے متعلق بعض نہایت ہی ثقہ ترین علماء کی روایت ہے کہ اس نے اہل سنت کے مشہور معمول ”محفل میلاد“ کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا۔ یہ بھی نہ ہو تو کم از کم یہ سب کو مسلم ہے کہ وہ قطعاً ہمارے معتمد علماء میں سے نہیں جب کہ مؤلف ہمیں بار بار بریلوی لکھ کر اس امر کا اعتراف کر چکا ہے کہ ہمارا اور ان کا کوئی اعتقادی تعلق نہیں۔ رہا ان کا خفی ہونا یا کھانا؟ یہ محض فقہی اعتبار سے ہے جیسے زمخشری وغیرہ بعض معتزلی خود کو خفی کہلاتے تھے۔ پس وہ ہم پر حجت کیسے ہو سکتے ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب مرحوم حسب تصریح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سنی تو تھے لیکن بہت سے مسائل میں غیر محقق ہیں اس لیے وہ بھی ہمارے مستند علماء میں سے نہیں چنانچہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار مسائل میں ان کا علمی اور تحقیقی ردّ بلغ فرمایا ہے۔ جس کا اندازہ آپ کے مشہور رسالہ ”کفل الفقیہ الفاہم“ وغیرہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد نہم۔ نیز ملفوظ حصہ ۱ صفحہ ۲۹ طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی) البتہ علامہ علی قاری یقیناً سنی ہیں مگر ان کا یہ حوالہ مؤلف کو کسی طرح قطعاً مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے جس کی تفصیل سطور ذیل میں آرہی ہے۔

جواب نمبر ۴:-

سوائے کشمیری صاحب کے ان میں سے کسی نے بھی ”تہجد و تراویح“ کے ایک ہونے کی تصریح نہیں کی یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے بھی اس حوالہ سے

صرف کشمیری صاحب ہی کی عربی عبارت کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور وہ بھی اس نے اپنے ہی ایک غیر مقلد مولوی رحمانی کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب ”مرعاة“ کے حوالہ سے پیش کی ہے جب کہ علماء دیوبند کا غیر مقلدین کے بارے میں ان سے اعتقادی ہم آہنگی کی بناء پر نرم گوشہ رکھنا اور انہیں ڈھیل دینا بھی کوئی نئی بات نہیں بلکہ دیکھا جائے تو درحقیقت ان دونوں فرقوں کا ہدف ایک ہی ہے پس بھولے بھالے اہل سنت کو مختلف جیلوں بہانوں سے اپنا ہم کھنگ بنانے کی غرض سے انہوں نے محض ظاہری طور پر چوک تقسیم کر رکھے ہیں جو وقت آنے پر ”نجدی چوک“ میں اکٹھے ہو جاتے ہیں جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء دیوبند کی مشہور تنظیم کا مہمون سربراہ غیر مقلد ہے۔ جب کہ کشمیری صاحب موصوف کی یہ عبارت سخت پر آگندگی کا بھی شکار ہے۔

چنانچہ انہوں نے جہاں مؤلف کے رسالہ مسئلہ تراویح میں نقل کردہ عبارت لکھی ہے وہاں تھوڑا سا آگے تاتار خانہ کے حوالہ سے استدلال کیا ہے کہ ”ان عشرين ركعة لا بدعن ان يكون لها اصل منه عليه السلام“ یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح حضور علیہ السلام کی اجازت سے رائج فرمائی تھی اس بات کی دلیل ہے کہ ۲۰ رکعات تراویح آپ علیہ السلام سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو (العرف الشاذی ج ۱، صفحہ ۲۸۱ طبع فاروقی ملتان)

مؤلف اپنے اس دعویٰ میں کہ ”یہ تمام حضرات تہجد اور تراویح کو ایک نماز کہتے ہیں“ سچا ہے تو ان تمام کی اصل عبارات پیش کرے۔ اس کے بغیر ہم آخر جواب دیں تو دیئے گئے صفحات میں کس صفحہ کی کس سطر کے کس لفظ کا دیں۔ اگر یہ اس کا جھوٹ نہیں تو ان کے نقل کرنے میں اسے کیا رکاوٹ تھی۔

۴۔ کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

علامہ لکھنوی مرحوم کی عبارت سے جواب :-

باقی مؤلف نے ”موطا محمد“ کے حاشیہ التعلیق المجد کے حوالہ سے علامہ عبدالحی لکھنوی کی عبارت نقل کی ہے اس کا بھی کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ ”تہجد و تراویح“ ایک نماز کے دو نام ہیں چنانچہ پوری عبارت اس طرح ہے :- قوله قیام شهر رمضان ویسمی التراویح جمع ترویحة لانهم اول ما اجتمعوا علیہا کانوا یستریحون بین کل تسلیمتین (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۱ حاشیہ ۵ طبع کراچی)

جس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ تراویح پر بھی قیام رمضان کا اطلاق درست ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہر قیام رمضان تراویح ہی ہے (جیسا کہ صفحہ پر ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں) اگر یہ مطلب ہو کہ ہر قیام رمضان کو نماز تراویح کہتے ہیں تو یہ غلط ہے اولاً اس لیے کہ اس کی کوئی معتبر و مستند شرعی دلیل نہیں (ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرہان)۔ ثانیاً اس لیے یہ خود علامہ موصوف کی اپنی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ کئی مقامات پر انہوں نے تہجد و تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ اسے دلائل سے بھی ثابت کیا اور واضح لکھا ہے کہ روایت ام المومنین (فی رمضان ولانی غیرہ) تہجد پر محمول ہے پس وہ ہر قیام رمضان کو تراویح کیسے کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ ان کے فتاویٰ میں ہے :-

سوال :-

حنفیہ بست رکعت تراویح سوائے وتر میخوانند و در حدیث صحیح از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارد شدہ ”ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة“ پس سند بست رکعت چیت؟ یعنی حنفی حضرات وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر

رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس بیس رکعات کی کیا دلیل ہے؟

اس کے جواب میں لکھا ہے :-

جواب :-

روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محمول پر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیر رمضان یکساں بود غالباً بعد از روزہ رکعات مع الوتر سے رسید و دلیل بریں حمل آنست کہ راوی این حدیث ابو سلمہ است در تتمہ این حدیث میگوید قالت عائشہ فقلت یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشہ ان عینی تنامان ولانیام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم۔ و نماز تراویح را در عرف آن وقت قیام رمضان سے گفتند و در صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعین عدد قیام رمضان مصرحہ نشدہ۔ این قدر است کہ قالت عائشہ کان رسول اللہ ﷺ یجتہد فی رمضان مالا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم۔ لیکن در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس وارد شدہ کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر۔ وروی البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ اہ ملاحظہ ہو : مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ صفحہ ۲۲۰ برہامش خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اس طویل عبارت کا یہ جملہ ”روایت عائشہ صدیقہ محمول پر نماز تہجد است“ نیز اس کا یہ جملہ کہ ”و در صحاح ستہ بروایات صحیحہ مرفوعہ الی النبی ﷺ تعین عدد قیام رمضان مصرحہ نشدہ“ (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ روایت نماز

تہجد پر محمول ہے اور صحاح ستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں نماز تراویح کی رکعات کی تعداد صریحاً مذکور ہو۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علامہ لکھنوی نماز تہجد و تراویح کو ایک نماز قطعاً نہیں سمجھتے ورنہ انہیں حضرت ام المؤمنین کی اس بحث فیہ روایت کو تہجد پر محمول کرنے نیز صحاح ستہ سے تعداد تراویح کے غیر ثابت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی وہ صاف کہہ دیتے کہ تراویح کی مسنون رکعات آٹھ ہیں جس کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ روایت ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مؤلف کا علامہ لکھنوی موصوف پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ (قال اللہ تعالیٰ انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بایات اللہ واولئک ہم الکاذبون) رہا یہ جملہ کہ ”کانوا یستریحون بین کل تسلمین“ اس کا بھی یہ معنی ہرگز نہیں کہ تہجد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دو رکعات پر سلام پھیرنے کے بعد اس دور کے لوگ تھوڑا سنا لیتے تھے جو ہم پر حجت بھی نہیں کہ اس کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ تعحیف ہے اصل میں ترویج تین تھا جو کاتب یا مسیح وغیرہ کسی کی غلطی سے تسلیمین لکھا گیا ہے۔

سہارن پوری اور علامہ علی قاری کی عبارت سے جواب :-

باقی مؤلف نے سہارن پوری اور علامہ علی قاری کے حوالہ سے مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۱۵ اور بخاری ج ۱ صفحہ ۱۵۳ کے حاشیہ کی عربی عبارت کا جو ایک جملہ نقل کیا ہے یعنی (فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعلة عليه السلام وتركه لعذر؟)

تو یہ بھی اسے قطعاً مفید نہیں کیونکہ اولاً اسے اس کا سہارن پوری یا علامہ علی قاری کا قول کہنا جھوٹ ہے کہ یہ فتح القدیر کی ایک طویل عبارت کا ٹکڑا ہے جس کی تصریح مشکوٰۃ اور بخاری کے حواشی پر نیز ”مرقات“ میں بھی

موجود ہے۔ چنانچہ بخاری کے حاشیہ کے اسی نمبر پر اختتام بحث پر لکھا ہے۔ ”
کذا قال ابن الہمام“۔ نیز حاشیہ مشکوٰۃ کے آخر میں مرقوم ہے ”مرقاۃ“
المفاتیح ملخصاً“۔ جبکہ ”مرقاۃ المفاتیح“ میں اس عبارت کے آغاز میں
لکھا ہے ”وقال ابن الہمام“۔ ملاحظہ ہو (ج ۳ صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴) از علامہ علی
قاری طبع ملتان۔

”قال ابن الہمام“ سے پہلے ”و“ کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ علی
القاری یہاں پر اپنا مذہب نہیں لکھ رہے بلکہ وہ شارحین کی طرز پر یہاں صرف
مختلف علماء کے اقوال لانا چاہتے ہیں جس کا مقصد اپنے قاری کا مطالعہ بڑھانا ہے
اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس سے اپنا آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کا
قائل ہونا ظاہر فرما رہے ہیں کیونکہ وہ متصلب قسم کے حنفی ہیں جو بیس
تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں (کما ہومبرہن فی مقامہ)

علاوہ ازیں اپنی ایک اور کتاب ”شرح شفاء“ میں انہوں نے بیس تراویح
کے سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحبۃ) ہونے کی تصریح فرمائی
ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :-

وقد روی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج لیلة فی شہر
رمضان فصلى بالقوم عشرين رکعة واجتمع الناس فی اللیلة
الثانیة فخرج فصلى بهم فلما كانت اللیلة الثالثة کثر الناس فلم
یخرج وقال عرفت اجتماعکم لکن خشیت ان تفرض علیکم
ملاحظہ ہو (جلد ۲، علی هامش نسیم الریاض، صفحہ ۷۹، طبع مصر و پاک)

اگر ”قال ابن الہمام“ کہہ کر فتح القدیر کی یہ عبارت لانا ہی اس بات کی
دلیل ہے کہ وہ عبارت ان کا مذہب ہے؟ تو اسی مرقاۃ میں ایک صفحہ پہلے وہ ابن
تیمیہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ لم یوقت رسول اللہ ﷺ
فی التراویح عدداً معیناً“ یعنی رسول اللہ ﷺ نے تراویح کی

رکعات کچھ بھی متعین نہیں فرمائیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۳ ج ۳)
تو کیا اب یہ بھی کہا جائے تو درست ہو گا کہ یہ علامہ علی قاری کا مذہب
ہے؟ جب کہ اس بحث کے آخر میں امام ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے لیکن
اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة“ یعنی تمام صحابہ کرام کا
اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۴ ج ۳)۔ تو کیا
اب یہ کہا جائے گا کہ جاتے جاتے علامہ علی قاری کی رائے ایک بار پھر بدل گئی
ہے؟ آخر کچھ تو بولیں۔ (لاحوال والا قوۃ الابالہ العلی العظیم)

امام ابن ہمام کی عبارت کی صحیح توجیہ :-

رہی امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی وہ عبارت؟ تو وہ بھی ہمیں قطعاً کسی
طرح مضر نہیں اور نہ ہی وہ مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ ”اولاً“ اسے انہوں نے
امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یا آپ کا مذہب نہیں کہا بلکہ زیادہ سے
زیادہ یہ محض ان کی اپنی ذاتی رائے ہے جس کے ہم پابند نہیں اور نہ وہ بطور
مذہب ہم پر کچھ حجت ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم حنفی ہیں جو ایک با اصول مذہب
ہے جس میں یہ امر مبرہن ہے کہ خلاف مذہب کسی کا بھی قول حجت نہیں سمجھا
جائے گا ہم غیر مقلد تھوڑے ہیں کہ بھیڑوں کی طرح ہر کسی کے پیچھے بھاگ پڑیں
گے۔

بطریق آخر :-

ہمارے فقہاء کے اس قسم کے اقوال محض بطور ”بحث“ ہوتے ہیں جس کا
مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قائل کے مطالعہ کی حد تک اس کا عندیہ یہ ہے
یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اس سے اپنے امام متبوع کے مذہب کو باطل یا
دلائل شرعیہ کے خلاف قرار دے رہا ہوتا ہے اگر ایسے ہو تو وہ اس باطل مذہب
کا مقلد ہی کیوں ہو۔ بالفاظ دیگر اس سے اس کا مقصد اپنی حیرت کا بیان ہوتا ہے

کہ ظاہر تو یہ ہو رہا ہے باقی ہمارے علم کی رسائی اس منزل تک نہیں ہو سکی جہاں تک امام کا علم پہنچا ہے جب کہ ہمارے فقہاء اپنی کئی تصانیف میں کئی مقامات پر اس پر تنبیہات بھی فرما چکے ہیں (بالخصوص امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ کے اس صنیع کے حوالہ سے) کہ ان کی ان ایامات کو مذہب کا درجہ ہرگز حاصل نہیں اور نہ ہی وہ فقہ حنفی کی بنیاد بنائے جاسکتے ہیں (کافی رد المحتار للعلامة الشافعی وغیرہ من الاسماء)۔

علاوہ ازیں بر تقدیر تسلیم اس نظریہ کی بنیاد محض روایت ام المؤمنین کو تراویح پر محمول کر کے اسے روایت ابن عباس (۲۰ تراویح) کے معارض سمجھ لینا ہے جو بلا دلیل اور خلاف تحقیق ہونے کے باعث صحیح اور معتبر نہیں (جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالہ سے گزشتہ سطور میں بالتفصیل گزر چکا ہے)۔ پس علامہ موصوف کی اس عبارت سے بھی مؤلف اور اس کی کمپنی کو کسی طرح ان کا مزعوم حاصل نہیں ہو سکتا۔ (فافہم ولا تکن من الذین لا یفقهون)۔

کون سچا کون جھوٹا:-

ہمارے اس بیان سے مؤلف کے اس سوال کا دندان شکن جواب بھی آگیا جو اس نے ان بعض اقوال کے حوالہ سے مغالطہ دینے کی مذموم کوشش کر لینے کے بعد قارئین سے کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں:-

”اب تائیں کہ مذکورہ بالا محدثین اور علماء احناف جو تہجد اور تراویح کو ایک نماز کہتے اور سمجھتے ہیں، وہ سچے ہیں یا یہ بریلوی مولوی؟ جو دونوں نمازوں کو خیانت و جہالت سے کام لیتا ہوا اور عوام کو دھوکہ دیتا ہوا جدا جدا سمجھتا اور کہتا ہے۔ لازماً ان محدثین اور علماء احناف کو ہی سچا کہنا پڑے گا اور اس مولوی کو جھوٹا۔ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ (گالی نامہ صفحہ ۹)“

کیونکہ مؤلف نے جن علماء و محدثین کے اقوال سے مغالطہ دیکر ”تہجد و

تراویح“ کے ایک ہونے کو ثابت کرنے کی گندی کوشش کی تھی ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس کے اس باطل دعویٰ کی صحیح دلیل بننے کا صلح اور ہم پر جہت ہو سکے۔ پس ہم منصف مزاج قارئین سے امید کرتے ہیں کہ وہ اصل حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد دوسروں پر ازراہ بہتان، خیانت، جہالت، دھوکہ اور جھوٹ کا الزام رکھنے والے الفاظ خود اس جھوٹے، خائن، دھوکہ باز اور جاہل مؤلف کی اس تلیس اور ہیرا پھیری سے چوکتے رہیں گے اور اس کا منصفانہ فیصلہ بھی صادر فرمائیں گے کہ دوسرے بے گناہوں کو جھوٹا کہنے والا یہ غیر مقلد مولوی اول نمبر کا جھوٹا ہے یا نہیں؟

اقراری جہالت:-

دوسروں پر ”جہالت“ کی تیج پڑھنے والے اس جاہل مؤلف کی جہالت کا اندازہ لگائیں کہ وہ مذکورہ عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں تہجد و تراویح کو ”دونوں نمازوں“ کہہ کر انہیں دو مختلف نمازیں بھی تسلیم کرتا ہے پھر انہیں ایک بھی قرار دیتا ہے جو نہ صرف اس کی اقراری جہالت ہے بلکہ اس کے لفظوں میں یہ اس کی خیانت، دھوکہ اور جھوٹ بھی ہے آسمان کا تھوکا اسی کو کہتے ہیں۔ (ولکن المؤلف المعتقدی من الذین لا یفقهون حدیثنا ولا یعقلون شیئاً)۔ لطیفہ:-

مؤلف کی یہ ذہنی کیفیت بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ جس عالم یا محدث کا کوئی قول اپنے زعم میں اپنے موافق پاتا ہے تو اسے لش پش کرتے ہوئے القاب و آداب سے یاد کرتا اور اس کی تعریفیں کر کے اس کی اہمیت بتاتا ہے پھر اگر ان کا کوئی حوالہ اپنے خلاف تصور کرتا ہے تو اسے گویا جنونی دورہ پڑ جاتا ہے پس جو اس کے منہ میں آتا ہے اسے اگل دیتا ہے چنانچہ پیش نظر عبارت میں اس نے علماء احناف کو نہایت غیر مبہم الفاظ میں صادق اور سچا مانا ہے نیز ص ۲-۷ پر

محرر مذہب حنفی امام اعظم کے تلمیذ رشید امام محمد علیہ الرحمۃ کو کئی بار ”امام اور سچا“ کہا ہے کیونکہ اس کے زعم میں ان کی عبارتیں اس کی فیور میں جاری تھیں لیکن جاتے جاتے کسی وجہ سے اس کی کیفیت بدلی تو نہایت صریح الفاظ میں خود امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی معاف نہ کیا اور مذکورہ فقہار و علماء کے امام اور مرکز مذہب کو بھی ”خدا کی پناہ اسلام کے لئے زیادہ نقصان دہ“ حیلہ ساز اور جھوٹا لکھ گیا (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳) لعنت ہو اس بے حیا قلم اور امام المسلمین کی شان میں زبان درازی کرنے والے اس بے غیرت..... پر.....

لفظ تراویح پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم:-

حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے مؤلف نے اپنے رسالہ ”مسئلہ تراویح“ میں محض اپنا التوسیدہ کرنے کی غرض سے اس میں لفظ ”تراویح“ اپنی طرف سے بڑھا کر حدیث میں مجرمانہ تحریف کا ارتکاب کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ مذکورہ صفحہ ۳) جس پر ہم نے تحقیقی جائزہ میں درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا تھا: ”مولانا“ نے اس حدیث کے ترجمہ میں بلا دلیل محض اپنی طرف سے لفظ نماز کے ساتھ ”تراویح“ کا لفظ بھی بڑھایا ہے جو حدیث میں معنوی تحریف کے مترادف ہونے کے علاوہ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے کیونکہ ان کے اس ترجمہ کی رو سے ام المؤمنین کے اس قول کا مفہوم یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ سال کے بارہ مہینوں میں تراویح ادا فرمایا کرتے تھے جو گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جو مولانا کی علی بے مانگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (فی اللعجب و للضیعة الادب) (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۶-۷)

جس سے توبہ کرنے یا اس کی کوئی معقول اور صحیح شرعی تاویل کے پیش کرنے کی بجائے اصل بات کو ٹالنے، اس سے لوگوں کی توجہ ہٹانے اور بات کو آئی گئی کرنے کی غرض سے تعلیوں اور لاف زنیوں سے کام لیتے ہوئے

مداریوں والی چیلنج بازی کرتے ہوئے اس کے جواب میں صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا اور اپنا یہ جرم دوسروں پر اچھال کر اپنے جاہل عوام کو خوش کر دیا ہے کہ: ”اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے؟ تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو؟ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحتہ تم لفظ تراویح ثابت کر دو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو“ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹)۔

مؤلف کی عیاری اور ہاتھ کی صفائی دیکھیں تراویح کے لفظ کا حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا خود اس نے۔ اس مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کیا خود اسی نے جسے ثابت کرنا ذمہ داری تھی خود اسی کی مگر وہ اس قدر بے باکی اور شوخ چشتی سے اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہا ہے ہمیں۔ پھر مزید پھرتی دیکھیں کہ عوام کی آنکھوں میں دھول چھونکتے ہوئے رہی سہی کسر کو پورا کرتے ہوئے کس طرح سے اس نے سعودی و کویتی دیناروں اور ریالوں یا امریکی ڈالروں کے بوجھ تلے اصل معاملہ کو دبانے کی مذموم کوشش کی ہے جو اس کا آخری اور انتہائی حربہ ہے۔ جس سے یہ امر ایک حقیقت ثابت بن کر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس کے پاس کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں جسے وہ اپنے اس خانہ ساز اضافہ کی دلیل کے طور پر پیش کر سکے۔ اگر ہوتی تو اسے ضرور پیش کرتا۔ آخر اس سے بڑھ کر موقع ہی کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا خصم اس کے سینہ پر دال دلتے ہوئے اس سے اس کا بار بار مطالبہ کر رہا ہے۔

اسی کی زبان میں ہم بھی ایک بار پھر کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس میں ذرہ بھر بھی صداقت اور جرأت ہے تو اس خانہ ساز اضافہ کا کسی صحیح یا حسن حدیث سے (بلکہ بر سبیل تنزل کسی ضعیف حدیث سے بھی) ثابت کر کے دکھائے ہم اسے مبلغ دس ہزار روپیہ ہی نہیں اس کا منہ مانگا اس کے منہ میں ڈالیں گے جسے وہ ہم

سے بذریعہ عدالت وصول کر سکتا ہے۔ لیکن حدیث ”صریح“ اور ”واضح“ ہو جو اس کے دعویٰ پر پوری طرح منطبق ہو۔ تہجد و تراویح کے ایک ہونے کے بناوٹی فارمولے پر کھینچا تانی اور سینہ زوری والا الثا سیدھا استدلال قابل قبول نہ ہو گا۔ اگرچہ ہمارے پاس ریال یا ڈالر تو نہیں ہیں تاہم وہ یقین رکھیں کہ ہم اپنے محترم جناب مولانا شیخ اللہ وسایا صاحب قصوری کی منت سماجت کر کے جمعہ کے موقع پر نوری مسجد میں چندہ کرا کر اسکی آگ ضرور بجھائیں گے۔ (یا علی مدد)۔

نہایت :-

اور اگر وہ نہ کر سکیں اور وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تو تھوڑی سی ترمیم سے وہ اپنے لفظوں میں ”اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آ جائیں۔ غضب الہی کو دعوت نہ دیں یہ دنیا چار دن کا میلا ہے اس کے بدلے آخرت برباد نہ کریں پھر پچھتاؤ گے اور پچھتایا کالم نہیں آئے گا۔ (فی رمضان ولا فی غیرہ) ہی تو واضح دلیل ہے کہ تہجد و تراویح قطعاً ایک نماز نہیں“ ۱ھ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۹)۔

عج جلا کر رکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

ایک اور لطیفہ :-

ہمارے اس قاہر سوال کے جواب سے عاجز آ کر کہ اس ترجمہ کی رو سے ام المؤمنین کے اس قول کا مفہوم یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ سال کے بارہ مہینوں میں تراویح ادا فرمایا کرتے تھے ”مؤلف نے نہایت درجہ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے غیر مقلدیت کے نشہ میں رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے گیارہ مہینوں میں پڑھی جانے والی نماز تہجد کو بھی نماز تراویح کا نام دے دیا ہے چنانچہ ”مرغے کی وہی ایک ٹانگ“ پر عمل کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے جب تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے تو رسول اللہ ﷺ یقیناً ”اسے بارہ مہینے ہی ادا فرمایا

کرتے تھے :- (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۹)

پھر بھی بے عقلی اور بے وقوفی کا طعنہ بھی وہ ہمیں ہی دیتا ہے چنانچہ اس کے لفظ ہیں :- ”لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے کیونکہ اس کی عقل تو تقلید کی وجہ سے مسلوب و معدوم ہوتی ہے“ ۱ھ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹)

مزید پر لطف بات یہ بھی لائق ملاحظہ ہے کہ اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی دلیل اس نے ان لفظوں میں پیش کی ہے کہ :- ”اس میں کیا شک ہے کیونکہ آپ پر تہجد واجب تھی جو امت پر نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے (نافلۃ لک)“ ۱ھ۔ دیکھا آپ نے دعویٰ تہجد و تراویح کے ایک ہونے کا تھا مگر ”کیونکہ“ کر کے اس کی دلیل ”تہجد“ کو بنایا اور جو قرآنی الفاظ پیش کئے اس کا ابتدائی حصہ ازراہ خیانت شیر مادر سمجھ ہضم فرما گئے۔ جو تہجد کے بارے میں ہونے کا صریح ثبوت ہیں کیونکہ اس کے بغیر ان کی مطلب برآری ناممکن تھی چنانچہ آیت کے وہ ابتدائی الفاظ یہ ہیں ”ومن اللیل تہجدہ“ پھر فرمایا نافلۃ لک۔ جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ پیارے حبیب آپ رات کو نیند کرنے کے بعد نفل (نماز تہجد) پڑھا کریں۔ یہ آپ پر ایک زائد لازمی امر ہے۔ (پ ۱۵ الاسراء آیت نمبر ۷۹)

پھر جو دعویٰ اوپر کیا تھا کہ تہجد و تراویح ایک ہی کے نماز کے دو نام ہیں جس کے لئے یہ سارے پاؤں بیلے جاتے جاتے اتنا بے ہوش ہو گئے کہ اس سب پر خود ہی پانی پھیر کر اسے صاف کر دیا مگر انہیں خبر تک نہ ہوئی چنانچہ خود لکھا ہے کہ ”آپ پر تہجد واجب تھی“ جو اس امر کا واضح اقرار ہے کہ تہجد اور تراویح ایک نماز نہیں کیونکہ وہ خود مانتا ہے کہ آپ نے خوفِ فرضیت سے تراویح صرف تین راتیں باجماعت پڑھ کر اسے ترک فرما دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ص ۳ مسئلہ تراویح) مگر پھر وہ اس کو اڑانے کی غرض سے اتنی خشیت ان یکتب علیکم کا ترجمہ کرتے ہوئے باجماعت پڑھنے کی فرضیت مراد لیتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳) جو اس کی ایک اور شرمناک خیانت ہے کیونکہ اس حدیث کے کسی ایک

بھی طریق میں جماعت کی فرضیت کے خوف کی تصریح نہیں۔ سچا ہے تو مغالطہ وہی اور تلبیس سے ہٹ کر اپنے حسبِ دعویٰ اس کی صحیح اور صریح دلیل پیش کرے۔ باقی مسلوب العقل، معدوم العقل اور مفقود الفہم کون ہوتا ہے غیر مقلد یا مقلد؟ اس کا فیصلہ ہم اپنے منصف مزاج قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اپنی کتابوں سے فرار:-

ہم نے ”تحقیق جائزہ“ میں حضرت امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دوبارہ تہجد ہونے اور اس کے تراویح کے بارے میں نہ ہونے کی بعض سلف اور خود غیر مقلدین کے بعض بزرگوں کے حوالہ سے ایک عام فہم اور وزنی دلیل یہ پیش کی تھی کہ اس کی: ”ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سے علماء سلف بلکہ خود غیر مقلدین کے بزرگوں نے بھی واضح لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعات کچھ ثابت نہیں۔ پس اگر مولانا کی پیش کردہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہوتی تو وہ تعداد رکعات کے ثبوت کا انکار کرنے کی بجائے صاف کہہ دیتے کہ تراویح کی آٹھ رکعات ہیں جس کی دلیل بخاری شریف وغیرہ کی یہ حدیث ہے (اس کے بعد تفصیل سے وہ حوالہ جات پیش کئے) (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۸، ۹، ۱۰)۔

جس کا کوئی تسلی بخش اور علمی و تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے اس نے محض دفعِ وقتی بلکہ اس سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ: جب ہم کسی کی تقلید کرتے ہی نہیں صرف قرآن و حدیث اور پھر اجماع صحابہ کی پیروی کے قائل ہیں جس کی جو بات یا جو عمل بھی ان تین چیزوں کے خلاف ہو ہم اسے نہیں مانتے (الی) لہذا ہمارے خلاف ہمارے علماء کے فتوے پیش کرنا مقلدین کی انتہائی درجہ جہالت ہے الخ ملخصاً بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱)۔

بے شک نہ مانیں ہمیں اس سے غرض نہیں اور نہ ہی منوانا ہماری ذمہ داری ہے کہتے ہیں کہ ہٹ دھرمی اور ضد کا علاج تو حضرت لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا باقی ہم نے جو بات منوانی تھی وہ مؤلف نے سیدھے طریقہ سے مان لی ہے کہ یہ بات ان کے علماء نے واقعی لکھی ہے اور ہمارے پیش کردہ وہ حوالے فی الواقع من و عن درست اور صحیح ہیں۔ (وہو المقصود)

جادو وہ جو سرچڑھ کر بولے

باقی مؤلف کا بار بار یہ کہنا کہ وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں لہذا ہمارا یہ حوالے پیش کرنا انتہائی درجہ جہالت ہے؟ تو اولاً ”حوالہ پیش کرنا قطعاً“ جہالت نہیں بلکہ حوالہ جات سن سمجھ کر ان کی کوئی معقول تاویل پیش کیے بغیر رد کر دینا ہی ان کے لفظوں میں ”انتہائی درجہ جہالت“ ہے پس اس کا اسے جہالت کہہ دینا اس کے نہایت درجہ اجہل الناس ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس جاہل کو ابھی تک جہالت کا معنی بھی نہیں آتا ورنہ دنیا کی کس ڈکٹری میں حوالے پیش کرنے کو ”جہالت“ لکھا ہے کیا حوالے پیش کرنا علم کی دلیل نہیں جو جہالت کی ضد ہے:

بریں عقل و دانش بپاید گریست

مانیا“ یہ بھی مؤلف کا جھوٹ ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہیں کیونکہ مسئلہ ہذا کے حوالہ سے وہ جس تقلید کے مخالف ہیں وہ شخص واحد کی دائمی تقلید ہے جسے ”تقلید شخصی“ بھی کہا جاتا ہے جس سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ پس اصولاً وہ کسی ایک کی تقلید کے منکر ہیں، ہر کسی کی تقلید کے منکر نہیں۔ جرأت ہے تو اس سے انکار کر کے دکھائیں۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو بتائیں کیا ان کے عوام کالانعام ان کے مقلد نہیں کیونکہ انہیں خود کو تو براہِ راست قرآن و حدیث سے مسائل کے اخذ کرنے بلکہ سمجھائے سے سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں تو وہ اپنے ہی علماء پر اعتماد کر کے اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں اور یہی تقلید (بلکہ مؤلف کے

لفظوں میں اندھی تقلید) ہے پس وہ کیسے کہتے ہیں کہ وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔
 ثالثؑ نیز یہ بھی مؤلف نے جھوٹ بولا ہے کہ وہ اجماع صحابہ کو بھی مانتے ہیں۔
 کیونکہ ان کی پارٹی کا نعرہ ہے ”اہل حدیث کے دو ہی اصول“ اطیعوا اللہ و
 اطیعوا الرسول۔“ علاوہ ازیں کئی علماء سلف بلکہ خود غیر مقلد مؤلف کے بعض
 پیشواؤں نے بھی لکھا ہے کہ میں تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع ہے (جیسا کہ
 گزشتہ سطور میں بھی اس کے بعض حوالہ جات گزر چکے ہیں) جس کی ایک دلیل
 یہ بھی ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث میں کسی ایک بھی صحابی سے میں تراویح سے
 کم کا کوئی ایک بھی صحیح اور معتبر ثبوت نہیں ملتا (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان
 بالبرہان)۔ معلوم ہوا کہ مؤلف کے پاس علم و دیانت اور دلائل کے سوا ہیرا
 پھیری اور جھوٹ وغیرہ سب کچھ ہے۔

اپنے بڑوں کی درگت :-

مؤلف نے مزید یہ بڑا جھوٹ بول کر کہ اس کے پاس تین مرفوع حدیثیں
 ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا آٹھ تراویح پڑھنا پڑھانا ثابت ہوتا ہے تو
 ان کے خلاف خواہ سارا جہان کہے کہ کوئی مخصوص عدد ثابت نہیں ہم ان کی بات
 کیسے مانیں؟ (ملاحظہ ہو صفحہ ۹) اس سے انہوں نے بفضلہ تعالیٰ ہمارا تو کچھ نہیں
 بگاڑا البتہ اس سے انہوں نے خود ہی اپنے ان بڑوں کی ٹھکانی کر دی اور ان کی
 درگت بنا دی اور یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس کے وہ تمام بڑے، احادیث نبویہ علی
 صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باغی اور مخالف تھے۔ پس ہمیں سے سمجھ لیا جائے کہ
 جب ان کے بڑوں کا یہ حال ہے تو چھوٹوں کا کیا عالم ہو گا:

۸ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۹ بڑے میاں بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ

محدث مروزی کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف کو اس کا اپنا آئینہ دکھاتے ہوئے اسی کی بولی میں روایت ام
 المؤمنین کے دربارہ تہجد ہونے اور تراویح کے بارے میں نہ ہونے کے بارے میں
 ہم نے ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ ”امام محمد بن نصر مروزی نے (جنہیں غیر
 مقلدین اپنا پیشوا مانتے ہیں) اپنی کتاب قیام اللیل (صفحہ ۱۵۷ طبع رحیم یار
 خان) میں رکعات تراویح کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تحت انہوں نے بے
 شمار روایات اور احادیث درج کی ہیں مگر مولانا کی پیش کردہ اس روایت کو جو صحیح
 ترین اور مشہور ترین روایت ہے اس کا اس باب میں ذکر تو کجا اس کی طرف
 انہوں نے پورے باب میں اشارہ تک نہیں کیا بلکہ وہ اسے تہجد کے باب میں
 لائے ہیں (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۸۲ طبع رحیم یار خان)۔ جو اس بات کی
 روشن دلیل ہے کہ امام مروزی کے نزدیک بھی مولانا کی پیش کردہ اس حدیث کو
 تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ عنوان باب یہ ہے۔ ”باب عدد الركعات التي
 يقوم بها الامام والناس في رمضان“۔ یعنی یہ بات تراویح کی ان رکعات کی
 تعداد کے بیان میں ہے جنہیں لوگوں کو ماہ رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا
 چاہیے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یار خان)۔ اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ
 ۱۱)۔

عذر لنگ کے طور پر مؤلف نے اس کی یہ تاویل پیش کی ہے کہ باب ہے
 باجماعت پڑھنے کے بیان میں اور اس روایت میں نبی کریم ﷺ کا وتر
 سمیت گیارہ رکعت پڑھنا انفرادی حیثیت میں مذکور ہے۔ اس لئے وہ اسے اس
 باب میں نہیں لائے۔ پھر اپنے اس حوالہ کی اہمیت بڑھانے کی غرض سے حسب
 عادت لگ گئے ان کی تعریف کرنے کہ وہ محدث تھے مجتہد تھے باشعور امام تھے اسی
 لئے اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث بیان کی کیونکہ محدث کا باب باندھنا ایک دعویٰ
 ہوتا ہے یہ ہے حکمت اس حدیث کو اس باب میں نہ ذکر کرنے کی۔ اھ۔ ملخصاً

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳-۱۴)۔ جو سراسر فریب، دھوکہ اور نرا مغالطہ ہے جس کی تعلیظ و تکذیب خود یہ بے راہ رو اور جھوٹا مؤلف خود بھی کر چکا ہے مگر اس کے بقول ”دروغ گو را حافظہ نہ باشد یعنی جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود ترویج کر دیتا ہے۔“ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۲۸)۔ بقول خود یہ ”جھوٹا انسان“ اپنے اسی رسالہ میں اس سے صرف دو تین صفحے پہلے اپنے نامہ اعمال کی طرح صفحہ پر صفحہ سیاہ کر چکا اور صراحت کے ساتھ یہ لکھ چکا ہے کہ اس روایت میں مذکور گیارہ رکعت وہ ہیں جو آپ ﷺ نے تین راتوں میں باجماعت پڑھی تھیں۔ (ملخصاً) (ملاحظہ ہو صفحہ ۷-۸)۔ نیز اسی کے صفحہ ۲۷ پر بھی وہ پوری ایزی چوٹی کا زور صرف کر کے اسی کا تاثر دے رہا اور ہم سے مطالبے کر رہا ہے کہ ان تین راتوں میں تہجد کا الگ پڑھنا ثابت کرو وغیرہ۔

علاوہ ازیں اس مقام پرش خود یہ لکھ کر اپنی تعلیظ کر دی ہے کہ ”محدث کا باب باندھنا ایک دعویٰ ہوتا ہے۔“ جبکہ مروزی نے اس باب کا یہ عنوان قطعاً قائم نہیں کیا کہ نبی ﷺ انفرادی حیثیت سے اور اکیلے کتنی رکعات پڑھتے تھے بلکہ ان کے قائم کردہ اس عنوان کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو کتنی رکعات پڑھنی پڑھانی چاہییں جو ان کے ان لفظوں سے ظاہر ہے۔ ”باب عدد الركعات التي يقوم بها الامام والناس۔“ پھر اس کے تحت انہوں نے جو روایات ذکر کی ہیں اس سے بھی ان کا مقصد محض محدثین کی طرز پر اس موضوع کی صحیح و سقیم جملہ روایات کو محض توسیع مطالعہ کی غرض سے جمع کرنا ہے نہ یہ کہ وہ اس سے اپنا مذہب بتانا چاہتے ہیں جیسا کہ عموماً ”محدثین کا طریق کار ہے لہذا روایت جابر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آٹھ تراویح کو ان کا مذہب قرار دینے کا مغالطہ بھی اس سے رو ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ مؤلف کی خود ساختہ تاویل، محدث مروزی پر اس کا سخت افتراء اور بہتان عظیم ہے اور اس حوالہ سے ہمارا یہ سوال اس پر ایسا قرض ہے جسے چکانا قطعاً اس کے بس کا روگ نہیں۔

الٹا چور کو تو مال کو ڈانٹتے۔

مگر سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قدر ناسمجھی اور کم فہمی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود مؤلف عقل سے عاری بھی ہمیں ہی کہتا ہے حیث قال = ”یہ ہے حکمت اس حدیث کو اس باب میں نہ ذکر کرنے کی لیکن مقلد کو کیسے سمجھ آئے جو عقل سے عاری ہوتا ہے حدیث کو اباحیث ہی سمجھ سکتا ہے مقلد نہیں۔ جس طرح جواہرات کو جوہری ہی سمجھ سکتا ہے پنساری نہیں۔“ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۱۴)۔

اسی کو کہتے ہیں ”الٹا چور کو تو مال کو ڈانٹتے“ نیز ”چوری پھر سینہ زوری۔“ سبحان اللہ۔ اگر یہ حکمت ہے تو ”حماقت“ کیا ہوگی؟ اور اگر یہ فہم حدیث ہے تو کج فہمی کیا ہوگی؟ ماشاء اللہ۔ اس جماعت کے جوہری جب اتنے بالکمال ہیں تو اس کے پنساری کتنے بے مثال ہوں گے؟ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے جناب غیر مقلدیت مآب صاحب! حدیث کا سمجھنا آپ جیسے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کا کام نہیں، آپ اپنی قدر اور اوقات پر رہیں، یہ محض فقہاء اسلام کا حصہ ہے۔ ایک جلیل القدر محدث نے امام اعظم سے کہا تھا (جو واقع میں محدث تھے آپ کی طرح ڈیڑھ کتا پیٹے ہوئی ملاں نہیں تھے) ”یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلہ۔“ اے گروہ فقہاء فہم حدیث کے حوالہ سے تمہاری حیثیت طبیبوں کی ہے کہ اس کے محامل، معانی، مفاہیم و منالطیق کو سمجھنا تمہارا ہی کام ہے۔ ہماری حیثیت تو محض پنساریوں کی ہے کہ دواؤں کے نام سے واقف اور ان کی خاصیات سے قطعاً نااہل ہیں۔ (حوالہ درکار ہو تو پیش کر کے طبیعت صاف کر دیں گے)۔ عقل سے عاری کون ہے؟ اسے صرف یہاں سے سمجھ لیجئے۔ آپ نے لکھا ہے ”حدیث کو اباحیث ہی سمجھ سکتا ہے مقلد نہیں۔“ کیا ”اہل حدیث“ (یعنی فہم حدیث کا ماہر اور محدث) ہونا اور ”مقلد“ ہونا ایک دوسرے کی ضد ہے اور ان میں تباہی کی نسبت پائی جاتی ہے؟ کیا درجہ اجتہاد پر غیر فائز جملہ محدثین کسی نہ

کسی امام مجتہد کے مقلد نہیں۔ خود مروزی کو دیکھ لیجئے آپ لوگوں کے نزدیک کتنے بڑے محدث ہیں مگر اس کے باوجود غیر مقلد وہ بھی نہیں بلکہ مقلد ہیں۔

ہاں اگر ”اہل حدیث“ کا وہ معنی لیا جائے جس معنی میں آپ اور آپ کی کمپنی کے اراکین ہیں یعنی وہ بد مذہب، جس کی نشاندہی حدیث میں کی گئی ہے (حدیث الانسان سفہاء الاحلام وغیرہ) اور جس کا علم طوطے کی رٹ سے بڑھ کر نہیں تو ہم ابھی سے لکھ دیتے ہیں کہ سفلی کمالات والی اس کی ”عقل و فہم“ سے ہم جیسے مقلد یقیناً عاری ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔ بتائیے دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

ایک اور یا وہ گوئی کا پوسٹ مارٹم۔

اس مقام پر ہمارے اس جملہ پر کہ ”اس کے تحت انہوں نے بے شمار روایات اور احادیث درج کی ہیں“ اھ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱)۔ چوٹ کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کے تحت صرف دو حدیثیں ہیں جن میں سے ایک مرفوع اور دوسری موقوف ہے باقی سب اقوال ہیں اسے حدیث اور اقوال کا فرق بھی معلوم نہیں۔ معلوم ہو بھی کیسے کیونکہ تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے ”ایک“ اور ”بے شمار“ کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۱۳) جو مؤلف کی کذب بیانی، بدزبانی اور نادانی کا آئینہ دار ہے آپ اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بحث اس کے کم و بیش تین صفحات (صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸ اور ۱۵۹) پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں واقعی بے شمار احادیث ہیں جن میں ایک ”مرفوع“ ہے کئی ”موقوف“ اور کئی ”مقطوع“ ہیں۔ جنہیں احادیث کہنا بالکل بجا ہے ہم نے یہ کب لکھا ہے کہ وہ احادیث سب مرفوع ہیں۔ اس جاہل کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حدیث کا اطلاق جس طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقاریر پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق صحابی اور تابعی کے اقوال و افعال اور تقاریر پر بھی ہوتا

ہے اور اس کے لفظوں میں اس ”جھوٹے انسان“ کو اصول حدیث کا چھوٹا سارسالہ ”مقدمہ شیخ“ بھی نہیں آتا یا پھر وہ تجاہل سے کلام لے رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس میں اقوال بھی ہیں؟ تاس سے ہم نے انکار ہی کب کیا ہے جب کہ ان میں سے کوئی قول بھی ہمیں مضر ہے نہ اسے مفید ہے بلکہ وہ تمام اقوال ہمارے ہی مؤید ہیں کہ ان کے قائلین میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو رکعات تراویح کے حوالہ سے بیس سے کم کا قائل ہو۔ پھر ہم نے صرف یہ نہیں لکھا تھا کہ اس باب میں صرف احادیث ہیں بلکہ ہم نے ”روایات اور احادیث“ کے لفظ لکھے تھے تو کیا ائمہ اسلام کے منقول و مروی اقوال کو روایات کہنا درست نہیں؟

اس سے ہمارے منصف مزاج قارئین خود سمجھ سکتے ہیں کہ مؤلف کی ”اس نحوست“ اور ”عقل و شعور کی نعمت عظمیٰ سے محرومی“ کا صحیح مصداق کون ہے اور کون ہے جسے ”ایک دو اور بے شمار کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا“۔ پھر یہ بات بھی وہی لکھ رہا ہے جو تہجد و تراویح کی دو نمازوں کو ایک قرار دینے کے جرم کا مرتکب ہے پس یہ لکھ کر مؤلف نے اپنی نحوست اور بے عقلی پر رجحی کر دی ہے۔

ع گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

مؤلف کا زبردست تاریخی جھوٹ:-

مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مروزی نے اس باب میں جو موقوف روایت ذکر کی ہے وہ وہی روایت ہے جس میں گیارہ رکعات کے پڑھانے کا ذکر ہے جو اس کی زبردست خیانت اور تاریخی جھوٹ ہے کیونکہ اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اس سے متصل ۱۳ رکعات کی روایت نیز اس کے پانچ سطر بعد سطر نمبر ۶ اور سطر نمبر ۸ میں ۲۰ تراویح کی روایتیں بھی لکھی ہیں اور اس میں یہ لفظ موجود ہیں۔ ”و عن المسائب ایضاً“ انہم کانوا یقومون فنی رمضان بعشرین

رکعتہ۔ نیز ”عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلاث و عشرين رکعة“۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۷) جبکہ ۱۱ اور ۱۳ والی روایات بھی درحقیقت بیس رکعات کی دلیل ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر مفصل طور پر آ رہا ہے)۔ حیرت ہے کہ مؤلف اتنا بے باک، دیدہ دلیر اور شوخ چشم ہے کہ اسے چمکتے دن میں اتنے سفید جھوٹ بولتے ہوئے اور بحرمانہ خیانتیں کرتے ہوئے کسی کا بھی ذرہ بھر بھی خوف محسوس نہیں ہوتا۔

خوفِ خدا نہ شرمِ بنی، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مذہبِ امام مالک در رکعات تراویح کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم۔ ہم نے حضرت ام المؤمنین کی بحث فیہ روایت (فی رمضان ولا فی غیرہ) کے دربارہ تہجد ہونے اور اس کے تراویح کے بارے میں نہ ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ: ”اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت امام مالک ہیں اگر یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہوتی تو وہ اسے اپنا مذہب بناتے ہوئے آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہوتے جبکہ علی التحقیق، آٹھ تراویح ان کا مذہب نہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یار خان)“ ۱۷ (تحقیق جائزہ صفحہ ۱۲)

مؤلف نے اس کا کوئی علمی، تحقیقی اور تسلی بخش جواب نہیں دیا اور جو کچھ اس بارے میں جواب کے نام سے لکھا ہے وہ درحقیقت ان کی کمپنی کا ایک مشہور بے جان اعتراض ہے جس کا مسکت جواب ہمارے کئی علماء بار بار دے چکے بلکہ ”تحقیقی جائزہ“ میں ہم بھی اس کا جواب لکھ کر اس سے بیگانگی سکدوش ہو چکے ہیں جو آنکھوں پر تعصب کی پٹی کے باعث یا تو مؤلف کی نظر سے اوجھل رہا یا پھر خواہ مخواہ دفعِ وقتی کی غرض سے اسے تجاہل سے کام لے کر اس نے چھپانے کی ملعون کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

”امام مالک نے اگرچہ لوگوں کے لئے اتالیس رکعات کا استحباب ذکر کیا ہے

لیکن خود اپنے لئے وتر سمیت گیارہ رکعت کو ہی اختیار کیا ہے جس کا ذکر علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں کیا ہے۔ بحوالہ ”تختہ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۳۷۔“ ۱۸ بلفظہ

ہم نے اس کا جو دندان شکن اور مسکت و مقط جواب پیشگی لکھ دیا تھا وہ

حسب ذیل ہے: وہو هذا

”بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک روایت یہ ہے کہ امام مالک وتر سمیت ۱۱ رکعات تراویح کے قائل تھے جیسا کہ الحاوی للفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۵۰ میں بحوالہ امام سبکی، علامہ جوری شافعی کا قول، منقول ہے۔ یا جیسے عینی شرح بخاری میں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ پھر علامہ جوری اور علامہ عینی حنفی، شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے کوئی مالکی نہیں کہ فقہ مالکی کا ماہر ہو جبکہ دوسرے کا مسلک نقل کرنے میں خطا کا واقع ہو جانا کوئی نئی بات نہیں“ ۱۹۔ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۸)

پس اس کے باوجود مؤلف کا پٹے ہوئے مہروں کو پھر آگے کر دینا اس کی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے، خصوصاً ”غیر مقلدیت کی وباہ سے

پھر عمدۃ القاری کے حوالہ کے لئے مؤلف کا اپنے ہی غیر مقلد مولوی کی کتاب تحفہ کا نام لینا اس امر کی بھی غمازی کر رہا ہے کہ اس تعلیٰ باز کو اصل کتاب کا دیکھا بھی نصیب نہیں۔ سچ ہے:

با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب

اس جواب پر لایعنی اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

مذکورہ بالا اعتراض کے پیشگی دیئے گئے ہمارے منقولہ بالا جواب کے سنجیدہ علمی، صحیح اور تسلی بخش جواب سے عاجز آ کر محض اپنے عوام کو خوش کرنے، انہیں دھوکہ دینے کی غرض سے، ”ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور بحث برائے بحث کے طور پر جو جابلانہ گفتگو کی ہے، اس کا اصلی روپ دکھانے کی غرض سے اسے قارئین کے سامنے رکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہمارے اس جواب کا ذکر کرنے کے بعد اس نے لکھا ہے :

”اب میں اس سے پوچھتا ہوں کہ امام مالک نے اپنی فقہ کی کون کون سی کتب لکھی ہیں اور تمہارے پاس کون کون سی ہیں ذرا ان کے نام بتائیں جو امام مالک کی تصنیف ہوں۔ اس کو یہ بھی علم نہیں کہ کتب فقہ کن کی تصنیفات ہیں اماموں کی یا ان کے مقلدین کی۔ کتب فقہ متبوع اماموں کی نہیں بلکہ ان کے مقلدین کی ہیں تاہم اگر علامہ یعنی حنفی اور علامہ جوزی شافعی امام مالک کے گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کے نقل کرنے میں خطا کار ہیں تو تم مالکی فقہ سے امام مالک کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت کرو۔“ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۴۹)۔

اقول :-

ہیرا پھیری، دجل و تلیس اور ہاتھ کی صفائی کے اس ماہر اعظم سے کوئی پوچھے کہ :-
اولاً :-

ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کسی کتب کو ذکر ہی کب کیا ہے پس بلا وجہ اس فضول بحث کو چھیڑ دینے کا فائدہ ہی کیا ہے کہ بتاؤ ائمہ متبوعین کی کتابیں ان کی اپنی لکھی ہوئی ہیں یا ان کے مقلدین کی وغیرہ پھر اسی کو بنیاد بنا کر اس بیہودہ جملے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ”اس کو یہ بھی علم

نہیں کہ کتب فقہ کن کی تصنیفات ہیں۔“ سچ ہے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے عادت کا بدلنا مشکل ہوتا ہے وراصل ادھر ادھر کی لایعنی اور لچر باتیں کرنا اور گالیاں بکنا مؤلف کی پرانی عادت ہے پس وہ ایسی باتیں کرنے پر مجبور ہیں اس کے بغیر نہ تو ان کے اس گالی نامہ کا پیٹ بھر سکتا تھا نہ ہی انہیں قلبی سکون حاصل ہو سکتا ہے۔
ثانیاً :-

پھر ائمہ کے اقوال و فتاویٰ کے مجموعوں کو اس حیثیت سے کہ وہ ان کا مجموعہ ہیں ان کی کتابیں کہنا کس دلیل کی رو سے غلط ہے۔ اگر اس قسم کی نسبت کے صحیح ہونے کے لئے خود قائل و متکلم کا اسے اپنے ہاتھ سے لکھنا یا کم از کم اسے لکھوا کر اس پر نظر ثانی کرنا بھی لازم ہے تو قرآن مجید کو کتب اللہ اور بخاری شریف کو رسول اللہ ﷺ کی کتب کیوں کہتے ہیں؟ کیا انہیں اللہ تعالیٰ یا رسول کریم ﷺ نے لکھایا لکھوا کر ان کے مجموعوں کی تصدیق فرمائی تھی بہر حال ہم نے جو بات لکھی تھی اب بھی اس کے ہم پابند ہیں اور مؤلف کے اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے بھی تیار ہیں کہ ”تم مالکی فقہ سے امام مالک کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت کرو۔“ مگر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ مؤلف اسے مان بھی لے گا اور اس قسم کی لچر بحث سے آئندہ احتراز کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے سے باز آ جائے گا۔ تاہم اس کے لئے ہم اپنے قارئین سے گزارش کریں گے کہ وہ ان سے لکھوالیں یا کم از کم گواہوں کے سامنے ان سے کہلوالیں کہ اگر وہ اس کے بعد بھی نہ مانیں تو ان کی موجودہ یا متوقعہ بیوی پر حکم شرع کے مطابق اور ان کے نظریہ کی رو سے پڑ جانے والی تین طلاقیں پڑیں! (دیدہ باید)

اس کی مزید وضاحت :-

علامہ یعنی اور علامہ جوزی کے حوالہ سے مختصر اور جامع گفتگو کرنے کی غرض سے ہم نے محض اصولی جواب پر اکتفاء کیا تھا جو کل کی طرح آج پھر آئندہ

بھی مؤلف کے ذمہ ہمارا قرض ہے اور قرض رہے گا۔ اگر کسی کتاب میں محض کسی کا قول کا آجانا ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے تو ہم اس باغی اصول مؤلف سے پوچھیں گے کہ کیا یہ اصول صرف اسی حوالہ کے لئے ہے یا ہر حوالہ کے لئے؟ بر تقدیر اول وجہ فرق اور وجہ تخصیص کیا ہے؟ پھر کیا اس کا مطلب یہ نہیں بنے گا کہ جو ان کی فیور میں ہو وہ معتبر اور جو ان کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔ (ڈوبتے کو تنگے کا سہارا)۔ بر تقدیر ثانی اس کی ہمیں تحریر مہیا کریں تاکہ اس حوالہ سے ہم ان کی مکمل خبر لے سکیں۔ اگر جوری اور عینی علیہما الرحمۃ کی کتابوں کی یہ خصوصیت ہے تو یہ بھی لکھ دیں اور انجام کا انتظار کریں۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ مؤلف نے اپنے گالی نامہ میں اور اس سے پہلے والے مغالطہ نامہ (مسئلہ تراویح) میں بہت سی احادیث کو محض یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وہ منقطع ہیں جن کے فلاں راوی کی فلاں راوی سے ملاقات ثابت نہیں۔ جبکہ ان کے ادوار بھی قریب قریب ہیں۔ (ملاحظہ ہو مغالطہ نامہ صفحہ ۸ نیز گالی نامہ ص ۱۵ تحت روایت سنت کلم قیامہ، نیز روایت یحییٰ، روایت اعش و روایت عبدالعزیز)۔

پس جب ہماری باری میں تھوڑے سے انقطاع سے بھی روایت واجب الرد ہو گئی تو اپنی باری میں جس علامہ جوری اور علامہ عینی علیہما الرحمۃ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مابین صدیوں کا فاصلہ ہے ان کے اقوال کیسے حجت قرار پائے جبکہ اس کی انہوں نے کوئی سند بھی نہیں لکھی۔ جرات ہے تو اس کی معتبر سند پیش کرے۔ تعجب ہے کہ مؤلف نہ اصول پر قائم رہتا ہے اور نہ ہی اپنے خود ساختہ قواعد پر ٹھہرتا ہے اگر اسے کہا جائے کہ اصول پر آؤ تو اپنے مزعومات کی طرف بھاگتا ہے اور اگر کہا جائے کہ چلو اسی پر قائم رہ کر بات کرو تو پھر اصول کا نام لیتا ہے یا پھر اپنی مادری بولی میں گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ ہمیں تو یہ بھی سوچنا پڑ رہا ہے کہ اس کی اس کیفیت کو ہم ”میٹھا ہپ کڑوا تھو“ سے تعبیر کریں یا اسے

حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ رحمۃ اللہ الغفار کے اس قول کا مصداق کہیں:

سے چو شتر مرغے شناس این نفس را
نے کشد بارو نہ پرو بر ہوا
سے گر پر گویش گوید اشترم
ورنہ بارش بگوید طایرم

یعنی نفس سرکش کو شتر مرغ کی طرح سمجھ جو نہ بوجھ اٹھاتا ہے اور نہ فضا میں اڑتا ہے اگر اسے کہو کہ اڑ، تو کہتا ہے میں اونٹ ہوں بھلا اونٹ بھی کبھی اڑا کرتے ہیں اور اگر اس پر بوجھ لادو تو کہتا ہے کہ میں پرندہ ہوں جس کا کام بوجھ اٹھانا نہیں۔ (ملاحظہ ہو پند نامہ فارسی صفحہ ۱۳ طبع کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)۔

تحقیق مذہب امام مالک و توجیہ قول علامہ عینی و جوری :-

تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آٹھ تراویح کے قائل نہیں بلکہ وہ بیس یا اس سے زائد کے قائل ہیں جو ان کی اپنی فقہ کی کتابوں میں مصرح ہے۔ چنانچہ مشہور مالکی فقیہ و محدث امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اپنی نہایت درجہ ضخیم اور معرکہ الارا کتاب ”التمیذ لما فی الموطا من المعانی والاسانید“ - (جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب ”موطا“ کی مبسوط شرح ہے وہ موطا مالک جسے بعض ائمہ اسلام نے بخاری سے بھی زیادہ صحیح فرمایا اور کتاب اللہ کے بعد اس کا مقام بتایا ہے اس) میں ارقام فرماتے ہیں: ”واختلف العلماء فی عدد قیام رمضان فقال مالک تسع و ثلاثون بالوتر ست و ثلاثون و الوتر ثلث“۔ یعنی قیام رمضان (تراویح) کی تعداد رکعات کے بارے میں علماء اسلام کا اختلاف ہے (کہ وہ بیس ہیں یا اس سے زائد؟ پس امام مالک نے فرمایا اس کی وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں جن میں سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر ہیں۔ (ملاحظہ ہو (التمیذ ج ۸ صفحہ ۳۳ طبع مکتبہ

قدوسیہ، اردو بازار، لاہور۔

علاوہ ازیں ایک اور مالکی فقیہ امام ابن رشد اندلسی اپنی کتاب ”بدایۃ المجتہد و نہایت المقتصد“ میں رقمطراز ہیں: ”واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیه و ابو حنیفۃ الشافعی و احمد و داؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر و ذکر ابن القاسم عن مالک انه کان يستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلث“۔ یعنی اس میں ائمہ اسلام کا اختلاف ہے کہ تراویح کی رکعات جنہیں لوگوں کو رمضان المبارک میں ادا کرنا چاہئے ان کی تعداد کے بارے میں مختار کیا ہے؟ تو اس بارے میں امام ابو حنیفہ امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور داؤد ظاہری اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ ایک روایت کے مطابق ہیں تراویح اور تین وتر کے قائل ہیں جبکہ امام مالک کے شاگرد امام ابن القاسم سے مروی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس امر کے قائل تھے کہ تراویح چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ (ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ طبع فاران اکیڈمی، لاہور)۔

مالکی علماء کی ان دو مستند کتابوں سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کم از کم بیس اور زیادہ سے زیادہ چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں اور اس حوالہ سے ان کے صرف یہی دو قول ہیں جن میں سے آٹھ کا قول کوئی بھی نہیں۔ اگرچہ ان دو حوالوں سے گواہی کا نصاب مکمل ہو گیا ہے (کہ واستشهدوا شہیدین من رجالکم لایۃ) تاہم عدد کامل تین کی تکمیل کی غرض سے ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت ہے جس سے اس کی مزید تائید ہو جاتی ہے چنانچہ مؤلف کی پسندیدہ اور اس کے نزدیک معتبر کتاب قیام اللیل (صفحہ ۱۵۹ طبع رحیم یار خاں) میں ہے امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد امام ابن القاسم سے روایت ہے کہ جعفر بن سلیمان نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں یہ پوچھنے

کے لئے بھیجا کہ تین وتر سمیت انتالیس رکعات تراویح جو پڑھی جاتی ہے اس میں ہم کمی کر سکتے ہیں تو آپ نے اسے ناپسند فرماتے ہوئے اسے منع فرما دیا۔ اھ ملخصاً

پس خود فقہ مالکی کی کتب کی رو سے رکعات تراویح کے بارے میں امام مالک کے مذہب کی تعین کے بعد (کہ آپ ۲۰ سے کم کے قطعاً قائل ہی نہیں) علامہ عینی اور علامہ جوری کی عبارات کا مفہوم بھی خود بخود واضح ہو گیا کہ انہوں نے محض حسب عادت مؤلفین اس بحث کے بغیر کہ صحیح کیا ہے اور سقیم کیا ہے؟ محض جمع اقوال کی غرض سے امام مالک سے منسوب اس بات کو لکھ دیا ہے۔ بالکل ایسے جیسے امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب ”در منشور“ میں یہی طریق کار اپنایا ہے جس کا مقصد ہر قسم کی بات کو قارئین کے مطالعہ میں لانا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے حوالہ سے یہ باتیں کی جاتی ہیں باقی ان میں سے صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اس کی تعین کے لئے متعلقہ فن کی متعلقہ کتابوں سے مدد لی جاتی ہے۔ اس سے علماء اسلام کا ایک مقصد عظیم، علم کی وقعت کو بڑھانا بھی ہے تاکہ مؤلف کی طرح اس شعبہ میں ہر ”ایرا غیر انتھو خیرا“ گھس کر اپنی جہالت اور ضلالت کو نہ گھسیڑ سکے۔ (وانما الاعمال بالنیات و انما لكل امرئ ما نوى)۔

ہمارے اس بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہی علامہ عینی جن کا حوالہ مؤلف نے پیش کیا ہے اپنی اسی کتاب میں ارقام فرماتے ہیں۔ عند مالک ست و ثلاثون رکعة غیر الوتر۔ یعنی امام مالک کے نزدیک تراویح کی وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہیں۔ ملاحظہ ہو (عمدة القاری شرح صحیح البخاری جلد ۷ صفحہ ۱۷۸ طبع کوئٹہ)۔

نیز اسی کے اسی جلد میں جس میں امام مالک سے متعلق وہ بات لکھی ہے اس سے کچھ پہلے متعدد کتب کے حوالہ جات کے نقل کرنے کے بعد انہی علامہ

یعنی نے لکھا ہے: ”فالمشہور عن مالک ست وثلثون والوتر بثلاث“۔ یعنی مشہور روایت کے مطابق امام مالک تراویح کے چھتیس رکعات اور وتر کے تین رکعات ہونے کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو: (عمدة القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۶ طبع کوئٹہ)۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ امام مالک وتروں کے علاوہ تراویح کی چھتیس رکعات کے قائل ہیں پس انہوں نے ان سے منسوب گیارہ کے قول سمیت دوسرے اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ”فالمشہور عن مالک“ کہہ کر گیارہ کے قول کی تضعیف فرما دی ہے جس کے بعد اس کی اہمیت اور اس کا استناد ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ نیز وہی علامہ سیوطی، جنہوں نے علامہ جوری کا امام مالک سے منسوب وہ قول نقل کیا ہے، اپنے اسی رسالہ میں ایک صفحہ پہلے ارقاؤم ہیں: ”عن مالک التراویح ست وثلثون رکعة غیر الوتر“۔ یعنی امام مالک سے مروی ہے کہ وتر کے علاوہ تراویح کی چھتیس رکعات ہیں۔ ملاحظہ ہو (المصاحح مشمولہ الحاوی ج ۱ صفحہ ۳۳۸)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کا امام مالک سے متعلق جملہ اقوال کو لکھ دینے کا مقصد، محض توسیع مطالعہ قارئین کی غرض سے جمع اقوال ہے ورنہ وہ خود تعارض کا شکار قرار پائیں گے جو صحیح نہیں کہ کلام عقلاء کو ان کے صحیح محامل پر رکھنا فرض ہے۔ باقی ہم نے جو علامتین مذکورین کے متعلق وقوع خطا کی بات کی تھی وہ محض اصول کے حوالہ سے اور ان عبارات سے ظاہر ہونے والے اس مفہوم کو تسلیم کر لینے کی بناء پر تھا ورنہ حاشا وکلا ودرحقیقت ان سے خطا کافی الواقع منسوب کرنا مقصود تھا نہ ہو سکتا ہے۔ جس کا صحیح محمل ہم نے عرض کر دیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

آخری کیل :-

مؤلف ہماری اس مدلل اور محقق توجیہ کو پھر بھی نہ مانے تو وہ حسب

اصول، امام مالک سے منسوب گیارہ رکعات کے اس قول کو ان کی اپنی فقہ کی کتابوں میں سے کسی مستند کتاب کے کسی مستند حوالہ سے ثابت کرے اور اس کا طبیعت صاف کر دینے والا جواب ہی نہیں، منہ مانگا انعام بھی لے۔ جو وہ بذریعہ عدالت بھی ہم سے وصول کر سکتا ہے۔ پس اس میں اسے کیا نقصان ہے کہ وہ اپنے مذہب کا پرچار بھی عدالت میں کرے اور انعام پا کر جیب بھی گرم کر لے۔ (ہم خرماء ہم ثواب) کیونکہ اس مسئلہ میں مدعی وہ خود ہے جس کے ذمہ اثبات مدعا ہوتا ہے ہم تو اس میں سائل اور نانی ہیں۔ مگر وہ جس پانی میں ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اسے تو ابھی تک اس کے ناقل کا نام بھی صحیح طور پر معلوم نہیں پس وہ غریب ہمارا مطالبہ صحیح طور پر کیونکر پورا کر سکتا ہے؟ چنانچہ اس نے ”علامہ جوری“ کو کئی بار ”علامہ جوری“ لکھا ہے جبکہ صحیح راء مملہ ہے زاء معجم نہیں جیسا کہ علامہ سبکی کی کتاب الطبقات میں بھی ہے۔ (فیما للعجب و لضيعة العلم والادب)۔

غلطی کا سبب :-

اس خانہ ہمہ آفتاب است۔ مؤلف کے پیش رو مولوی عبدالرحمن مبارک پوری نے بھی ”جوری“ کو ”جوزی“ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: تحفة الاحوزی ج ۲ صفحہ ۴۳۔ جبکہ مؤلف نے زیادہ تر ملہ اسی سے لیا ہے پس اس نے اصل کتاب دیکھنے کی بجائے اپنے اس مولوی کی اندھی تقلید کرتے ہوئے لکیر کا فقیر بنکر مکھی پر مکھی مار دی۔ اس نے کہا ”جوزی“ اس نے کلبیک امنت یا اس نے کہا حسیم صاحب میں گڑھے میں گر رہا ہوں اس نے کہا جدھر تو ادھر میں۔۔۔۔۔ سبحان اللہ! ایسا ہو تو اس طرح کا ان شاء اللہ یہ ہر جگہ اکٹھے ہوں گے۔

ردوہم :-

مؤلف نے وتر سمیت تراویح کی انتالیس رکعات کے امام مالک کے قول

نیز ان سے منسوب گیارہ کے قول کے درمیان تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی بے سود اور اس کے وہم پر مبنی ہے کیونکہ اولاً امام مالک جیسے عاشق رسول سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ خود تو وہ سنت رسول ﷺ پر عمل کر کے اس کی برکات حاصل کریں اور دوسروں کو مؤلف کی مزعوم بدعت پر لگا کر اس فضول جھنجھٹ میں ڈال دیں یا اگر مؤلف اس کے قائل ہو گئے ہوں تو وہ یہ لکھ دیں کہ جو عبارت رسول اللہ ﷺ سے بعینہ اور صریحاً ثابت نہ ہو وہ بدعت نہیں ہوتی۔ (دیدہ باید)

ثانیاً "وقوع تعارض کے لئے متعارضین (دونوں یعنی متعارض اور متعارض کا) صحیح یا کم از کم مساوی درجہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ گیارہ کا یہ قول سرے سے ثابت ہی نہیں۔ پس جب اس کا ثبوت ہی نہیں بلکہ وہ محض بے بنیاد ہے تو یہ ۳۶ رکعات والے قول سے متعارض کیسے ہو گیا۔ (ثبت العرش ثم انقش)۔

ایک اور کاری ضرب:-

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب گیارہ رکعت والا قول غیر ثابت ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں جبکہ مؤلف نے وتر سمیت انتالیس کے قول کو مان لیا ہے پس اس سے ان پر ہماری حجت تمام ہو گئی کہ جو ہم ان سے منوانا چاہتے تھے انہوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے اور جو وہ ہم سے منوانا چاہتے تھے وہ اس کا کوئی صحیح ثبوت پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں جو ان کی شکست کی دلیل ہے۔
نعرۂ رسالت: یا رسول اللہ ﷺ۔ مذہب حق اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی: زندہ باد

ایک اور ضرب قاہر:-

مؤلف بار بار چیخ چیخ کر و تروں سمیت گیارہ رکعت گیارہ رکعت کی رٹ لگا کر شور مچا رہا ہے جو بر تقدیر تسلیم بھی اسے کچھ مفید نہیں کیونکہ اس کے بقول

آٹھ تراویح ہو گئی اور بقیہ تین رکعات وتر قرار پائیں جبکہ عملاً وہ اور اس کی پارٹی تین رکعات وتر کے قائل و فاعل نہیں ہیں بلکہ وہ عموماً "ایک ہی رکعت وتر پڑھتے پڑھاتے ہیں اور وہ یہ بھی لکھ کر دے چکے ہیں کہ بحث فیہ اس روایت کے الفاظ (فی رمضان ولا فی غیرہ) ہی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً "اسے بارہ مہینے ہی ادا کرتے تھے" (ملخصاً)۔ (ملاحظہ ہو گالی نامہ صفحہ ۹)۔ جس سے یا تو ان کی یہ دلیل غلط ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر ان کا دعویٰ غلط قرار پاتا ہے۔

علاوہ ازیں اسی روایت میں یہ بھی ہے "یصلیٰ اربعاً (الی) ثم یصلیٰ اربعاً"۔ جس کا خصوصاً غیر مقلدی اصول کے مطابق خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ آپ یہ آٹھ رکعتیں دو سلاموں سے (چار چار کر کے) پڑھتے تھے۔ جبکہ غیر مقلدین تراویح دو دو کر کے دو سلاموں کی بجائے چار سلاموں سے پڑھتے ہیں۔ پس بتایا جائے کہ عمل بالنسہ کی ٹھیکیداری کے دعویٰ کے باوجود اس پر من و عن عمل نہ کرنے میں کیا حکمت ہے اور آپ کی بعینہ سنت مبارکہ پر بعینہ عمل کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟

خلاصہ یہ کہ اس حدیث کو اگر غیر مقلدین اپنی دلیل سمجھتے ہیں تو اس پر پوری طرح عمل بھی کریں۔ کچھ کو مانیں کچھ سے انحراف کریں، افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض الکتاب کی دوغلہ پالیسی کی اجازت ہرگز نہ دی جائے گی۔ دلیل ہے تو اسے مکمل طور پر مانیں۔ دلیل نہیں تو اس کے غلط ہونے کا اعتراف کریں۔ اب یہ کریں یا وہ؟ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

۵۔ جلا کر رکھ نہ کروں تو داغ نام نہیں

۴۱ رکعات کی توجیہ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:-

ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقی جائزہ" میں مؤلف کی آٹھ تراویح کے مزعوم

ثبوت کی چوتھی اور آخری دلیل کے جواب کے ضمن میں کہا تھا کہ ”اہل مدینہ اور امام مالک‘ وتر اور اس کے بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات تراویح کے قائل ہیں“ او اس کے لئے مجموعی طور پر جامع ترمذی ج ۱، صفحہ ۹۹۔ الخاوی للفتاویٰ ج ۱، صفحہ ۳۳۸، قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ اور بدایۃ المجتہد نیز المدونۃ الکبریٰ کا حوالہ پیش کیا تھا ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷) یہ بحث اگرچہ رسالہ کے آخر میں تھی تاہم موقع کی مناسبت سے ہم اسے یہاں لا رہے ہیں اس کا صحیح توڑ یا علمی اور تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے مؤلف نے حسبِ عادت اس پر بھی خواہ مخواہ کی بے جا ہٹ کر کے اور جھوٹ بول کر اپنے جاہل عوام کو خوش کر کے ان سے دادر تحسین اور واہ واہ کے وصول کرنے کی بدترین کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس نے فضول طوالت کے بعد بطور خلاصہ فقیر کے متعلق لکھا ہے :

”اس عبارت میں اس نے تین جھوٹ بولے (۱) امام مالک کا اکتالیس رکعات تراویح وتر سمیت پڑھنا جب کہ قیام اللیل میں ۳۹ رکعتیں مذکور ہیں۔ (۲) امام مالک کا تین وتر پڑھنا جب کہ قیام اللیل میں ایک وتر مذکور ہے۔ (۳) امام مالک کا وتر کے بعد دو نفل پڑھنا جب کہ ان دو نفلوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ دیکھو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ اور ترمذی میں امام مالک کے متعلق کچھ مذکور نہیں جب کہ یہ مولوی ترمذی کا حوالہ بھی دیتا ہے اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۴۸-۴۹)

جو سراسر کذب و افتراء‘ جھوٹ اور بہتان یا پھر اس کی جہالت‘ یا تجاہل عارفانہ ہے‘ ہم نے یہ قطعاً نہیں لکھا کہ ہمارے اس بیان کی ایک ایک شق محولہ کتب میں سے ایک ایک میں موجود ہے بلکہ ہم نے مجموعی حیثیت سے ان کا نام حوالہ کے طور پر پیش کیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے اس پورے بیان کے بعد بطور حوالہ سب کا نام اکٹھے لکھا تھا (جیسا کہ اوپر گزرا ہے) جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے اس بیان کی کوئی نہ کوئی شق ان کتب میں سے کسی نہ میں موجود ہے جو

بالکل درست اور بجا ہے۔ محولہ کتب کے متعلقہ صفحات کھول کر اس کی متعلقہ تمام عبارات یک جا کر کے دیکھ لیں پھر بھی ان کی کوئی بات رہ جائے تو ہم اس کے جواب وہ ہیں مگر اتنی مشقت اٹھانے کی مؤلف کو کہاں توفیق۔ اسے گالی گلوچ‘ کذب بیانی اور لاف زنیوں اور بدھکیں مارنے بھی فرصت ملے تو حوالہ جات چیک کرنے کے لئے اصل کتابیں کھول کر دیکھے۔ پھر خود تو مفتی‘ کذاب اور اول درجہ کا جھوٹا ہے دوسروں کے متعلق بھی بے سوچے سمجھے فوراً یہ فیصلہ صادر کر دیتا ہے کہ وہ بھی اس کی اس فن کی ماہر برادری سے تعلق رکھتے ہوں گے۔

رکعات وتر کے بارے میں امام مالک کا علی التحقیق مذہب یہ ہے کہ آپ اس کی تین رکعت ہونے کے قائل تھے جیسا کہ ابھی سطور بالا میں ان کی اپنی فقہ کی کتابوں (بالفاظ دیگر فقہ مالکی کے پیرو کار اور ان کے مذہب کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھنے والے علماء امام ابن عبدالبر اور امام ابن رشد کی کتابوں التہمید اور بدایۃ المجتہد وغیرہا) کے حوالہ سے گزر چکا ہے جب کہ ہم نے بطور حوالہ بدایۃ المجتہد کا نام بھی لکھا تھا۔ مؤلف نے جس کتب قیام اللیل کا حوالہ پیش کر کے امام مالک کو ”ایک وتر“ کا قائل بتایا ہے۔ اولاً وہ کسی مالکی عالم کی کتاب نہیں کہ وہ فقہ مالکی کا ماہر ہو بلکہ وہ شافعی مقلد کی تصنیف ہے۔ پھر ثانیاً اس میں بھی لکھا ہے کہ امام مالک وتر سمیت ۳۹ رکعات تراویح کے قائل تھے جس کا مؤلف کو بھی اقرار ہے اور ہم التہمید وغیرہ کتب مالکیہ سے اس کی تشریح لکھ آئے ہیں کہ ان ۳۹ رکعات میں ۳ رکعتیں وتر کی ہیں۔ پس یہ کہنا کہ قیام اللیل میں ۳ رکعات کی نفی اور ایک کا اثبات ہے یہ مؤلف کا زبردست تاریخی جھوٹ ہے۔ باقی رہی قیام اللیل میں وہ روایت جس میں امام مالک کو ایک وتر کا قائل ظاہر کیا گیا ہے۔ اولاً اس میں اس کی سند مذکور نہیں مؤلف اس کی مکمل سند پیش کرے انشاء اللہ روایتی پہلو کی بحث کے حوالہ سے مؤلف کا دماغ ٹھکانے لگا کر اس کی طبیعت صاف کر دیں گے۔ بر تقدیر تسلیم وہ مرجوح اور مغل ہے کہ ان

کی اپنی فقہ کی کتب کی تصریحات کے خلاف ہے (وصلاً بیت اور ای ہما فیہ) نیز یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ تین رکعات وتر میں سے دوسری پر سلام پھیر کر اس کی تیسری رکعت کو پڑھنے کے قائل ہوں جیسا کہ بعض سلف کا مذہب ہے جو ہمیں قطعاً مضر نہیں کیونکہ وہ مجتہد تھے اور ہم پر حجت بھی نہیں کہ ہم امام اعظم کے مقلد ہیں۔ اس تقدیر پر بھی وتر وہی تین رکعات ہی ہوئے فرق صرف ادائیگی کی نوعیت کا ہوا وہو لا یضرنا۔ پس یہ روایت بھی مؤلف کو کسی طرح مفید نہ ہوئی۔ قال العینی وکانہ جمع رکعتین من الوتر مع قیام رمضان والا فالمشہور عن مالک ست وثلثون والوتر بثلاث والعدد واحد اھ (عمدة القاری ج ۱، صفحہ ۱۳۶۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۷۳) رہا یہ کہنا کہ ترمذی میں امام مالک کے متعلق کچھ مذکور نہیں نیز ان کا وتروں کی بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات کا قائل ہونا بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ قیام اللیل میں ۳۹ رکعتیں مذکور ہیں؟

تو یہ بھی مؤلف کی تلبیس شدید اور سخت جھوٹ ہے اولاً ہم نے خاص امام مالک کا نام لے کر ترمذی کا حوالہ ہی کب دیا تھا۔ ثانیاً غلط یہ بھی نہیں کیونکہ دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ امام مالک اہل مدینہ سے ہیں ان کی پوری زندگی مسجد نبوی شریف میں قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزری اور آپ نے اپنے مذہب کی بنیاد بھی عمل اہل مدینہ پر رکھی تھی۔ جیسا کہ ان کی مشہور زمانہ کتاب ”موطا“ وغیرہ کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے جس سے مؤلف بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جامع ترمذی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے ”واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدى واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل علی هذا عندهم بالمدينة“ یعنی رکعات تراویح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے پس ان میں سے بعض نے فرمایا کہ وتر سمیت تراویح کی ۴۱ رکعات پڑھنی چاہئیں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مدینہ

منورہ میں انہی کا یہ قول معمول بہ ہے۔ ملاحظہ ہو :- (جامع ترمذی جلد ۱، صفحہ ۹۹ طبع رشیدیہ دہلی) نیز قیام اللیل صفحہ ۱۵۸ میں داؤد بن قیس مدنی اور امام نافع مدنی کی روایت سے بھی اہل مدینہ کا مع الوتر ۳۹ رکعات کا قائل ہونا مذکور ہے۔

پس جب اہل مدینہ (جن میں امام مالک بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی مدنی ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد بھی عمل اہل مدینہ پر ہے وہ سب) ۴۱ رکعات مع الوتر کے قائل ہیں جن میں سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر ہیں جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے اور مؤلف کو بھی اس کا اقرار ہے۔ اور باقی دو رکعتیں نہ تراویح میں شامل ہیں نہ وتروں میں تو یہ دو رکعت وتروں کے بعد والی نہیں تو مؤلف ہی بتائے کہ آخر یہ کون سی دو رکعتیں ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی احادیث صحیحہ کثیرہ سے وتر کے بعد والی دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ پس اس سے متعین ہو گیا کہ اکتالیس کے عدد کو پورا کرنے والی وتر کے بعد والی یہی دو رکعتیں ہی ہیں ورنہ مؤلف کسی مستند کتاب کے کسی مستند حوالہ سے بتائے کہ یہ رکعتیں کون سی تھیں۔

کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

شاید ہمارے قارئین اس پر اظہارِ تعجب فرمائیں کہ آخر مؤلف سے یہ چوک یا عدا“ غلطی کیسے ہوئی؟ تو اس کی وضاحت بھی مؤلف نے فرمادی ہے جس پر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :- ”اندھے کو سورج کیسے نظر آئے“ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۳) نیز اسی کے صفحہ ۴۶ پر ذرا کچھ تفصیل سے ارشاد فرماتے ہیں :- ”اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سورج چڑھنے اور نکلنے کے باوجود آلو اور چمگاڑ کی نظر کام نہ کرے، ان کو سورج نظر نہ آئے یا اسے دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں تو سورج کا کیا قصور؟ یا دوسری مخلوق ان دونوں کو سورج کیسے دکھائے؟ ورنہ اس کا سورج تو چڑھا ہوا ہے“ اھ۔ فرمائیے مزاج کیسے ہیں؟

جھوٹ یا کم فہمی کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے ہماری دو عبارتوں میں تعارض ظاہر کرتے ہوئے اس مقام پر لکھا ہے :- اپنے رسالہ کے صفحہ ۳ پر امام مالک کا ہمیشہ بیس رکعت تراویح پڑھنا لکھتا ہے اور اسی کے صفحہ ۲۵ پر امام مالک کا وتر سمیت اکتالیس تراویح پڑھنا لکھتا ہے۔ دیکھو اپنی پہلی بات کی خود ہی تردید کرتا ہے "اھ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ

(۲۸

جو اس کا زبردست جھوٹ یا پھر اس کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری جس عبارت کے حوالہ سے اس نے یہ جھوٹ بولا ہے وہ اس طرح ہے :- صحابہ و تابعین اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجہ ضعف سے اٹھا کر قوت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے اھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۵)

غور فرمائیں ہماری اس عبارت میں "ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا" دو شقیں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ (۱) بیس تراویح پر عمل کرنا۔ (۲) بیس سے کم پر راضی نہ ہونا۔ جو اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ ان ائمہ مذکورین میں سے بعض کا مذہب ۲۰ تراویح ہے اور بعض اس سے زائد کے قائل ہیں اور یہ شق بھی محض اسی لئے رکھی گئی تھی جب کہ پوری عبارت کا یہ مقصد تھا کہ سلف صالحین میں آٹھ تراویح کا قائل ہونا کسی ایک بھی امام سے بطریق شرعی صحیح ثابت نہیں۔ تعجب ہے کہ مؤلف خود کو بچانے کے لئے قدم قدم پر بار بار کتنے جھوٹ بول رہا ہے۔ پس کھوپڑی کسی کی اپنی خراب ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ بہر حال یہ اعتراض بھی مؤلف کی شدید کذب بیانی یا اس کی سخت نادانی کا نتیجہ ہے۔

بد زبانی اور کج فہمی کا پوسٹ مارٹم :-

ہم نے تحقیقی جائزہ میں مذکورہ بالا اکتالیس رکعات کی نوعیت بتاتے ہوئے لکھا تھا :- "یہ ۴۱ رکعات بھی دراصل ۲۰ رکعات ہیں وجہ یہ کہ اہل مکہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد طواف کعبہ کرتے تھے اہل مدینہ اس طواف کے بدلے چار رکعت نفل بغیر جماعت کے پڑھنے لگے اور اس میں ۳ رکعت وتر اور اس کی بعد کی دو رکعت نفل بھی شامل ہیں۔ اس طرح سے مطابق نقشہ ذیل یہ کل ۴۱ رکعتیں ہوئیں۔ نقشہ یہ ہے :- ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۴ تراویح۔ ۴ نفل۔ ۳ وتر۔ ۲ نفل = ۴۱" (اھ۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷-۲۸)

مؤلف سے اس کا کوئی تسلی بخش جواب یا اس کا توڑ بنا تھا نہ بن سکا اس لئے اس نے اپنی پرانی عادت کے مطابق بد زبانی اور اول قول کے ذریعہ بات آئی گئی کر دی۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :-

اس مولوی کی ایک اور مجبوظ الحواسی سیئہ یہ کہتا ہے کہ اکتالیس رکعات دراصل بیس رکعات ہی ہیں کیونکہ مکہ والے ہر چار رکعت کے بعد طواف کرتے تھے اور مدینہ والے ہر چار تراویح کے بعد چار نفل پڑھتے تھے گویا اس کے نزدیک نماز پڑھنا اور طواف کرنا دونوں ایک ہی چیز ہے "اھ بلفظہم ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۹) جو محض دفع وقتی کے سوا کچھ نہیں۔ اور گویا اس کے نزدیک اہل مکہ کر اس نے یہ غلط تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ یہ شاید ہم نے خود اپنی طرف سے بنا کر لکھا ہے جو افتراء عظیم ہے ہم نے یہ تفصیل لکھنے کے فوراً بعد بطور حوالہ یہ بھی لکھا تھا :- "ملاحظہ ہو (الحاوی للفتاویٰ جلد ۱، صفحہ ۳۴۸ طبع مصر) اھ۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۸)

مذکورہ کتاب علامہ سیوطی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس کی اصل عبارت اسی طرح ہے :- "انھا تستحب لاهل المدینة سنا و ثلاثين ركعة

تشبیہا باہل مکہ حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافاً ویصلون رکعتیہ ولا یطوفون بعد الخامنۃ فاراد اہل المدینۃ مساواتہم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات " اہ ملاحظہ ہو (الجاوی للفتاویٰ ج ۱، صفحہ ۳۲۸)

جب کہ بعینہ یہ بات خود مؤلف کے کئی پیشواؤں نے بھی لکھی ہے جو عند اللہ دیکھا جاسکتے ہیں۔ پس یہ گالیاں اس نے دراصل ہمیں نہیں بلکہ اسلاف سمیت اپنے ان بزرگوں کو دی ہیں۔ اور اس کا یہ اعتراض بھی درحقیقت انہی پر لوٹ رہا ہے کہ "گویا نماز پڑھنا اور طواف کرنا دونوں ایک ہی چیز ہیں۔" پس حقائق پیش کرنا محبوظ الحواس نہیں بلکہ حقائق کا انکار کر کے اول قول کے ذریعہ حق پوشی کرنا ہی محبوظ الحواس ہے۔ اس نے تو ہمیں گالی دی تھی مگر مؤلف اس مقام پر قدرتی طور پر صحیح معنی میں محبوظ الحواس ہو گیا ہے۔ جس کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ "دونوں ایک چیز ہیں" کی بجائے اس نے "دونوں ایک چیز ہے" لکھ دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں وہ اتنا محبوظ الحواس ہو گیا ہے کہ اسے اتنا بھی خبر نہیں رہی کہ دو کے لیے "ہیں" لکھنا ہے یا "ہے" لکھنا ہے۔ نیز ہمارے رسالہ کے ابتدائی صفحات والی مذکورہ عبارت اس کے صفحہ ۵ پر تھی مگر مؤلف کی محبوظ الحواس دیکھیے کہ اس نے اس کے لیے اس کے صفحہ ۳ کا حوالہ دیا ہے۔ پھر بھی یہ محبوظ الحواس ہمیں ہی طعنہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:- معلوم ہو بھی کیسے کیونکہ تقلید کی نحوست سے مقلد عقل و شعور جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے ایک دو اور بے شمار کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اہ (صفحہ ۱۳)

ہ آپ ہی اپنی جفاؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے مغالطہ کا پوسٹ مارٹم:-

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیر بحث روایت کے دربارہ تجدد ہونے اور اس کے تراویح سے متعلق نہ ہونے کی ایک دلیل "تحقیقی جائزہ" میں ہم نے یہ پیش کی تھی کہ:- "اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا مگر وہ بھی آٹھ رکعات کے قائل نہیں یہ بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس روایت کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں" اہ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۲)

مؤلف نے کج بحثی سے کام لیتے ہوئے کتب فقہ حنبلی کے حوالہ سے اس کا کوئی تسلی بخش جواب دینے کی بجائے بے ربط سی بھدی عبارت میں اتنا لکھا ہے کہ:- "امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس تراویح کی تعداد میں تقریباً چالیس مذاہب ہیں اور یہ نقلی عبادت ہے یعنی اس میں وسعت ہے تنگی نہیں یعنی نقل سمجھ کر کوئی جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے البتہ سنت قرار دے کر اتنی ہی پڑھے گا جتنی ثابت ہے (الی) تم سے ہمارا جھگڑا بھی سنت کے بارے میں ہے ورنہ عام نفلوں کی زیادتی سے ہم کسی کو نہیں روکتے (الی) لیکن ان کو سنت نہ کہے جس طرح تم ہیں رکعتوں کو سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے ہو جو کہ رسول اللہ ﷺ پر صریح بہتان ہے کیونکہ آپ نے ساری زندگی میں کسی رات بھی بیس رکعتیں نہیں پڑھیں نہ منفرداً" اور نہ ہی جماعت کی صورت میں " اہ ملخصاً" بلفظہ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۳-۱۵)

اقول:-

اولاً بر تقدیر تسلیم نقل عبارت اور اس کے ترجمہ نیز "یعنی" کہہ کر اس کی پیش کی گئی خود ساختہ تشریح میں مؤلف نے جھوٹ خیانت اور جہالت سے کام لے کر کئی ہیرا پھیریاں کی ہیں اسی لیے اس کا کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا تاکہ بآسانی اس کی یہ چوری نہ پکڑی جاسکے۔ مگر تاڑنے والے قیامت کی نگاہ

رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ پوری عبارت جس میں اس نے قطع و برید سے کام لے کر اس مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کیا ہے، اس طرح ہے: ”وقال احمد روى فى هذا الوان لم يقض فيه بشئ“ (ملاحظہ ہو جامع ترمذی عربی ج ۱، صفحہ ۹۹ طبع دہلی) و بلفظ ”قد قيل فيه الوان نحو“ من اربعين انما هو تطوع“ (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۹)

اسی عبارت میں ”لم يقض فيه بشئ“ کے الفاظ موجود ہیں جو مؤلف کے لیے زہر قاتل سے کم نہ تھے اس لیے مؤلف نے اپنی عافیت اور بے چاری ”غیر مقلدیت“ کی بقاء اس میں سمجھی کہ انہیں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور صاف اڑا گئے کیونکہ ان کا واضح مفہوم یہ ہے کہ رکعات تراویح کی تعداد کے بارے میں کسی بھی صحیح اصطلاحی مرفوع حدیث میں فیصلہ نہیں پایا جاتا جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ روایت ام المؤمنین کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں ورنہ انہیں ”لم يقض فيه بشئ“ کے کہنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ خود اس کے راوی بھی ہیں۔ پس یہ عبارت مؤلف کے لیے درحقیقت وبال جان اور ”فر من المطر واستقر تحت الميزاب“ کی آئینہ دار ہے (یعنی بارش سے بھاگا پرنا لے کے نیچے آکھڑا ہوا)

جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے مؤلف نے ایک کذب بیانی یہ کی ہے کہ ”سنت سمجھ کر اتنی پردھے جتنی ثابت ہے“ ”ورنہ عام نفلوں کی زیادتی ہے ہم کسی کو نہیں روکتے“ جو اس کا اس صدی کا دیدہ دلیرانہ سخت جھوٹ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ غیر مقلدین کا نعرہ یہ ہے کہ جو چیز قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ سے بعینہ صریحاً اور ہیئت کذائیہ ثابت نہ ہو وہ بدعت مذمومہ ہے جسے محض اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے اور اسے دھوکہ دینے کی غرض سے یکسر بدل دیا اور اس سے بالکل متغیر ہو گئے (جس کی مکمل تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے (فیلاحظہ) اگر مؤلف اس کا قاتل ہے تو وہ اہل سنت کے بے شمار معمولات کو

محض بعینہ غیر وارد اور ہیئت کذائیہ غیر ثابت ہونے کی بناء پر وہ انہیں بدعت سیئہ اور بدعت مذمومہ کیوں کہتا ہے؟ ہم اس حوالہ سے یہ بات مؤلف کی جماعت کے علم میں دے کر اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس ہوائی مولوی کی دوغلہ پالیسی کا نوٹس لیتے ہوئے اس کا سخت ایکشن لے۔ وہ انہیں کچھ اور ہمیں کچھ کہہ کر ”لا الہ الا ہولاء ولا الہ الا ہولاء“ مظاہرہ کر کے ہم دونوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

یع ہم سے کچھ اوروں سے کچھ دربان سے کچھ
ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

علاوہ ازیں اس عبارت میں ”انما هو تطوع“ کے لفظ بھی ہیں جس سے مؤلف کے آٹھ تراویح کی مسنونیت کے دعویٰ کی صراحت نفی ہوتی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کہ تراویح تو محض ایک نقلی عبادت ہے جب کہ ہر نفل کا مسنون ہونا لازم نہیں اور بتاورا“ بھی اس کا اطلاق محض غیر مسنون نفل پر کیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ مؤلف نے اسے اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے سمجھ لیا۔ پس مؤلف اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اسی عبارت کے حوالہ سے مسنون اور غیر مسنون کی تقسیم کر کے اس پر اپنے اس بے بنیاد دعویٰ کی بنیاد رکھنا بناء الفاسد علی الفاسد اور اپنی طرف سے محرفانہ اضافہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ عبارت اگر صحیح ہے تو اس سے ۲۰ تراویح کا بھی صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو بقول مؤلف اپنی چالیس مذاہب میں سے ہے جنہیں بر تقدیر تسلیم امام احمد بن حنبل نے درست اور صحیح قرار دیا ہے جب کہ مؤلف کے خانہ ساز مذہبی اصول کی رو سے ۲۰ تراویح بدعت ہے

ع بیس تفاوت کہ راہ از کجا است تا کجا

علاوہ ازیں اس عبارت سے مؤلف اور اس کی کمپنی کے اس پروپیگنڈے

کی بھی تغلیط ہو جاتی ہے کہ بیک وقت چار مذہب کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں ایک ہی وقت میں چار صحیح نہیں ہو سکتے تو چالیس کیسے اور کیونکر درست ہو سکتے ہیں؟ پس اگر یہ عبارت غلط ہے تو چشم مارو سن دل ما شاد۔ صحیح ہے تو اہل سنت کے مذاہب اربعہ مقبوعہ بھی برحق ہوئے۔ جو آسان ہو اسے اختیار فرمائیں۔

پھر بر تقدیر تسلیم اس عبارت کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ آٹھ تراویح کی مسنونیت کا عقیدہ بھی درست ہے بلکہ اس میں مذکور چالیس مذاہب کا تعلق ہیں یا اس سے زائد تراویح سے ہے کم سے نہیں کیونکہ آپ سچے پکے سنی بلکہ امام اہل سنت ہیں اگر آٹھ تراویح مسنون ہوتی تو آپ اسے سختی سے اختیار فرما لیتے اور اتنی ڈھیلی رسی نہ دیتے جب کہ آپ بھی جمہور کی طرح ۲۰ تراویح کے قائل ہیں جس کی تصریح غیر احناف کئی علماء کی تصانیف جلیلہ میں بھی ہے چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی کی معرکہ الآراء کتاب بدایۃ المجتہد (جو مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کے مدرسہ میں اب شامل سلیبس ہے اس) میں ہے :-
فاختار مالک فی احد قولیه وابو حنیفۃ والشافعی و احمد و داؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر " یعنی ایک روایت کے مطابق امام مالک نیز امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور داؤد ظاہری کا مختار مذہب یہ ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ بیس رکعات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

نیز فقہ حنبلی کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین (جسے غیر مقلدین مسئلہ رفع یدین کے حوالہ سے عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے من و عن حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بتاتے اور بڑے زور و شور کے ساتھ اس کا حوالہ پیش کرتے ہیں اس) میں ہے :- "وصلوة التراويح سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی تراویح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹۳ طبع قمر سعید لاہور) نیز اسی میں (صفحہ ۳۹۶ پر ہے) :- وہی عشرون رکعة " یعنی تراویح

بیس رکعات ہے اھ۔

اگر اس کتاب کا رفع یدین والا مقام معتبر ہے تو اس کا تراویح کا یہ مقام کیوں معتبر نہیں ہے؟ "بیٹھا بیٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو؟" نہایت درجہ ظلم کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین نے اس کتاب کے اپنے شائع کردہ ایک اردو ترجمہ میں بیس تراویح کو آٹھ تراویح لکھ دیا ہے جو ان کی ایک اور جہودیانہ تحریف ہے فویل لہم مما کتبت ایدیہم وویل لہم مما یکسبون۔

عبارت کا صحیح محمل :-

نیز غیر حنفی عالم شارح بخاری علامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں :- وقال الحنابلة والتراویح عشرون ولا باس بالزیادة نصای عن الامام احمد " یعنی اس مسئلہ میں حنبلیوں کا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جب کہ ان کے نزدیک بیس سے زائد تراویح کا پڑھنا بھی درست ہے جو امام احمد بن حنبل سے منصوص ہے۔ (ملاحظہ ہو :- (ارشاد الساری جلد ۳، صفحہ ۳۲۷ طبع بیروت)

امام قسطلانی کی اس باطل سوز عبارت نے امام احمد بن حنبل سے منسوب زیر بحث قول کی مؤلف کی خود ساختہ مذکورہ بالا تشریح کی فضا میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور اس کے پرچے اڑا کر اس سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کو واضح کر دیا ہے کہ جہاں آپ نے مقررہ مقدار سے زائد تراویح کے پڑھنے کی اجازت دی ہے اس سے آپ کی مراد بیس تراویح ہی ہے بیس سے کم ہرگز نہیں۔ جس سے مؤلف کی مغالطہ دہی اور دجل و تلحیس کا راز بھی کھل کر سامنے آگیا ہے واللہ الحمد۔

تراویح کو مؤکدہ کہنے پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم۔

رہا تراویح کو سنت مؤکدہ کہنے پر مؤلف کا لایعنی اعتراض؟ تو یہ بھی اس کی جہالت کا نتیجہ اور ہمارے مسلک کو نہ سمجھنے کی بناء پر ہے۔ ہم اسے سنت رسول ﷺ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی اصل آپ کے عمل سے ثابت اور اس کا ماخذ وہ احادیث صحیحہ کثیرہ ہیں جن میں آپ نے اس کی ترغیب دی ہے جیسے ”من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه“ وغیرہ (کما رواه الشيخان وغيرهما) نیز فتح الباری ج ۴ صفحہ ۲۹۷ یعنی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۷۸ میں ہے علامہ ابن بطلان نے فرمایا تراویح سنت نبوی ہے سنت عمری نہیں جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کیونکہ حضرت عمر نے وہی کچھ رائج فرمایا جو انہوں نے آپ ﷺ سے حاصل کیا۔ وہ کذا قالہ الامام الاعظم کما فی غیر واحد من الاسفار اھ اور مؤکدہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین بالخصوص محدث امت ملہم من اللہ ناطق بالحق، عامل علی الحق مروج سنن نبویہ، مراد رسول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام جیسے حضرت ابن مسعود نے اس پر پابندی کرائی اور علی التحقیق میں ہی مروج کی۔ اور آپ ﷺ نے خلفاء راشدین بالخصوص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین الحدیث یعنی میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر سختی سے عمل کرو۔ (کما رواه الامام احمد وغيره)

نیز فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر یعنی میرے بعد خصوصا ابو بکر و عمر کی پیروی کرو رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ وغیرہم عن حذیفہ و انس و ابن مسعود رضی اللہ عنہم) اس میں مذکور بعدیت زمانیہ و رتبہ دونوں کو شامل ہے۔ نیز فرمایا: تمسکوا بعہد

ابن مسعود عبداللہ بن مسعود کی سیرت کو اپناتے ہوئے اس کی پیروی کرو رضیت لامتی رواہ الترمذی وغیرہ رضیت لامتی مارضی ابن ام عبد میں نے اپنی امت کے لئے وہی پسند کیا جو اس کے لئے ابن مسعود نے پسند کیا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)۔ پس مؤلف کا ۲۰ تراویح کو سنت مؤکدہ کہنے پر اعتراض کرنا اس کی جہالت یا تجاہل اور کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ پھر اگر ہمارا اسے مؤکدہ کہنا درست نہیں تو مؤلف ایڈ کمپنی کا اسے پورے رمضان میں پڑھنا نیز اس میں قرآن مجید کا ختم کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام سے یہ امور بھی تو ثابت نہیں ہیں۔

”پس رکعتیں کبھی نہیں پڑھیں“ کا پوسٹ مارٹم۔

رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے ساری زندگی میں کسی رات بھی بیس رکعتیں نہیں پڑھیں نہ منفرداً اور نہ جماعت کی صورت میں؟ تو یہ بھی (۱) اس کی جہالت، قلت فہم، کم علمی یا تجاہل کا نتیجہ اور اس کا سخت جھوٹ ہے جس کی بنیاد محض اس زعم فاسد اور خیال کاسد پر ہے کہ آٹھ تراویح روایت ام المؤمنین وغیرہا صحیح احادیث سے ثابت ہے کیونکہ ہم نہایت ہی ٹھوس دلائل کی رو سے واضح کر چکے اور بطور لب لباب پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ”غیر مقلدین تراویح کے آٹھ رکعات ہونے کے ثبوت میں جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ یا تو اصول حدیث کی روشنی میں صحیح نہیں ہیں۔ یا صحیح ہیں تو تراویح سے ان کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کا بیان ہے الغرض تراویح کے آٹھ رکعات ہونے کا کوئی صحیح اور مستند ثبوت نہیں ہے“ اھ ملاحظہ ہو۔ (تحقیق جائزہ صفحہ ۵) جس کی مکمل اور سیر حاصل بحث مع مالہ و ما علیہ رسالہ ہذا میں گزر چکی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ تا صفحہ)

حدیث مرفوع سے بیس کا ثبوت :-

(۲) صحیح یہ ہے کہ بیس تراویح رسول اللہ ﷺ سے ایسی مرفوع حدیث سے ثابت ہے جو مقبول و معتبر اور مانع فیہ کے اثبات کی دلیل بننے کی صالح ہے جس کی کچھ تفصیل ”تحقیق جائزہ“ میں گزر چکی ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ تا صفحہ ۵) مزید بحث عنقریب آ رہی ہے اور وہ حسب ذیل ہے :- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر ”یعنی صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک (کی راتوں) میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ ملاحظہ ہو :- مصنف ابن ابی شیبہ عربی جلد ۲، صفحہ ۳۹۴ طبع کراچی۔ نیز مسند کشی۔ معجم بغوی۔ معجم کبیر طبرانی۔ بیہقی۔ تعلیق آثار السنن صفحہ ۲۵۴۔ (جیسا کہ تحقیق جائزہ میں ان کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں) مؤلف کو بھی اعتراف ہے کہ ”اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں بیہقی نے اپنی سنن میں جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ پر اور تمام نے اس حدیث کو ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان سے روایت کیا ہے“ ملاحظہ ہو :- (رسالہ مسئلہ تراویح) صفحہ ۶)

مذکورہ روایت ابن عباس پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے دونوں رسائل (مغالطہ نامہ اور گلی نامہ) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو رد کرنے کی غرض سے کتب اسماء الرجال میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے حوالہ سے اس کے ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان پر بعض محدثین کی جرحین اور بعض علماء احناف کے اقوال نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی سخت ضعیف، شدید مجروح، متروک

الحدیث ساقط اور جھوٹا ہے جس کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، امام شعبہ بن حجاج نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ پھر اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے مغالطہ نامہ (رسالہ مسئلہ تراویح) میں لکھا ہے :- ”لہذا یہ حدیث من گھڑت اور جھوٹی ہے کیونکہ اس کو ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان نے خود گھڑ کے حکم سے بیان کر دیا ہے“ اھ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۷)

نیز گلی نامہ میں لکھا ہے :- ”تو ایسے جھوٹے انسان کی روایت کے وضعی، بناوٹی اور جھوٹی ہونے میں کیا شک ہے وہ یقیناً جھوٹی ہے۔ صحیح احادیث کا انکار کرنا اور جھوٹی احادیث سے استدلال کرنا یہ کہاں کی مسلمانی ہے اھ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۔ جو مؤلف کی سخت فریب دہی، مغالطہ آفرینی، جھوٹ، خیانت، جہالت پر مبنی اور اس کے دجل و تلیس اور ہیرا پھیری پر مشتمل ہے جو ہمیں قطعاً کچھ مضر اور اسے کسی طرح کچھ مفید نہیں بلکہ درحقیقت اس کے لئے وبال جان ہے کیونکہ :-

جواب نمبر ۱: مجرمانہ خیانت :-

مؤلف نے جن دو کتب (میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب) سے مذکورہ راوی پر جرحیں نقل کی ہیں اس نے ان سے محض اپنے من مانے جملے نقل کر دیئے ہیں اور مجرمانہ خیانت اور جہودیانہ تحریف کا ارتکاب اور ”میٹھا پپ“ کروا تھو“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں محدثین کے ان الفاظ کو وہ صاف اڑا گیا ہے جن سے اس کی کی توثیق ثابت ہوتی تھی جب کہ اس نے انہیں نقل کرنے کے بعد ”ملخصاً“ وغیرہ ایسے الفاظ بھی نہیں لکھے جو اس امر کی وضاحت کرتے ہوں کہ اس نے بقدر ضرورت ان کی عبارات کا خلاصہ لیا ہے بلکہ انہیں نقل کرنے کے بعد بڑی دیدہ دلیری سے لکھ دیا ہے کہ ”اس کا ترجمہ دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۱، صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۷، ۴۸“

ملاحظہ ہو :- (گلی نامہ صفحہ ۱۳) جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس نے ان سے مکمل عبارت کا مکمل خلاصہ لیا ہے۔ حالانکہ اسی ”تہذیب التہذیب“ میں اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے :- قال یزید بن ہارون ما قضا علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ “یعنی امام یزید بن ہارون (امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما اصحاب ستہ کے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ ہیں جنہیں اسی تہذیب التہذیب میں بھی ثقہ، ثبت، حافظ، متقن، احفظ، اتقن اور عابد نیز یہ لکھا ہے کہ بعض اوقات ان کی محفل میں ان کی مستفیدین تلامذہ وغیرہم کی تعداد ستر ہزار کو پہنچ جاتی تھی اور وہ زیر بحث راوی ”قاضی واسط ابو شیبہ“ کے شاگرد اور کاتب یعنی ریڈر بھی ہیں (انہوں نے ابو شیبہ کے بارے میں فرمایا :- میں نے ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر عادلانہ فیصلہ کرنے والا کوئی بھی نہیں دیکھا۔ ملاحظہ ہو (جلد ۱، صفحہ ۱۳۶)

نیز اسی میں اسی صفحہ پر لکھا ہے :- وقال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ “یعنی (مشہور نقاد محدث) ابن عدی نے کہا اس کی احادیث صالح ہیں اہ نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے ابن عدی نے یہ بھی کہا ”ہو خیر من ابراہیم بن ابی حنیۃ“ یعنی وہ ابراہیم بن ابی حنیۃ سے افضل اور بہت اچھا ہے۔ جب کہ لسان المیران (ج ۱، صفحہ ۵۳) میں ہے امام یحییٰ بن معین نے فرمایا :- ”شیخ ثقہ کبیر“ یعنی وہ بہت بڑی شان کے مالک ثقہ شیخ ہیں۔ پس جب ابو شیبہ اس سے بہتر ہیں تو وہ اس سے زیادہ ثقہ ہوئے۔

نیز صاحب تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب فتح الباری میں انہیں الحافظ لکھا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :- ”ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان العنابی الحافظ“

جواب نمبر ۴ :- ایک اور خیانت :-

راوی مذکور کو زبردستی جھوٹا بنانے کے لیے جنگ مصفین کے حوالہ سے میزان الاعتدال کے صفحہ ۴۷ سے اس کی جو روایت نقل کی ہے اسی صفحہ پر صاحب میزان علامہ ذہبی نے اس کے مقرض قائل کا سخت مذاق اڑایا ہے (جس کی تفصیل جواب نمبر ۳ کے تحت آرہی ہے) مگر محرف مؤلف نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے اسے صاف اڑا دیا ہے جو اس کی ایک اور مجرمانہ خیانت ہے۔

ع خود بدلتے نہیں، قرآن بدل دیتے ہیں

جواب نمبر ۳ :- اصل عبارت :-

مؤلف نے ازراہ جھوٹ و خیانت جس قول کی بناء پر راوی مذکور کو جھوٹا ظاہر کر کے زیر بحث روایت ابن عباس کو جھوٹی اور من گھڑت قرار دینے کی ملعون و مذموم کوشش کی اور یہ گھناؤنا اقدام کیا ہے، اس کے اصل لفظ یہ ہیں :- چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں (صفحہ ۱۳۶ پر) ہے :- ”وکذبہ شعبۃ فی قصۃ“ یعنی شعبہ نے ایک قصہ میں اس کی تکذیب کی ہے اھ۔

اور وہ قصہ میزان الاعتدال جلد ۱ میں (صفحہ ۴۷ پر) اس طرح مذکور ہے :- کذبہ شعبۃ لکونہ روی عن الحكم بن ابی لیلیٰ انه قال شهد صفین من اهل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللہ لقد ذاکرت الحكم فما وجدنا شهد صفین احدا من اهل بدر غیر خزیمة“ یعنی شعبہ نے اس کی تکذیب کی جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حکم سے حکم نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جنگ مصفین میں ستر بدری صحابہ کرام شریک تھے۔ تو شعبہ نے کہا قسم بخدا یہ اس کی غلطی ہے میں نے خود حکم سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا تھا کہ جنگ مصفین میں بدری صحابہ کرام میں سے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی شریک نہیں تھا اھ۔

علامہ ذہبی خود شعبہ کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کے فوراً بعد فرماتے ہیں :- قلت سبحان اللہ اما شہدہا علی اما شہدہا عمار یعنی میں کہتا ہوں سبحان اللہ تعجب ہے اگر یہ ابو شیبہ کی غلط بیانی ہے تو شعبہ نے کون سی صحیح بات کی ہے کہ اس میں صرف حضرت خزیمہ تھے۔ کیا جنگِ صفین میں حضرت علی موجود نہ تھے کیا اس میں حضرت عمار شریک نہ تھے؟ (جو دونوں بدری ہیں) اھ ملاحظہ ہو (ج ۱، صفحہ ۴۷ طبع سائنگلہ ہل)

یہ ہے وہ اصل اور مکمل عبارت جسے مؤلف نے محض اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے ادھورا نقل کیا اور توڑ موڑ کر پیش کیا ہے۔

۷ اتنا سی بات تھی اندیشہ عجم نے جسے بڑھا دیا فقط زیب داستان کے لیے

رہے اس میں ”کذب واللہ“ کے الفاظ؟ تو یہ محض تغلیط کے لئے ہیں حقیقی معنی میں تکذیب کے لئے نہیں جو اس معنی میں ایسے مروج ہیں کہ بعض مواقع پر خود بعض صحابہ کرام سے بعض صحابہ کرام کے بارے میں بھی مروی ہیں ولا یخفی علی لیبیب نیز امام مسجد نبوی، امام اہل مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب ”موطا“ (جسے بعض ائمہ سلف نے صحیح بخاری سے بھی مقدم اور اصح فرمایا ہے اس) میں ہے :- قال عبادة کذب ابو محمد ”اس کے بین السطور لکھا ہے :-“ای اخطار“ یعنی ابو محمد نے (اپنے اس بیان میں) خطا کی ہے۔ اگر اس قسم کی تحقیقی غلطی راوی کے واضح الحدیث ہونے کی دلیل ہے تو اس سے تو خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مبرا نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے محدثین نے اس موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ کر ان کی ایسی اغلاط کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ اس پر سخت احتجاج بھی کیا ہے جیسے امام ابن ابی حاتم اور امام دارقطنی وغیرہما کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں۔ علاوہ ازیں اگر اس قسم کی خطا سے ابو شیبہ کا واضح الحدیث اور کذاب

ہونا لازم آتا ہے۔ تو اس کی زد میں خود امام شعبہ بھی تو آجاتے ہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے اس کی طرف واضح اشارہ کر کے ان پر سخت چوٹ کی ہے۔ جسے مؤلف جیسا کوئی اہل الناس شخص ہی اپنے منہ پر لا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف نے ابھی تک تو اس کی مکمل سند بھی پیش نہیں کی تاکہ ہم مزید اس کی خبر لے سکیں۔ سچا ہے تو وہ ابو شیبہ سے منسوب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اس کی پوری سند پیش کرے اور بتائے کہ ابو شیبہ سے نیچے کا سلسلہ رواۃ کیا ہے اور وہ کون سے راوی ہیں جن کے ذریعہ صاحب میزان اور صاحب تہذیب التہذیب تک یہ روایت پہنچی؟ پس مؤلف کا اس بے بنیاد بات کے سہارے بحث فیہ روایت کو جھوٹی اور من گھڑت کہنا بذات خود اس کا بہت بڑا جھوٹ اس کی تلیس یا تجاہل ہے۔

جواب نمبر ۴: موضوع کی شرائط :-

کسی حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کے لیے قرآن و اسباب میں سے کسی قرینہ و سبب کا پایا جانا ضروری ہے جن کی تعداد حسب بیانِ محققین ”۱۵“ ہے (کما فی غیر واحد من اسفار هذا الفن) پس مؤلف اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے تو ان کی تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ یہ واضح کرے کہ اس کے موضوع و من گھڑت ہونے کا کون سا سبب و قرینہ ہے۔ دیدہ پاید۔

جواب نمبر ۵: وبطریق آخر :-

حسب تصریح اہل اصول راوی کے ”کاذب“ اور ”مہتمم با کذب“ ہونے میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے۔ مہتمم با کذب ہونا یہ ہے کہ ان یکون مشہورا بالکذب و معروفاً بہ فی کلام الناس ولم یثبت کذبہ فی الحدیث النبویہ یعنی وہ راوی عام بول چال میں کذب بیانی کرنے میں مشہور و معروف ہو اور حدیث نبوی ﷺ میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔ اور

”اس کے کاذب“ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ”ثبت کذبہ فی الحدیث النبوی ﷺ“ اما باقرار الوضع او بغیر ذالک من القرائن یعنی عدا ”قصداً“ اور جان بوجھ کر اور اپنی طرف سے بنا کر کسی ایسی بات کا نبی کریم ﷺ سے منسوب کرنا اس سے ثابت ہو جو آپ نے نہ فرمائی ہو جو یا تو خود اس کے واضع کے اقرار سے ثابت ہوگی یا دیگر معتبر قرائن میں سے کسی قرینہ کے ذریعہ۔ ملاحظہ ہو (مقدمہ شیخ صفحہ ۵ طبع قدیمی کراچی مشمولہ مشکوٰۃ)

وضع حدیث سخت کبیرہ گناہ اور اس کا واضع توبہ کے بغیر مرجائے تو قطعاً جہنمی ہے چنانچہ حدیث متواتر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار ”جو مسلمان مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو وہ (اس جرم کے باعث) اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھے۔“

پس زیر بحث روایت کو مؤلف کا بار بار جھوٹی من گھڑت اور بناوٹی کہنا اور اس جرم کو اس کے راوی ابو شیبہ پر ڈالنا قطعاً یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر محض اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر انہیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرتا تھا جو اس پر بہت بڑا الزام ہے جس کا بلا دلیل کسی بے گناہ مسلمان کو ذمہ دار ٹھہرانا بذات خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جب کہ اس کا کاذب ہونا تو کجا ہتہم یا کذب ہونا بھی کسی جرح مفتر اور دلیل صحیح سے ثابت نہیں (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرہان) لہذا مؤلف یا تو حسب اصطلاح محدثین اس کا مذکورہ بالا معنی میں کاذب ہونا ثابت کرے ورنہ اس افتراء و بہتان عظیم سے توبہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ یہ اعتراض یا تو مؤلف کی جہالت شدیدہ کا نتیجہ ہے کہ اسے ”حدیث موضوع“ کی تعریف ہی نہیں آتی۔ یا محض اس کے تعصب بے جا حییت اور اس کے ”مٹی جھوٹ“ یا اس کی ”مسماۃ خیانت“ کا آئینہ دار ہے۔

جواب نمبر ۶: متروک کہنا بھی غلط ہے :-

حسب تفصیل بالا راوی ”کاذب“ ہو تو اس کی روایت کو حسب اصطلاح ”موضوع“ اور اگر ”ہتہم یا کذب“ ہو تو اصطلاح میں اس کی روایت کو ”متروک“ کہا جاتا ہے ملاحظہ ہو (مقدمہ شیخ صفحہ نمبر ۵) پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ علیٰ الصحیح و عندا التحقیق ابو شیبہ موصوف کو متروک الحدیث اور اس کی روایت کو ”متروک“ کہنا بھی قطعاً غلط ہے کیونکہ اس کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا راوی عام بول چال میں جھوٹ بولنے کا عادی اور اس کے ارتکاب میں مشہور و معروف بھی ہو محض ایک آدھ بار کلام الناس میں جھوٹ بولنے سے بھی حسب اصطلاح اسے متروک کہنا بھی درست نہیں چہ جائیکہ اسے ”موضوع“ اور ”من گھڑت“ قرار دینے کی رٹ لگائی جائے (کما فعله المؤلف الجاہل) چنانچہ شیخ محقق علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں ”والذی یقع منه الکذب احیاناً نادراً“ فی کلامہ غیر الحدیث النبوی فذالک غیر مؤثر فی تسمیۃ حدیثہ بالموضوع او المتروک وان کانت معصیۃ“ یعنی حدیث نبوی ﷺ کے علاوہ عام بول چال میں اگر کسی راوی سے احیاناً اور نادراً جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے تو اگرچہ یہ گناہ ہے مگر اس کی بناء پر اس کی روایت کو موضوع یا متروک کا نام دینا پھر بھی قطعاً درست نہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۵)

جب کہ ہر سبیل تنزیل و بر تقدیر تسلیم جس واقعہ کی بناء پر ابو شیبہ کو متروک کہا گیا ہے وہ قطعاً نادر اور احیاناً ہے اور ایسی کوئی دلیل صحیح نہیں جس کے حوالہ سے اس کا کلام الناس میں کاذب ہونے میں مشہور و معروف ہونا ثابت ہو۔ پھر وہ واقعہ بھی ایسا ہے کہ جو خود ناقد پر ہاتھ صاف کر رہا ہے (کما مرانفا) جب کہ اسے صرف ”متروک“ کہا گیا ہے ”متفق علی ترکہ“ نہیں کہا گیا جن میں فرق عظیم ہے (کما فی مقدمۃ میزان الاعتدال)

جرح غیر مفسر ہے :-

پس شعبہ کے علاوہ جن جن محدثین نے اس غریب کو "متروک" کہہ دیا ہے تو اس کی بنیاد شعبہ ہی کے اس قول پر ہے جس کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے۔ اگر کوئی اور واقعہ ہے تو اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ کسی مائی کے لعل کے پاس ہو تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس اسے متروک کہنے کی یہ جرح غیر مفسر ہوئی۔ پھر چونکہ کسی راوی کا "متروک" ہونا اس کے ضعیف ہونے کو مستلزم ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جن بعض دیگر محدثین نے اس پر ضعیف ضعیف کی رٹ لگائی ہے تو وہ بھی محض اسی بناء پر ہے جب کہ اس کی کوئی اور وجہ بھی بیان نہیں کی گئی اور اس کا "الحافظ" اور "عدل الناس فی القضاء" ہونا بھی ائمہ شان کو تسلیم ہے (کما مرأفاً)

خلاصہ یہ کہ اسے ضعیف کہنا اسے متروک کہنے کی بناء پر ہے۔ اور متروک قرار دینا اس خاص واقعہ کے حوالہ سے ہے۔ اس سے قطع نظر کر لی جائے تو جرح مفسر نہیں رہتی جب کہ قادح فی العدالة جرح مفسر ہی ہے، جرح غیر مفسر قطعاً غیر معتبر ہے وقال النووی وغیرہ "لا یقبل الجرح الا مفسراً مبیین السبب" یعنی جرح محض وہی مقبول ہے جو مفسر ہو جس میں وجہ جرح بیان کی گئی ہو۔ ملاحظہ ہو (تقریب وغیرہ)

لہذا ہمارے جن علماء نے ابو شیبہ موصوف پر کی گئی جرحوں کو غیر مفسر مبہم اور غیر قادح کہا ہے وہ اپنے اس موقف میں قطعاً حق بجانب ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

ثرف نگاہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی :-

ہمارے اس بیان اور موقف کی تائید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے (جس سے آپ کی علم حدیث میں

ثرف نگاہی اور وقت و وسعت نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے) چنانچہ آپ نے اس حوالہ سے اپنا عطر تحقیق پیش فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے :-

"ابو شیبہ جد ابو بکر بن ابی شیبہ آن قدر ضعیف ندارد کہ اس روایت را مطروح مطلق ساخته شود الخ" یعنی ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ابو شیبہ (جو روایت ابن عباس کا راوی ہے) ایسا ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مطلقاً رد کر دیا جائے الخ۔ ملاحظہ ہو :- (فتاویٰ عزیزی فارسی صفحہ ۱۱۹ طبع کابل افغانستان) صدق رسولنا الکریم لو کان العلم عند الثریا لنا ولہ رجال الحدیث۔

جواب نمبر ۷ :- دیگر جرحوں کا پوسٹ مارٹم :-

علاوہ ہائیں مؤلف نے میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب سے ابو شیبہ موصوف پر جتنی جرحیں نقل کی ہیں، اس نے انہیں ان کے قائلین و ناقدین کی اصل کتب سے مع الاسف نقل کرنے کی بجائے محض مذکورہ کتب کے مؤلفین کی تقلید کرتے ہوئے پیش کی ہیں کیونکہ صاحب میزان ہوں یا صاحب تہذیب التہذیب دونوں خود ناقل ہیں ان میں سے کسی نے بھی ان اقوال کی سندیں ذکر نہیں کی ہیں۔ بالفرض اگر واقع میں ان میں سے کوئی سند یا جملہ اسناد صحیح بھی ہوں تو بہر صورت مؤلف پر اس صورت میں اس تقلید کا الزام تو ضرور آ رہا ہے جس کے خلاف اس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اسے بے عقلی، پاگل پن، نحوست، عقل و شعور سے محروم و عاری ہونا اور شرک فی الرسالة تک کہہ دیا ہے نیز گالی نامہ کے صفحہ ۲۷ پر انہوں نے اس قسم کی تقلید کے قائل کے لیے "مخبوط الحواسی اور بودم بے دالی" کے القاب بھی تجویز فرمائے ہیں جس سے انہوں نے "اپنا آئینہ اور اپنا چہرہ" کے طور پر اپنے لفظوں میں خود کو "مخبوط الحواس" اور "بودم بے دال" بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی کو اپنی چھری اور اپنی ناک کے بارکرت لفظوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مبارک باد۔

جواب نمبر ۸: ضعف سند، ضعف متن کو مستلزم نہیں :-

الغرض مؤلف کا اس حدیث کو موضوع کہنا اس کی سخت جہالت یا پھر اس کے تجاہل کا نتیجہ اور اس صدی کا اس کا بہت بڑا جھوٹ ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ باعتبار سند، ضعیف ہے کیونکہ اس کا کوئی راوی کاذب اور واضح الحدیث نہیں جب کہ کسی حدیث کا سند "ضعیف ہونا" متن حدیث کے ضعیف ہونے کو قطعاً مستلزم نہیں جس طرح صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں (کما صرحوہ) ورنہ مغل اور معلول کس چیز کا نام ہو گا؟

جواب نمبر ۹: دلیل صحت متن :-

اس حدیث کے متن کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ دیگر کئی مقبول اور معتبر اور صحیح احادیث اس کی مؤید ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :- کان رسول اللہ ﷺ یجتهد فی العشر الاواخر مالا یجتهد فی غیرہ " یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے بالخصوص آخری عشرہ میں عبادت الہیہ میں وہ مستعدی اور کوشش فرماتے تھے جو اس کے علاوہ میں نہیں فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو :- (صحیح مسلم جلد ۱، صفحہ ۳۷۲ طبع کراچی) اسی طرح دیگر متعدد کتب حدیث میں بھی ہے۔ زیادہ کوشش فرمانے سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت حدیث ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں انہی سے مروی ہے :- کان اذا دخل رمضان تغیر لونه و کثرت صلوٰۃ و ابتہل فی الدعاء و اشفق لونه " یعنی جب رمضان المبارک آتا تو آپ ﷺ کی نقلی نماز دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ ہو جاتی، آپ دعا میں ابتال فرماتے اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا رنگ مبارک شفق کی طرح ہو جاتا۔ ملاحظہ ہو :- (الجامع الصغیر للسیوطی جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۰۵ طبع لاہل پور نیز السراج المیر شرح الجامع الصغیر

المعروف عمیری جلد ۲ صفحہ ۶۳ بحوالہ شعب الایمان بہیقی طبع مدینہ منورہ)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "بجہد وغیرہ کے الفاظ کو بعض حضرات کا محض قیام کے لمبا کرنے پر محمول کرنا بلا دلیل اور اس حدیث کے منافی ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے :- حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "ثم دخل رحله فصلی صلوٰۃ لایصحبہا عندنا" ملاحظہ ہو :- (صحیح مسلم عربی ج ۱، صفحہ ۳۵۲ - نیز مسند احمد ج ۱، ص ۱۹۳ نیز قیام اللیل صفحہ ۱۵۴)

جس کی مکمل تفصیل 'حدیث جابر (ثمان رکعات) کے تحت آرہی ہے۔ ان سب کا مجموعہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ تراویح آٹھ سے زائد پڑھتے تھے جب کہ روایت ابن عباس نے اس ابہام کو دور کر کے واضح کر دیا کہ وہ بیس رکعات تھیں (وهو المقصود فالحمد لله الحمود)

ایک اور دلیل :-

اس حدیث (روایت ابن عباس) کے ازروئے متن صحیح ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اسے امت سے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے یعنی تمام ائمہ اسلام بالخصوص ائمہ اربعہ کا عمل اور فتویٰ اس کے مطابق ہے جو اس کے باعتبار اصل ثابت ہونے کی واضح دلیل ہے جب کہ ایسی صریح مرفوع حدیث اور بھی کوئی نہیں جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :- "یہ ہے صرف ایک مرفوع حدیث جو بیس تراویح کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے" اھ ملاحظہ ہو (رسالہ مسئلہ تراویح صفحہ ۷) پس اگر اسے ان کے عمل کی اصل نہ مانا جائے تو ان پر محض ایک بے اصل چیز پر عمل و اصرار کا الزام آئے گا جو قطعاً درست نہیں۔ چنانچہ ہم بقدر ضرورت اس کی وضاحت "تحقیقی جائزہ" میں بھی کر چکے ہیں - حیث قلنا "یہ روایت اگرچہ باعتبار سند اتنا قوی نہیں تاہم

و بطریق آخر :-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں بیس تراویح کو رائج فرمانا صحابہ و تابعین اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کا ہمیشہ بیس تراویح پر عمل کرنا اور بیس سے کم پر راضی نہ ہونا اسے درجہ ضعف سے اٹھا کر قوت کے اعلیٰ پائے میں پہنچا دیتا ہے "اھ۔ ملاحظہ ہو :- (تحقیقی جائزہ صفحہ ۵) اس کی تائید امام ترمذی کے ان بکثرت اقوال سے بھی ہوتی ہے جن میں آپ اپنی جامع میں احادیث کی تضعیف فرمانے کے بعد "والعمل علیہ عند اهل العلم" الخ وغیرہ کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جن سے ان کا مقصد معمول یہ ہونے کے حوالہ سے ان ضعیف احادیث کے قوی ہونے کو بیان کرنا ہے (کما فی المرقاة فی باب ما علی المأموم وغیرہا) نیز علامہ سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں :-

قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحديث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله اھ۔ نیز شرح نظم میں فرمایا :-

المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح اھ اسی طرح دیگر محدثین نے بھی فرمایا ہے۔

جواب نمبر ۱۰ :- ضعیف کب رد ہوتی ہے ؟ :-

علاوہ ازیں ضعیف حدیث اس وقت رد ہوتی ہے جب اس کے مقابلہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہو جو اس سے معارض ہو جب کہ کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں ہے جو اس سے معارض ہو۔ روایت ائمہ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (فی رمضان ولانی غیرہ) کو اس سے معارض سمجھنا کئی ٹھوس دلائل و براہین کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ وہ نماز تہجد کے بارے میں ہے جب کہ نماز تراویح اور نماز تہجد کا دو الگ نمازیں ہونا بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے (جس کی سیر حاصل بحث گزشتہ صفحہ میں گزر چکی ہے)

جواب نمبر ۱۱ :- ضعیف بھی بعد کا ہے :-

پھر بر تقدیر تسلیم اس کا ضعیف ہونا بھی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہما اسلاف رحمہم اللہ کے بعد کا ہے کیونکہ زیادہ تر متکلم فیہ رواۃ کا سلسلہ بعد کی چیز ہے جیسا کہ اس حوالہ سے شیخ محقق نے شرح سفر السعاده میں مبرہن

فرمایا ہے :- وغیرہ فی غیرہ) پس اس کا ضعف کچھ مضمر نہ رہا۔

جواب نمبر ۱۲: سنداً "ضعیف مطلقاً" رو ہے تو؟

اگر سند کے اعتبار سے ضعیف حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں بلکہ مطلقاً واجب الرد ہے تو غیر مقلد مؤلف بتائے کہ وارث کے حق میں وصیت کا غیر معتبر ہونا نیز جری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے آغاز میں بلند آواز سے تسبیح کا پڑھنا اور نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا وغیرہ رسول اللہ ﷺ کی کس صحیح صریح مرفوع متصل غیر معلق غیر شاذ روایت سے ثابت ہے؟ فاتوا برہانکم علیٰ زعمکم ان کنتم صدقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار النی وقودھا الناس والحجارة اعدت للكفرین۔

جواب نمبر ۱۳: سخت ناانصافی پر احتجاج اور آخری کیل :-

اس بحث کو پایہ اختتام تک پہنچاتے ہوئے آخری کیل کے طور پر آخر میں ہم غیر مقلدین کی اس سخت ناانصافی پر احتجاج کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ایک معمول کے اثبات میں ایک ایسی حدیث کو مستند و معتمد مان کر عملاً اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں جس کی سند بعینہ وہی ہے جو حضرت ابن عباس کی زیر بحث اس روایت کی ہے اور اس کا مرکزی راوی بھی وہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ہے "جو میٹھا ہپ اور کڑوا تھو" کے مترادف ہے ورنہ وجہ فرق بیان کی بائے تو ایک ہی راوی، ایک ہی سند ایک جگہ کیوں معتبر اور وہی راوی اور وہی سند دوسری جگہ کیوں واجب الرد ہے کیا، "ضرورت" ایجاب کی ماں ہے "والا معاملہ تو نہیں؟

کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

حوالہ :-

چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور بزرگ مولوی محمد صادق سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مشروعیت کے اثبات میں ابن ماجہ کے حوالہ سے اپنی کتاب "صلوٰۃ الرسول ﷺ" میں یہ روایت استناداً نقل کی ہے :- عن ابن عباس ان النبی قدراً علی الجنائزۃ بفاتحة الكتاب (ابن ماجہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ (بعد تکبیر اولیٰ کے) پڑھی (ابن ماجہ) اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۳۲ طبع لاہور)

اقول :-

سیالکوٹی غیر مقلد موصوف نے ابن ماجہ کے حوالہ سے جو مذکورہ حدیث پیش کی ہے اس کی مکمل سند اس طرح ہے (چنانچہ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں) حدثنا احمد بن منیع ثنا زید بن الحباب ثنا ابراہیم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی ﷺ الخ۔ ملاحظہ ہو :- (سنن ابن ماجہ عربی صفحہ ۱۰۷ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس میں "ابراہیم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس" واضح طور پر موجود ہے اور یہ بعینہ وہی سند ہے جو زیر بحث روایت کی ہے اور اس میں "ابراہیم بن عثمان" وہی ابو شیبہ ہے جو بالفاظ مؤلف ضعیف، متبرک، منکر الحدیث اور جھوٹا (وغیرہ پتہ نہیں کیا گیا) ہے مگر حیرت ہے کہ اتنا بڑا سخت کمزور اور گیا گزرا راوی، یہاں پر کیوں، کیسے اور کس حکمت کی بناء پر ان تمام عیوب سے مبرا ہو کر قوی اور حجت بن گیا؟ اسی کی ایک روایت واجب الرد، پھر اسی کی ایک اور روایت واجب القبول؟ اس کی ایک روایت اپنے خلاف جا رہی ہو تو وہ تمام فسادات کا مجموعہ، بزعم خود اپنے حق میں آ رہی ہو تو اس کی ساری خرابیاں یکسر دور ہو جاتی ہیں اور وہی راوی غوث وقت بن جات ہے؟ یہ مذہب نہ ہوا، بوٹے

کی ٹوٹی ہوئی یا موم کی ناک ہوئی، جدھر پھیر دی، پھیر دی۔ جدھر موڑ دی، موڑ دی۔ یہ سراسر ظلم، زیادتی اور سخت ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر سخت حیرت یہ کہ تراویح بالاتفاق مسنون ہے اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرات غیر مقلدین کے نزدیک فرض ہے۔ اگر بقول مؤلف ضعیف حدیث ثبوت مسنونیت کی صالح نہیں تو ثبوت فرضیت کی استعداد اس میں کیونکر اور کہاں سے آگئی؟

ع ناطقہ سرگربان ہے اسے کیا کیسے؟

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولنعم ما قیل

سہ کہتے ہیں بدعت ہوتے ہیں شامل
بے نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک تازہ عذر لنگ کا پوسٹ مارٹم:-

شاید یہ عذر لنگ پیش کریں کہ ان کے نزدیک پیش نظر روایت ابن عباس (قراء علی الجنائزہ بفاتحۃ الکتاب) محض شواہد اور مؤیدات سے ہے باقی ان کی اس مسئلہ میں بنیادی دلیل صحیح بخاری وغیرہ کی وہ صحیح روایت ہے جس میں "لتعلموا انها سنۃ" کے الفاظ ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پچور دروازہ بھی انہیں کسی طرح مفید نہیں کیونکہ اس میں لفظ "سنۃ" وارد ہے۔ اگر اس سے مراد سنت رسول ہو تو اس سے ان کے موقف کی تردید ہوتی ہے کیونکہ وہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں۔ اور اگر اس میں مذکور "سنۃ" طریقہ مسلوکہ فی الدین ہو تو یہ خارج از بحث ہے جس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ نیت قرات کے علاوہ اسے کسی نہ کسی حیثیت سے (جیسے بہ نیت حمد و ثناء) نماز جنازہ میں پڑھا جاسکتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

علاوہ ازیں اسے مؤیدات میں رکھنا اس وقت درست ہے جب یہ بحث فیہ سے متعلق بھی ہو جب کہ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے آپ

ﷺ کے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی صراحت ہو اور وہ اس میں نص ہو جنازہ پر فاتحہ پڑھی کا یہ معنی بھی تو محتمل ہے کہ اسے خارج از نماز جنازہ پڑھا جیسا کہ شیخ محقق وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیالکوٹی موصوف نے اسے اپنا مفید مطلب نہ پاتے ہوئے اس کے اردو ترجمہ میں کئی لفظ اپنی طرف سے اضافہ کیے ہیں اور یہ ان کی مہربانی ہے کہ انہیں وہ بریکٹ میں لائے ہیں ورنہ عوام پر ان کی اس کھلی تحریف سے واقف ہونا اور ان کی اس ہاتھ کی صفائی کو سمجھنا سخت مشکل ہو جاتا۔

ع خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

تہجد و تراویح کے دو الگ الگ نمازیں ہونے پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم:-

مؤلف نے اپنے رسالہ مسئلہ تراویح میں بلا دلیل محض خانہ ساز طریقہ سے لکھا تھا کہ:- "یاد رکھیے کہ تراویح تہجد ہی کا نام ہے" اھ بلفظ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳)

جس کا نہایت درجہ غلط ہونا ہم نے "تہجد و تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں" کے زیر عنوان دس مختلف ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا:- "البتہ ان کا یہ کہنا کہ "تراویح تہجد ہی کا نام ہے" انتہا درجہ غلط ان کی کمال بے علمی اور مسلمانوں کو تہجد کی عظیم نیکی سے محروم کرنے کے مترادف ہے تحقیق یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ نمازیں ہیں "الحکمۃ" کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۷ تحقیقی جائزہ)

مگر نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مؤلف نے ان میں سے کسی ایک دلیل کا صحیح، علمی، تحقیقی جواب پیش کرنے کی بجائے انہیں بھی جاہلانہ طریقہ سے رد کرتے ہوئے فریب اور دھوکہ دہی، مغالطہ آفرینی اور ہیرا پھیری سے کام

لے کر اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی مذموم کوشش کی ہے بلکہ اس ضمن میں انہوں نے جھوٹ اور کذب بیانی سے کام لینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی (جس کی بعض مثالیں آئندہ سطور میں آرہی ہیں) پس تحقیقی جائزہ کے دیگر مندرجات کی طرح یہ دلائل بھی ان کے ذمہ ہمارا ایسا علمی قرض ہیں جن سے سبکدوش ہونا قطعاً ان کے بس سے باہر اور سانپ کے منہ میں چھچھوندہ کے آئینہ دار ہیں۔ (وللہ الحمد)

”سنت لکم قیامہ“ پر اعتراضات کا پوسٹ مارتم :-

ہم نے مذکورہ عنوان کے تحت اس سلسلہ کی پہلی دلیل کے ضمن میں ابن ماجہ (عربی صفحہ ۹۲) نسائی عربی جلد ۱، صفحہ ۳۰۸ مختصر قیام الیوم (عربی صفحہ ۱۵۲) اور مصنف ابن ابی شیبہ (جلد ۲ صفحہ ۳۹۵) کے حوالہ سے یہ حدیث بھی پیش کی تھی ”کُتِبَ عَلَیْکُمْ صِیَامُہُ وَ سُنَّتُ لَکُمْ قِیَامُہُ“ یعنی ماہ رمضان کے روزے تم پر اللہ نے فرض فرمائے ہیں اور اس کا قیام تمہارے لئے میں مسنون کرتا ہوں“ اہ ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۳)

جس کے نام نہاد جواب میں فضول تکرار کے ساتھ اور بے ربط سی عبارت سے محض رسالہ کا حجم بڑھانے کی غرض سے اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے ڈھائی صفحات سیاہ کرتے ہوئے مؤلف نے یوں گوہر افشانی کی ہے کہ :- ”یہ حدیث دو لحاظ سے باطل ہے اور مردود ہے نمبر۔ یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے کیونکہ اس کی سند میں جو ابو سلمہ اپنے باپ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے بیان کرتا ہے اس کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں (الی) لہذا یہ حدیث مرسل اور منقطع ہوئی جو مردود ہوتی ہے مقبول نہیں (الی) نمبر ۲۔ اس کی سند میں ابو سلمہ سے بیان کرنے والا جو راوی نصر بن شیبان حدانی بصری ہے وہ اتنا ضعیف ترین کہ حجت کے قابل نہیں (الی) تو اس سے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبر ۱ اور دلیل نمبر ۲ کی ساری عمارت منہدم ہو گئی۔ یعنی گر گئی“ اہ ملخصاً“ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۱۷)

الجواب۔ اقول رکاکت :-

عبارت کو بودہ پن اور اس کی رکاکت، اس کے لفظوں سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں :- ”جو ابو سلمہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے اس کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں“ جس کا واضح مطلب یہ ہو رہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کئی ابو سلمہ ہیں اور وہ صرف اسی ابو سلمہ کی بات کر رہے ہیں جو اپنے باپ سے بیان کرتا ہے جو غلط ہے نیز یہ لفظ بھی محفوظ رکھنے کے قابل ہیں اپنے باپ سے ثابت نہیں“ یعنی ان کا باپ جو دوسروں کا باپ ہے، اس سے تو اس کا سماع ثابت ہے۔ ہاں اس کا باپ جو اس کا اپنا ہے اس سے اس کا سماع ثابت نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر یہ کہہ کر کہ ”ساری عمارت منہدم ہو گئی یعنی گر گئی“ انہوں نے جو علم لغت کی عظیم خدمت کرتے ہوئے لفظ منہدم کا ترجمہ کر کے عوام کی ایک بڑی الجھن کو دور کیا ہے اسے بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ایسے ہی ایک اور مقام پر اور علمی خدمت سر انجام دیتے ہوئے لکھتے ہیں :- ”امام ابراہیم بن یعقوب جو زبانی اسے ساقط گرا ہوا کہتے ہیں“ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۱۳) اس مقام پر ”ساقط گرا ہوا“ کے متعلق خیر الخاظ قابل غور ہیں جنہیں پڑھ کر زمانہ قدیم کے فصحاء و بلغاء کی جو یاد تازہ ہو رہی ہے وہ بھی کوئی دھکی چسپی بات نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اعتراض لایعنی ہے :-

رہا اس حدیث پر مؤلف کا مذکورہ اعتراض؟ تو وہ قطعاً ”لچر“ اور لایعنی ہے جس سے حدیث کے مقبول و معتبر ہونے پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی اور وہ مؤلف کو کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ :-

روایت صرف تائیداً پیش کی تھی۔

(۱) ہم نے یہ روایت محض تائیداً پیش کی تھی اور بحث فیہ امر کی اصل دلیل اس سے قبل لکھی تھی یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے دلیل نمبر ۲ یا مستقلاً کسی اور نمبر کے تحت ذکر نہیں کیا ہماری پیش کردہ اصل دلیل یہ ہے مؤلف نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے چھو تک نہیں چنانچہ دلیل نمبر ۱ کے زیر عنوان اس حوالہ سے ہم نے لکھا تھا:۔ تہجد نماز پنجگانہ اور ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ہجرت سے پہلے مکہ المعظمہ میں مشروع ہوئی جس کا بیان سورۃ منزل کی ابتدائی آیات میں ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو (ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۱۹۰ نیز قیام اللیل صفحہ ۷) (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۳)

متن روایت مقبول و معتبر ہے۔

بر تقدیر تسلیم ضعف سند، ضعف متن کو مستلزم نہیں جس طرح صحت سند، صحت متن کو مستلزم نہیں (جیسا کہ اصول میں مبرہن اور طے شدہ ہے) اور یہ روایت کئی وجوہ و شواہد کی رو سے مقبول و معتبر ہے جن میں سے بعض وجوہ حسب ذیل ہیں۔

وجہ نمبر ۱۔ معارضہ کی بنیاد غلط ہے۔

مؤلف کی اس روایت کے خلاف یہ سب کوشش محض اس خود ساختہ نظریہ کے حوالہ سے ہے کہ حضرت ام المؤمنین کی روایت (فی رمضان ولانی غیرہ) میں جس نماز کا ذکر ہے وہ تراویح ہے جو غیر رمضان میں تہجد بن جاتی تھی نیز تہجد و تراویح ایک نماز کے دو نام ہیں جب کہ سنن لکم قیامہ والی روایت اس سے معارض ہے جو نہایت درجہ غلط ہے جس کا انتہائی غیر صحیح ہونا ہم کئی دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے گذشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں پس یہ معارضہ

سے خالی اور بحث فیہ کے اثبات کے لیے صالح رہی (وہوالمقصود)

وجہ نمبر ۲۔ اس کا متن، بیان حقیقت پر مبنی ہے۔

پھر جب یہ سب کو مسلم اور ٹھوس دلائل سے ثابت ہے کہ ۱۔ تہجد و تراویح دو الگ نمازیں ہیں ۲۔ نیز تہجد ہجرت مکہ المکرمہ میں مشروع فرمائی گئی اور وہ بھی آیت قرآنی کے ذریعہ (جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے) ۳۔ نیز یہ کہ تراویح کی مشروعیت کا بیان قرآن مجید میں قطعاً کیسے نہیں ہے تو لامحالہ اس سے یہ لازم آیا کہ تراویح کو بلاذن ربی حضور نبی کریم ﷺ ہی نے مشروع فرمایا۔ پس اس روایت کا مضمون بیان حقیقت پر مبنی ہوا جو اس کے مقبول و معتبر ہونے کی روشن دلیل ہے۔

وجہ نمبر ۳۔ دیگر دلائل بھی اس کے مؤید ہیں۔

علاوہ ازیں اس کے مقبول و معتبر ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ دیگر کئی دلائل اس کے مؤید ہیں مثلاً:-

مؤید نمبر ۱۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہا کی احادیث صحیحہ کثیرہ میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:- من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ماتقدم من ذنبہ "یعنی جو صحیح العقیدہ مسلمان ایمان و اخلاص سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ مستقلاً قیام رمضان روزوں کی فرضیت کے بعد مشروع ہوا۔ جب کہ تہجد پہلے سے چلی آرہی تھی۔ پس پہلے سے مشروع کو دوبارہ مشروع کرنے کا کیا معنی؟ جب کہ اس سے نماز تہجد کی تاکید بھی مقصود نہیں ورنہ تہجد امت کے لیے سنت مؤکدہ ہو جاتی جو عندا تحقیق صحیح نہیں۔

مؤید نمبر ۲:- (ایک طویل حدیث میں) حضرت سلمان فارسی

آخر میں رمضان کے حوالہ سے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:- شہر جعل اللہ صیامہ فريضة و قیام ليله تطوعاً " یعنی ایسے ماہ مقدس کی جلوہ گری ہو رہی ہے کہ جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمائے اور اس کے قیام کو تطوع بنایا ہے۔ (مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۷۳ بحوالہ شعب الایمان بیہقی طبع کراچی)

یہ حدیث بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مستقلاً قیام رمضان ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد مشروع ہوا پس یہ بھی روایت "سننت لکم قیامہ" کی مؤید اور اس کے مقبول و معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

مؤید نمبر ۳ - دار قطنی عربی (جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۵۹ طبع نثرانیہ لاہور) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ رمضان المبارک کے چاند کا فیصلہ فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کر دیں کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا ہے لہذا لوگ اس کے روزے رکھیں اور اس کی راتوں میں قیام کریں "فنادی فی الناس ان یقوموا وان یصوموا" پس انہوں نے لوگوں میں اعلان فرمایا کہ لوگ، رمضان المبارک کا قیام کریں اور اس کے روزہ رکھیں۔ اھ۔

یہ بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں کا وہ قیام جو مستقلاً صرف اسی میں کیا جاتا تھا اس کی ادائیگی اس ماہ مقدس کی آمد پر ہوتی تھی جو اس کا بین ثبوت ہے کہ یہ تہجد سے الگ قیام تھا جسے "ناد فی الناس" فرما کر رسول اللہ ﷺ نے مشروع فرمایا پس وہ سننت لکم قیامہ کا واضح مؤید قرار پا کر اس کے مقبول و معتبر ہونے کی دلیل ہوا۔

:- تنبیہ :- (وما قال الدارقطنی لم یقل "ان یقوموا" غیر حماد غیر مضر لانه ثقة زیادة الثقة مقبولة کما هو مبرهن فی محله)

مؤید نمبر ۴ :- صحیح مسلم شریف عربی (جلد ۱، صفحہ ۲۵۹ طبع کراچی)

اور جامع ترمذی عربی (جلد ۱، صفحہ ۱۰۰ طبع دہلی) وغیرہا میں ہے "عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یأمر ہم فیہ بعزيمة فیقول من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علی ذلک فی خلافة ابی بکر و صدرا" من خلافة عمر علی ذلک " یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کو لازم قرار دیئے بغیر مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے تھے جس (مسلمان) نے ایمان و اخلاص کے حوالہ سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کیا تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی جب کہ یہ امر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں یونہی رہا

امام ترمذی فرماتے ہیں :- "وفی الباب عن عائشة هذا حدیث صحیح" یہ حدیث صحیح ہے اور یہ مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو (ترمذی ج ۱، صفحہ ۱۱۰ طبع دہلی) یہ فیصلہ کن صحیح حدیث مانع فیہ کی زبردست دلیل اور مؤلف کے ادعا باطل کا مسکت، مسکت اور مسقط ثبوت ہے جو اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہے کہ (۱) تہجد و تراویح ایک نماز کے دو نام نہیں بلکہ حقیقتاً دو علیحدہ نمازیں ہیں کیونکہ اس میں صراحت موجود ہے کہ "من غیر ان یأمر ہم فیہ بعزيمة" جس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کبھی بھی لازم قرار نہیں دی گئی جب کہ تہجد ابتداء اسلام میں فرض تھی (کما مرانفا) نیز اگر تہجد و تراویح ایک ہو تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام کی اکثریت نے نماز تہجد کو آپ ﷺ کی وفات سے لے کر دور صدیقی میں پھر ابتداء دور فاروقی تک ترک کر دیا تھا جو صریح البطلان ہے۔ (۲) دوسری بات

یہ معلوم ہوئی کہ تراویح روزہ ہائے رمضان المبارک کی فرضیت کے بعد مشروع ہوئی جو زیر بحث روایت (سنن لکم قیامہ) کی مؤید ہو کر باعتبار معنی اسکے مقبول و معتبر اور صحیح ہونی کی دلیل ہے مگر جس پر غیر مقلدیت کا بھوت سوار ہو اسے یہ حقائق کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟

مؤید نمبر ۵:- مؤلف کی پسندیدہ کتاب قیام اللیل عربی (صفحہ ۱۵۲ طبع رحیم یار خان) میں ہے:- حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کی آمد پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرماتے تھے:- ان هذا الشهر المبارك الذي فرض الله صيامه ولم يفرض قيامه (وفی لفظ) كتب الله عليكم صيامه ولم يكتب عليكم قيامه "یعنی یہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے تم پر فرض فرمائے ہیں اور اس کے قیام کو اس نے فرض قرار نہیں دیا۔ اھ۔ یہ حدیث بھی حسب تفصیل بالا مؤلف کے بے بنیاد دعویٰ کے بطلان اور بحث فیہ روایت کے مضمون کے صحیح ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

مؤید نمبر ۶:-

اسی میں اسی صفحہ پر ہے:- خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر ثانی رضی اللہ عنہ نے عید الفطر کے دن خطبہ دیا تو اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:- "ان هذا شهر فرض الله صيامه و سن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قيامه الحديث "یعنی یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا اور جس کے قیام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون و مشروع فرمایا حضرت امیر المؤمنین موصوف کے یہ لفظ کہ سن رسول اللہ قیامہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ حدیث سنن لکم قیامہ کی ضرور اصل اور اس کا مضمون صحیح و ثابت ہے ورنہ بنیاد کے بغیر آپ اس امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر منسوب فرما سکتے ہیں؟

مؤید نمبر ۷:- خود مؤلف سے تائید: مؤلف نے اپنے اسی رسالہ (گلی نامہ) میں (صفحہ ۳۱ پر) لکھا ہے:- اگر کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف نہ ہو تو پھر وہ حسن حدیث قابل حجت ہوتی ہے "اھ بلفظہم جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "حسن حدیث" بھی مؤلف کے نزدیک بعینہ حدیث صحیح کی طرح حجت ہے۔ پس حسیم صاحب، غیر مقلدی سے ہٹ کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اصول محدثین کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے بتائیں "حدیث حسن" کی تعریف کیا ہے پھر اس کی کتنی اقسام ہیں اور کسی حدیث کے حسن ہونے کے لیے کیا کیا امور مد نظر رکھے جاتے ہیں اور حدیث کے حسن ہونے کی کون کون سی صورتیں ہیں تاکہ ہم انہی کا آئینہ ان کے سامنے رکھ کر انہیں باسانی بتا سکیں کہ بحث فیہ حدیث کو کسی نہ کسی حوالہ سے حسن کہنا بھی درست ہے یا نہیں؟

مؤید نمبر ۸:- مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی:- مؤلف نے حدیث مرسل کا حکم بیان کرتے ہوئے اسے کئی بار مطلقاً "غیر مقبول اور مردود قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۷، ۱۸) جو اس کی سخت مجرمانہ خیانت اور شدید کذب بیانی ہے کیونکہ حدیث مرسل راوی تابعی کے ثقہ ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے خصوصاً جب کہ وہ ثقات سے روایت لینے کا علوی ہو (کافی مقدمۃ الشیخ وغیرہا) جب کہ زیر بحث روایت کے راوی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا غیر ثقات سے روایت لینے کا عادی ہونا بھی ثابت نہیں پس یہ روایت امامین جلیلین مذکورین کے نزدیک بالاتفاق مقبول ہوئی۔ جب کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حدیث مرسل اس وقت حجت ہوتی ہے جب اس کا مؤید بھی ثابت ہو (کافی مقدمۃ الشیخ وغیرہا) پس ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حجت، مقبول اور صحیح ہوئی کیونکہ اس کے کئی مؤیدات موجود ہیں جو سطور بالا میں مفصل طور پر مذکور ہو چکے ہیں) خلاصہ یہ کہ مؤلف نے زیر بحث روایت کو رد کرنے کے لیے دو بہانے پیش کیے تھے جن کے حوالہ

سے ہم نے ٹھوس دلائل کے ذریعہ ان کا اسے کسی طرح سے مفید نہ ہونا ثابت کر دیا اور اس کے آخری حربہ کو بھی اسی پر پلٹ دیا اور اس کے اس منصوبہ کو بھی خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے **فللہ الحمد**۔

کچھ اور مجرمانہ خیانتیں :-

بحث فیہ روایت (سنت کلم قیامہ) کے مرکزی راوی احد الفقہاء السبعہ جلیل القدر تابعی، مبشر بابۃ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے سن وفات کے بارے میں کئی مختلف قول ہیں جب کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے بہتر سال کی عمر شریف میں وفات پائی تھی۔ چنانچہ والدی کے قول کے مطابق آپ کی وفات ۱۰۳ھ میں ہوئی جب کہ امام ابن سعد کا قول یہ ہے کہ آپ نے ۹۳ھ کو وفات پائی تھی۔ محدث ابن حبان کے قول کے بھی یہی رائج ہے کیونکہ ۱۰۳ھ والے قول کو انہوں نے بصیغۂ تمریض ”قیل“ سے ذکر کیا ہے جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۱۲، صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸ طبع لبنان) صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف ایک قول کرتے ہوئے ان کا سن وفات ۹۳ھ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (امکال صفحہ ۵۹۹)۔ مگر مؤلف نے شدید مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اس بحث کو اسی تہذیب التہذیب کے اسی مقام سے نقل کرنے کے باوجود ۹۳ھ کے قول کو صاف اڑا دیا ہے جس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس قول کی روشنی میں ان کا اپنے والد گرامی سے سماع یا کم از کم سن شعور میں امکان سماع ثابت ہوتا ہے جو اس کے لیے موت سے کم نہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بالاتفاق ۳۲ھ میں وفات پائی تھی۔ پس ان کے سن وفات کے ۹۳ھ ہونے کے مطابق ۹۳ھ سے ۷۲ھ نفی کریں تو ۲۲ باقی رہتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان کا سن ولادت ۲۲ھ ہے پس اس حساب سے وہ اپنے والد گرامی کی وفات کے وقت ۱۰ سال کے تھے جب کہ دس سال کا بچہ یا شعور اور قابل سماع ہوتا

ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۱ کتاب العلم میں باب متی یصح سماع الصغیر کے زیر عنوان حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا عقلت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجتہ مجہافی وجہی من دلو وانا ابن خمس سنین یعنی مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں پانچ سال کی عمر کا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے ایک ڈول سے پانی کی کلی لے کر (تبریک یا خوش طبعی کے طور پر) میرے چہرے پر پھینکی تھی۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۷ طبع کراچی)

جس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ پانچ سال کا بچہ حدیث روایت کرے تو اس کی روایت معتبر ہوگی۔ مگر مؤلف نے ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ اس قول کو سرے سے چھوٹا تک نہیں اور واقعی (جو خود اس کے نزدیک کذاب ہے اس) کے قول کو سامنے رکھ کر یہ لکھ دیا ہے کہ ”اب ۱۰۳ھ سے ۷۲ھ نفی کریں تو باقی ۳۲ بچتے ہیں جو ان کا سن ولادت بنتا ہے“ الخ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶)۔ پس ہمارا یہ سوال اس کے ذمہ قرض ہے کہ اس نے اہل علم کے طریقہ سے ہٹ کر جاہلانہ روش پر چلتے ہوئے اختلاف روایات کو ذکر کرنے کی بجائے دوسرے قول کو کیوں اور کس حکمت کی بناء پر نظر انداز کیا ہے اور یہ شدید مجرمانہ خیانت کیوں کی ہے؟

کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

نیز اسی تہذیب التہذیب ج ۱۲ میں (صفحہ ۱۳۸ پر) ہے ”

قال احمد مات وهو صغیر“ یعنی امام احمد نے فرمایا ان کے والد کا انتقال ہو گیا جب کہ ابو سلمہ ابھی صغیر السن تھے اھ۔ مگر مؤلف نے اس کا حلیہ بگاڑ کر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ”اس کے بچپن میں ہی یعنی غیر شعوری عمر میں اس کا باپ فوت ہو گیا“ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۱۶) پس ”یعنی غیر شعوری عمر میں“ کے لفظ مؤلف کے خانہ ساز اور خود ساختہ مطلب کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ کیا صغیر ہونا

”غیر شعور“ ہونے کو متلزم ہے جب کہ ان کے سن وفات کے ۹۴ھ ہونے کے قول کی رو سے ان کی عمر اس وقت ۱۰ سال تھی۔ دس سال کی عمر غیر شعوری کی عمر ہے تو بہت صغیر السن صحابہ کرام جیسے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر وغیرہم رضوان اللہ عنہم اجمعین کی ان روایات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا جو انہوں نے اپنی اس عمر میں آپ ﷺ سے روایت کیں۔ تو کیا مؤلف کو یہ گوارا ہے؟ ہے تو لکھ دے تاکہ ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر کی رفع یدین والی مشہور روایت کے حوالہ سے اس سے حساب لے سکیں۔ اور اگر لفظ صغیر کا اطلاق غیر شعوری عمر والے ہی پر بولا جاتا ہے تو امام بخاری کے قائم کردہ عنوان ”باب مثنیٰ - لبع سماع الصغیر“ سے تسلی بخش جواب کیا ہے؟

نیز اسی تہذیب التہذیب ج ۱۲ میں (صفحہ ۱۳۸ پر) ہے ”وقال ابو حاتم لا - لبع عندی“ مؤلف نے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہیں“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶) جو اس کا امام ابو حاتم پر سخت افتراء اور بہتان عظیم ہے ورنہ وہ بتائے کہ اس عبارت میں ”یہ حدیث“ کس لفظ کا معنی ہے؟

اقوال محدثین سے جواب:-

باقی جن بعض محدثین نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے اپنے والد گرامی سے سماع کا انکار کیا ہے؟ تو یہ ان کی اپنی تحقیقات ہیں جب کہ کسی مسئلہ میں کسی کا تحقیق کرنا نیز بعض کی تحقیق کا بعض دوسروں کی تحقیق سے مختلف ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ واقع بھی ہے۔ جس کی طرف امام ابن حجر عسقلانی ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال نقل فرما کر نیز یہ کہہ کر ”وما قبل فی وفاتہ غیر ما تقدم“ یعنی ان کی وفات کے بارے میں ۹۴ھ اور ۱۰۴ھ کے اقوال کے علاوہ اور اقوال

بھی ہیں (وہ اس حقیقت کی جانب) واضح اشارہ فرما چکے ہیں۔ پس قول عدم سماع زیادہ سے زیادہ ان کی اپنی تحقیق ہے جو ہمیں کچھ مضرنہ مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ وہ کٹا غیر مقلد ہے اگر وہ ان محدثین کے اقوال پر اعتماد کر کے ان کی تصدیق کر دے تو یہ تقلید ہو جائے گی۔ جو مؤلف کے نزدیک عقل سے محرومی اور شرک ہے۔ لہذا جب ان کا سن وفات ہونے کا معتمد ترین قول بھی موجود ہے اور وہ خود اس امر کی تصریح بھی فرما رہے ہیں کہ ”حدثنی ابی“ یعنی میرے والد نے مجھے بیان فرمایا کما فی النسائی وغیرہ) تو ان کا اپنے والد سے سماع مان لینے میں کیا حرج ہے؟ مگر جو غیر مقلد ہو وہ اصول کی پابندی کیونکر کر سکتا ہے؟ (جب کہ وہ ثقہ ترین بزرگ ہیں نیز ان کا شاگرد نضر بھی کذاب نہیں)

آخری کیل:-

اس روایت کے بارے میں بر سبیل تنزل زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ باعتبار سند ضعیف ہے جو ہمیں کچھ مضرنہ نہیں اور نہ ہی مؤلف کو کچھ مفید ہے کیونکہ ہم نے اس کو اولاً محض بطور مؤید پیش کیا تھا۔ ثانیاً دوسری کئی معتبر احادیث کا مضمون اس کی تائید کرتا ہے۔ ثالثاً یہ بیان حقیقت پر مشتمل ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے (رابعاً اس سب کچھ کو جانے دیجئے اگر ضعیف روایت مطلقاً قابل رد ہے اور قطعاً کسی طرح لائق احتجاج نہیں تو مؤلف اور اس کی جماعت مسئلہ جبرائیمہ فی الصلوٰۃ نیز نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ وغیرہما کے اثبات میں غیر صحیح اور محض ضعیف احادیث کو بنیاد کیوں بناتے ہیں۔ اس کا ہمیں حساب دیں۔ ظالم جواب دو۔ ظلم کا حساب دو۔

نضر پر بہتان کا پوسٹ مارٹم:-

مؤلف نے محض بلا دلیل اور اپنی طرف سے حضرت ابو سلمہ کے شاگرد ”نضر بن شیبان“ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ”سننت لکم قیامہ“ کے یہ الفاظ نضر

بن شیبان کی اپنی طرف سے حدیث میں درج کئے ہوئے ہیں یہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ نہیں "ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۷)۔ جو مؤلف کا اس بے گناہ پر سخت بہتان اور اس کی طرف ازراہ افتراء کبیرہ گناہ کی نسبت ہے جو بذات خود کبیرہ گناہ ہے۔ اگر اس نے یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھائے ہوتے تو محدثین اسے کذاب اور واضع الحدیث لکھتے جب کہ کسی ایک بھی محدث نے اسے واضح یا کذاب نہیں لکھا۔ پس یہ مؤلف کا اس پر غلط الزام، اسے بہت بڑی گالی اور اسے جہنمی قرار دینے کے مترادف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کرنے کی سزا جہنم ہے "حیث قال علیہ السلام من کذب علی منی متعمداً فلیتنبوا مقعدہ من النار" لہذا مؤلف پر اس سے توبہ لازم ہے نہ مانے تو جائے جہنم میں پھر بے شک لے جائے اپنے ساتھ اپنے گروپ کو بھی۔

باقی رہا محدثین کا یہ کہنا کہ فلاں نے ابو سلمہ سے روایت کیا ہے جن میں سے کسی نے "سننت لکم قیامہ" کے الفاظ ذکر نہیں کئے؟ تو اسے بھی اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل بنانا ظلم اور سراسر نا انصافی ہے کیونکہ اولاً اگر ایسا ہوتا تو محدثین کو اس حوالہ سے شاذ اور منکر وغیرہ کی اصطلاحات وضع کرنے کی کیا ضرورت تھی نیز صحیح حسن اور ضعیف وغیرہ کی اصطلاحیں مقرر کرنے کی انہیں کیا حاجت تھی نیز کذب اور اتہام با کذب کا فرق کیونکر ملحوظ ہوتا؟ ثانیاً جرح و تعدیل کا مسئلہ خالصتاً اجتہادی ہے اسی لئے ائمہ محققین صاف اور واضح طور پر فرما چکے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ مجروح کی روایت واقع میں صحیح اور جسے ہم نے ثقہ اور عادل کہا اس کی روایت واقع میں غلط ہو اور نہایت غیر مبہم الفاظ میں ان کی تصریحات موجود ہیں کہ صحت اسناد، صحت متن کو اسی طرح ضعیف سند بھی ضعیف متن کو مستلزم نہیں بلکہ اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے خلاصہ یہ کہ مؤلف کا یہ قول بدتر از بول قطعاً بلا دلیل اور نہایت درجہ غلط ہے کہ نصر بن شیبان نے ان الفاظ کو نبی کریم ﷺ سے اپنی طرف منسوب کر دیا ہے جس

کی اس جھوٹے کے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں۔
مؤلف کے ادبی جواہر پارے :-

اس مقام پر مؤلف نے اپنے جواہر پارے پیش کرتے ہوئے جو گل کھلائے ہیں، ان کا اصل علمی مقام معلوم کرنے کے لئے ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ نیچے اور سر دھنیے :- چنانچہ مؤلف نے ایک جملہ لکھا ہے :- "اس نے اپنے باپ سے نہیں سنا" پھر کئی تشریح ان لفظوں میں بیان کی ہے : یعنی اس کا سماع اس کے باپ سے ثابت نہیں ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶)۔ تشریح کے لئے :- "یعنی" کے مابعد کا اس کے ماقبل سے اعرف ہونا ضروری ہوتا ہے مگر مؤلف نے اس کے ماقبل کو اعرف رکھا پھر اس کی تشریح مشکل سے کی۔ یعنی سماع "کا لفظ پہلے ہوتا ہے اور سننے کا ذکر بعد میں مگر اس نے اس کے برعکس کر دیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

نیز حضرت ابو سلمہ اور ان کے والد گرامی حضرت عبدالرحمن کے بارے میں مؤلف نے لکھا ہے :- "جس سال یہ پیدا ہوتے ہیں اسی سال ان کے والد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فوت ہو جاتے ہیں" ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶) جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کے پیدا اور فوت ہونے کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے جو ہر سال وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جو نبی حضرت ابو سلمہ پیدا ہوتے ہیں حضرت عبدالرحمن کی فوراً وفات ہو جاتی ہے۔ پھر نہ معلوم یہ سلسلہ کیسے جاری رہتا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ فیوا اسفا ویالضییعة العلم والادب

نیز لکھا ہے کہ :- اس ابو سلمہ کی روایت اپنے باپ سے صحیح نہیں " ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶)۔ جس کا مطلب یہ بن رہا ہے کہ ابو سلمہ نام کے حضرت عبدالرحمن کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے بعض کا سماع ان سے ثابت ہے بعض کا

نہیں جو نہایت درجہ مضحکہ خیز اور قطعاً غلط ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل
جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

نعلی کا پوسٹ مارٹم :-

اس جاہلانہ گفتگو کے آخر میں مؤلف نے نہایت درجہ شوخ چٹشی سے فاتحانہ انداز میں تعلق بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے :- اس سے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبر ۱ اور دلیل نمبر ۲ کی ساری عمارت منہدم ہو گئی۔ یعنی گر گئی۔ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۷۷)

جس کی حیثیت بھی لاف زنی اور شیخی بگھارنے کی ہے جس سے منصف مزاج قارئین نے دیکھ لیا ہو گا کہ ہماری پیش کردہ دلیل نمبر ۱ اور دلیل نمبر ۲ کی عمارت کا منہدم ہو جانا اور گر جانا تو بعد کی بات ہے غیر مقلد مؤلف سے وہ ابھی تک بل بھی نہیں سکی اور انہوں نے اس سے کیا گرنا تھا وہ ایسی مضبوط چٹانیں ہیں کہ خود مؤلف ان کے سامنے آیا تو وہ ضرور پاش پاش ہو گیا، اس کے پرچے اڑ گئے اور اس کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں۔ اور ”اس بریلوی مولوی“ کی ان ضربات قاہرہ نے اس کی خوب ٹھکانی کر کے اس کی طبیعت خوب صاف کر دی ہے۔ انصاف شرط ہے۔

مضمون بالا کی دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸ نیز دلیل نمبر ۱۰ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

ہم نے ”تحقیقی جائزہ“ میں باحوالہ اور مدلل طور پر تہجد اور تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کے مزید دلائل یہ پیش کئے تھے (جن کا خلاصہ یہ ہے) کہ ”تراویح رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے جب کہ تہجد سال کے تمام مہینوں

میں پڑھی جاتی ہے۔“ نیز ”تراویح نیند کرنے سے پہلے اول شب میں پڑھی جاتی ہے (الی) جبکہ تہجد کے لئے کچھ نہ کچھ نیند کر لینا ضروری ہے۔“ نیز تراویح کا باجماعت ادا کرنا اولیٰ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جبکہ تہجد آپ نے ہمیشہ اکیلے پڑھی اور تداوی کے ساتھ نماز تہجد باجماعت ادا کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔“ نیز ”تہجد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے پوری رات کبھی قیام نہیں فرمایا (الی) جبکہ جن تین راتوں میں آپ نے باجماعت تراویح ادا فرمائی ان میں سے تیسری رات آپ صبح تک نماز میں مصروف رہے۔“ نیز ”کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی ہیئت آپ کی نماز تراویح کی ہیئت سے یکسر مختلف ہے۔“ نیز صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ میں منقول امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ و تابعین سے یہ ارشاد ”والنسی تنامون عنها افضل من النسی تقومون۔“ بھی تہجد و تراویح کے جداگانہ نمازیں ہونے کی دلیل ہے۔“ نیز ”اگر تراویح اور تہجد جداگانہ نمازیں نہیں تو جن محدثین اور پیشوایان غیر مقلدین نے تراویح کی تعداد رکعات کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کا انکار کیا ہے۔ (الی) ان کے اس انکار کے کیا معنی؟ اور انہوں نے روایت ام المؤمنین کو دلیل بنا کر تراویح کے گیارہ رکعت ہونے کا قول کیوں نہیں کیا؟“ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۳ تا ۱۷ تحت دلیل نمبر ۳ تا نمبر ۸ نیز دلیل نمبر ۱۰)۔

الجواب : اقول :-

وبالله التوفیق و التسدید و منه الصواب و الیہ المرجع والمآب مؤلف نے ہمارے ان دلائل میں سے کسی ایک دلیل کا بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا البتہ اپنی پرانی عادت کے مطابق اس نے ایک عجیب قسم کی نئی چال یہ چلی ہے کہ محض عوام پر رعب بھاڑنے، انہیں دھوکہ دینے اور اپنے جی حضوریوں کو خوش کرنے اور ان سے دابر تمسین وصول کرنے کی غرض سے کم

و بیش نو صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی مختلف اوقات کی نماز تہجد کے بیان والی مختلف نو روایتیں عربی عبارت اور اردو ترجمہ کے ساتھ لکھ کر صرف یہ لکھ دیا ہے کہ:۔۔۔۔۔ ”ان احادیث نے اس بریلوی مولوی کی دلیل نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ اور نمبر ۱۰ کی پوری عمارت مسمار کر دی۔“ ملاحظہ ہو (گلی نامہ ص ۲۶ سطر نمبر ۱۰)۔

مگر اس کی پیش کردہ ان روایات میں سے کون سی روایت نے ہمارے قائم کردہ دلائل میں سے کس دلیل کی عمارت کیسے مسمار کر دی ہے؟ مؤلف نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی بلکہ اسے معترضہ پہلی اور چستان بنا کر پیش کرتے ہوئے اس نے اتنا مزید لکھ دیا ہے کہ ”اگر کچھ عقل ہے تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔“ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مؤلف کو اپنے تاریک بکوت جیسے ان نام نہاد دلائل کی کمزوری کا پہلے ہی سے احساس ہو گیا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی اس ورق سیاہی کو دیکھ کر قارئین انگشت بدندان ضرور اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ کی یہ بڑھیں تو کچھ سمجھ نہیں آئی تو پیشگی فرما دیا کہ تم بے وقوف ہو، یہ ایک دقیق بحث ہے، تمہیں ہمارے جیسی عقل تو ہے نہیں پس تمہیں یہ سمجھ کیسے آئے۔ مگر سخت حیرت ہے کہ اس قدر بے عقلی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود ”الناچور کو تو ال کو ڈانٹنے“ کے پیش نظر ہمیں ہی یہ مشورہ دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: ”عقل کے ناخن اتار کر سمجھئے کہ اگر عقل کچھ پلے ہے تو۔“ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۲)۔

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب، عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکے ہیں کہ اب انہیں سمجھانا یا عقل کے صحیح لیول پر لے آنا کسی کے بس کا کام نہیں رہا۔ پس ہمارے مشورہ کے مطابق انہیں پاکستان کے مشہور شہر حیدر آباد میں پہنچا دیا جائے تو ان کی جماعت اپنی مزید بدنامی سے بچ جائے گی اور یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔

پیش کردہ روایات کی نوعیت :-

مؤلف کی پیش کردہ ان روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی انہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی اس نماز تراویح کی رکعات کا بیان ہو جو آپ رمضان المبارک میں نیند فرمانے سے پہلے پڑھتے تھے یا جو آپ نے تین راتوں میں باجماعت ادا فرما کر، جماعت سے پڑھنا ترک فرما دی تھی جب کہ اصل بحث بھی اسی میں ہے بلکہ ان تمام روایات میں آپ ﷺ کی نماز تہجد کا بیان ہے جسے آپ نیند فرمانے کے بعد ادا فرماتے تھے۔

استدلال کی بنیاد :-

ان سے مؤلف کے استدلال کی بنیاد اس کا محض یہ خود ساختہ نظریہ ہے کہ ”تہجد و تراویح“ ایک نماز کے دو نام ہیں جس کا نہایت درجہ غلط ہونا ہم ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل سے تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی جانے والی دیوار کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔ دہرا المقصود۔

ایک مغالطہ کا پوسٹ مارٹم :-

رہا ان روایات کا ذکر کرنے کے ضمن میں مؤلف کا یہ کہنا کہ ”دیکھو یہاں سونے کی کوئی قید اور شرط نہیں۔“ ملاحظہ ہو (ص ۲۱)۔

تو یہ اس کی تلیس، ہاتھ کی صفائی اور ان کا ترا مغالطہ ہے کیونکہ اولاً کسی امر کا عدم ذکر اس کا ذکر عدم نہیں۔ بالفاظ دیگر کسی امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

ثانیاً ”صحیح یہ ہے کہ ان روایات میں رسول اللہ ﷺ کی ”رات کی جس نقلی نماز (نماز تہجد) کا بیان ہے اس کا نیند کرنے کے بعد ہونا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی روایت (فی رمضان ولانی غیرہ) میں اس

کی تصریح موجود ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ ”انتم قبل ان توتر“ جسے خود مؤلف بھی اپنے دونوں رسائل (مسئلہ تراویح اور گالی نامہ) میں کئی بار نقل کر کے تسلیم کر چکا ہے جس کی مکمل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤلف کی پیش کردہ یہ روایتیں اس بارے میں مجمل ہیں کہ آپ کی وہ نماز نیند سے پہلے ہوتی تھی یا نیند کے بعد۔ جس کی تفصیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مذکورہ صحیح صریح حدیث نے کر دی ہے جبکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ایک مضمون کی جملہ احادیث کے جملہ طرق کو سامنے رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ہر مسئلہ کی تمام شقوق کی وضاحت کا کسی ایک حدیث میں پایا جانا لازم نہیں بلکہ کثیر امور میں قطعاً ناپید ہے۔ لہذا مؤلف کا نماز تہجد کی بعض روایات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالنا ”یحمل المطلق علی المقید“ کے اصول سے کھلا انحراف، اس کی سخت بددیانتی، خالص مغالطہ دہی، اس کی شدید جہالت یا تجاہل ہے جو اسی کا حصہ ہے۔

ع۔ ایں کار از تو آید و مرواں چنیں سے کند

ایک نئی ایچ:-

مؤلف نے خود احادیث کا ہمنوا بننے کی بجائے زبردستی اور کھینچا تانی سے انہیں اپنا ہمنوا اور پہلے سے طے کردہ خود ساختہ نظریہ پر ڈھالنے کی غرض سے اس ضمن میں اپنا ایک نیا نظریہ یہ پیش کیا ہے کہ نماز وتر بھی نماز تہجد اور نماز تراویح کا ایک اور نام ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۸)۔ جو اس کی ایک نئی ایچ ہے اور ”یک نہ شد دو شد بلکہ نہ شد“ کا مصداق ہے۔ جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے حقیقت یہ ہے کہ ان روایات میں نماز وتر سمیت نماز تہجد کے مجموعے کو محض لغوی طور پر ”وتر“ کہا گیا ہے جو طلاق کے معنی میں ہے۔ پس اس سے مؤلف کی یہ ساری ورق سیاہی بے کار ہو گئی اور ہمارے پیش کردہ دلائل اپنی جگہ

قائم رہے۔ مؤلف کا یہ نظریہ اگر درست ہے تو آئمہ اسلام کا اہمیت پر نماز وتر کے واجب ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ پھر صحیح حدیث میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ ”لا وتران فی لیلہ“۔ ایک رات میں دو وتر نہیں۔ نیز احادیث صحیحہ کثیرہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ جسے رات کے آخری حصہ میں جاگنے کا اعتماد نہ ہو وہ نماز وتر پڑھ کر سوئے ورنہ آخری حصہ میں پڑھے جب کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابو ہریرہ کو اس کی وصیت فرمائی تھی (جبکہ علی الصبح اور عند التحقیق نماز تہجد کے لئے تھوڑی بہت نیند بھی شرط ہے۔) (کما مر مراراً)۔ نیز اگر یہ درست ہے تو حضرت ام المؤمنین صدیقہ کی روایت میں وارد اس جملہ کا کیا معنی بنے گا کہ ”ثم یصلی ثلثاً“ جسے خود مؤلف نے بھی صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۴ کے حوالہ سے نقل کر کے خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے کہ: (آپ چار رکعت نماز پڑھتے پھر آپ چار رکعت نماز پڑھتے پھر آپ تین رکعت (وتر پڑھتے)۔ ۱ھ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۲-۳)۔ جس سے خود مؤلف کے پیش کردہ اپنے اس نظریہ کی بقلم خود تردید ہو گئی:

ع۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

مؤلف کی خلاف عقل ان باتوں اور اس کی حواس بائگیوں کو دیکھ کر ہمیں خطرہ ہو رہا ہے کہ اب وہ حدیث ”من استمر فلیوتر“ کو دیکھ کر اپنی ہر رفع حاجت کے فوراً بعد اپنے اوسان کے خطا ہوتے ہی ہر بار کہیں فلیوتر کا یہ معنی سمجھ کر کہ پس چاہئے کہ وہ نماز وتر پڑھے“ بغیر وضو کے نماز وتر ہی شروع نہ کر دے:

ع۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً غیر مقلدیت کی وباء سے

اللہم آمین ثم آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و

صحابہ اجمعین

جہالت یا تحریف :-

اپنے اس خود ساختہ نظریہ کو پروان چڑھانے کی غرض سے مؤلف نے ایک حدیث کے ترجمہ کو بگاڑنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ گلی نامہ کے صفحہ ۲۴ پر مسلم نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے اس نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا آخری جملہ اس طرح ہے "فانتہی وترہ الی السحر" جسے نقل کر کے مؤلف نے اس کا اردو ترجمہ اس طرح لکھا ہے: "اور آپ کے وتر سحری تک ہوتے تھے۔" جو اس کی کھلی تحریف یا شدید جہالت ہے کیونکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ کا وتر رات کے آخری حصہ تک منتہی ہو گیا (یعنی بالآخر آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ آپ نماز تہجد رات کے آخری پہر میں ادا فرماتے تھے جو دتروں کی رکعات سمیت لنتہ وتر یعنی طاق تھی)۔

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی شافعی ارقام فرماتے ہیں: و قولہا و انتہی وترہ الی السحر معناه کان آخر امرہ الایثار فی السحر والمراد بہ آخر اللیل کما قالت فی الروایات الاخری ففیہ استحباب الایثار آخر اللیل و قد تظاہرت الاحادیث الصحیحۃ علیہ اھ ملاحظہ ہو (شرح مسلم عربی ج ۱ صفحہ ۲۵۵ طبع کراچی)

ع خود بدلتے نہیں حدیث بدل دیتے ہیں
ع نجدی ٹولہ واہ بھی واہ

اسناد روایات پر کلام :-

(۱) صفحہ ۱۸ پر نسائی کے حوالہ سے مؤلف نے جو روایت نقل کی ہے، اس کی سند میں عمرو بن مرقہ نامی ایک راوی ہے جس کے بارے میں امام ابن حجر عسقلانی ارقام فرماتے ہیں: "رمی بالارجاء" ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ج ۲

ص ۷۸ سلسلہ نمبر ۶۷۷ طبع بیروت۔

نیز امام ابو حاتم نے فرمایا "کان یری الارجاء"۔ مغیرہ نے فرمایا "لم یزل فی الناس بقیۃ حتی دخل عمرو فی الارجاء فتھا فت الناس فیہ"۔ امام ابن حبان نے فرمایا: "کان مرجیاً" یعنی وہ مرجئی تھا ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹۰ طبع ملتان)۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں یحییٰ بن جزار نامی ایک راوی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: "رمی بالغلو فی التشیع"۔ ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ج ۲، صفحہ ۳۴۴ طبع بیروت۔ نیز تہذیب التہذیب میں ہے جو زبانی نے کہا کان غالباً مفرطاً" مجلی نے فرمایا "کان یتشیع" امام ابن سعد اور حکم بن عتیبة نے فرمایا: "کان یغلو فی التشیع"۔ یعنی یہ انتہائی غلی شیعہ تھا۔ ملاحظہ ہو (ج ۱۱ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹ طبع ملتان)۔

(۲) ص ۱۸-۱۹ پر صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند میں عبدالرزاق بن ہمام نامی ایک راوی ہیں جن پر خود مؤلف اور اس کے ہم خیالوں کا کلام ہے جو مشہور ہے۔ نیز تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۰۵ طبع بیروت میں ہے: عسی فی آخر عمرہ فتغیر و کان یتشیع۔ اھ۔

علاوہ ازیں اس کا ایک اور راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی ہے جس کے بارے میں تہذیب التہذیب (ج ۸ صفحہ ۳۱۷-۳۱۸) میں ہے: حنظلہ نے فرمایا "یرمی بالقدر"۔ شعبی نے فرمایا "حاطب یسل"۔ ابن سعد نے کہا "یقول شعبی فی القدر" ابن حبان نے کہا کان مدلساً علی قدر فیہ۔ اھ۔

نیز اس کا ایک اور راوی سعید بن ابی عروبہ بھی ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب (ج ۲ صفحہ ۵۷) میں ہے۔ ازودی نے کہا اختلط اختلاطاً قبیحاً۔ اسی میں (صفحہ ۵۸ پر) ہے ابن سعد نے کہا اختلط فی آخر عمرہ۔ ابن

ثقة مدلس۔“ ملاحظہ ہو (ج ۱ صفحہ ۲۰۲) نیز تہذیب التہذیب میں ہے امام ابن سعد نے فرمایا: ”ربما دلس عن انس۔“ (جبکہ ان کی یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ہے)۔ ابوبکر البرہنجی نے کہا: فلا یحتج منہ الابما قال حدثنا انس۔ اھ۔ ملاحظہ ہو (جلد ۳ صفحہ ۳۵)

(۶) صفحہ ۲۲ پر یحییٰ بن مملک کے طریق سے مؤلف نے جو روایت پیش کی ہے اس کی سند میں ایک راوی حجاج بن المسیبی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا: اختلط فی آخر عمرہ۔ ملاحظہ ہو (تقریب ج ۱ صفحہ ۱۵۴)۔ تہذیب التہذیب (ج ۲ صفحہ ۱۸۱) میں ہے ابن سعد نے کہا: قد تغیر فی آخر عمرہ۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ”خلط“۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے ”القیروانی فی الضعفاء بسبب الاختلاط“۔ اھ۔

نیز اس کا ایک اور راوی ابن جریج بھی ہے۔ تقریب التہذیب (ج ۱ صفحہ ۵۲۰) میں اس کے متعلق مرقوم ہے: ”کان یدلس و یرسل“۔ تہذیب التہذیب میں ہے امام مالک نے فرمایا حاطب لیل۔ دار قطنی نے فرمایا: تجنب تدلیس ابن جریج فانہ قبیح التدلیس لا یدلس الا فیما سمعہ من مجروح۔ ملاحظہ ہو (ج ۶ صفحہ ۳۵۹) نیز ص ۳۶۰ پر ہے ابن حبان نے کہا ”کان یدلس“ (جبکہ اس کی یہ روایت بالضعف ہے)۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے امام شافعی نے فرمایا: استمتع ابن جریج بسبعین امرأۃ اھ۔

(۷) صفحہ ۲۴ پر مؤلف کی پیش کردہ مسلم کی روایت کی اسناد میں ابو حصین (عثمان بن عاصم نامی) راوی بھی ہے جس کے متعلق تقریب میں فرمایا ”ربما دلس“۔ تہذیب التہذیب (ج ۷ صفحہ ۱۱۶) میں ہے۔ کان عثمانیاً (قالہ العجلی) اسی طرح یہ راوی نسائی کی روایت میں بھی ہے۔ اور ابن ماجہ کے حوالہ سے اس نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ابوبکر بن عیاش ہیں جنہیں مؤلف اور اس کی پوری پارٹی سخت ضعیف مانتی ہے مگر اس کے باوجود ان سے استناد بھی کیا جا رہا

قالع نے کہا غلط فی آخر عمرہ یرمی بالقدر۔ اور امام احمد نے فرمایا: یقول بالقدر و یکتہمناھ۔

(۳) صفحہ ۲۰ پر مؤلف نے قیام اللیل مروزی کے حوالہ سے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے اس کا ایک راوی عمارہ بن زاذان ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کثیر الخطأ۔ ملاحظہ ہو (تقریب ج ۲ صفحہ ۲۹۹)

نیز امام بخاری نے فرمایا: ”ربما یضطرب فی حدیثہ“ امام ابو داؤد نے فرمایا: ”لیس بذاک“۔ امام ابو حاتم نے فرمایا: لا یحتج بہ امام دار قطنی نے فرمایا: ”ضعیف“۔ ابن عمار موصلی کا قول بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۶۵) نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: فیہ ضعف لیس بشئ ولا یقوی فی الحدیث۔ اھ۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں ابو غالب نامی راوی بھی ہے جس کے بارے میں تقریب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۶۰ میں ہے ”صدوق یخطئ“۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۱۶ میں ہے امام ابو حاتم نے فرمایا لیس بالقوی۔ امام نسائی نے کہا ”ضعیف“۔ ابن سعد نے فرمایا: کان ضعیفاً۔ نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: لا یجوز الاحتجاج بہ الا فیما وافق الثقات۔ اھ۔

(۴) صفحہ ۲۱ پر مؤلف کی بحوالہ مسلم پیش کردہ روایت کی سند میں عمرو بن حارث نامی ایک راوی ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب (جلد ۸ ص ۱۴) میزان الاعتدال (جلد ۳ صفحہ ۲۵۲) میں ہے امام احمد بن حنبل نے فرمایا: قد کان عمرو بن الحارث عندی.... ثم رایت لہ اشیاء مناکیر۔ اھ۔

(۵) صفحہ ۲۲ پر مؤلف نے سنن نسائی کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے اس کے ایک راوی ”حمید الطویل“ ہیں جن کے متعلق تقریب میں فرمایا ”

ہے۔ شاید ”ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔“

دلیل نمبر ۹ پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

تہجد اور تراویح کے دو الگ نمازیں ہونے کی نویں دلیل خود غیر مقلدین کے اپنے عمل سے پیش کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ : ————— اگر تہجد اور تراویح ایک ہے تو غیر مقلدین صرف آٹھ رکعت ہی کو مسنون کہہ کر اسے ہی کیوں پڑھتے ہیں۔ چار، چھ اور دس رکعات تہجد بھی تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ پس وہ انہیں سنت کہہ کر رمضان المبارک میں کبھی کبھی انہیں کیوں ادا نہیں کرتے؟“ ملاحظہ ہو (تحقیق جائزہ صفحہ ۱۶)۔

مؤلف نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ : اور اس کی دلیل نمبر ۹ کا جواب یہ ہے کہ ہم صرف آٹھ رکعت ہی ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ ہم کبھی تیرہ رکعت کبھی گیارہ رکعت کبھی نو رکعت کبھی سات رکعت کبھی پانچ رکعت کبھی تین رکعت اور کبھی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں۔“ ملاحظہ ہو (کلی نامہ صفحہ ۲۶)۔

جو اس کی تلبیس، ہیرا پھیری، اس کا کذب صریح اور ایسا سفید جھوٹ ہے جو محتاج بیان نہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا تھا رمضان المبارک میں آٹھ سے زائد یا کم تراویح کے نہ پڑھنے اور صرف آٹھ پر ہی زور دینے کے متعلق؟ جبکہ ازراہ تلبیس انہوں نے بات چھیڑ دی دوسرے ہمینوں میں اس کے پڑھنے نہ پڑھنے کی۔ پھر ہم نے اس سے سوال کیا تھا تراویح کے بارے میں۔ جبکہ اس نے بحث چھیڑ دی نماز وتر کی۔ اگر یہ درست ہے تو اس سے آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کے نظریہ کا خاتمہ ہو گیا، پھر آئے دن اس پر طوفان بپا کرنے اور سر پھٹول کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اگر ایسا ہے تو مؤلف حلفیہ بتائے کہ اس نے نماز تراویح صرف پانچ یا سات، تین یا ایک رکعت کب اور کہاں اور کس مسجد میں پڑھی، پڑھائی یا پڑھوائی

تھی اور وہ لکھ کر دے کہ اگر یہ اس کا جھوٹ ہو تو اس کے نظریہ کے مطابق واقع ہو جانے والی تین طلاقیں پڑیں؟ بہر حال یہ مؤلف کا ایسا جھوٹ ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے اور جس پر لعنت کے جتنے ڈوگرے برسائے جائیں کم ہے۔

عذر گناہ بد تر از گناہ :-

اس کی توجیہ کرتے ہوئے اور اپنے اس جھوٹ پر پردہ دیتے ہوئے مؤلف نے اس کے فوراً بعد لکھا ہے ”کیونکہ جب ہمارا عقیدہ ہے کہ تہجد، صلوٰۃ اللیل اور وتر سے مراد ایک ہی نماز ہے۔“ الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۶)

جو ”عذر گناہ بد تر از گناہ“ اور ”یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد“ کا صحیح مصداق ہے جس کا تفصیل سے پوسٹ مارٹم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ فیلاحظہ اسی طرح مؤلف نے اس مقام پر ایک بار پھر جو یہ تعلق کی ہے کہ ”تمہاری بیس اور تین یعنی تیس کسی حدیث سے ثابت نہیں۔“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶)۔ اس کی خبر بھی ہم گزشتہ صفحات میں لے چکے ہیں، مؤلف اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے کی غرض سے ایک ہی بات کو بار بار ریپیٹ کر رہا ہے۔

پس اس کا اب اپنے عوام کو خوش کرنے اور خالص دنیا دار طبقہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے انہیں اب یہ نئی سہولت فراہم کرنا کہ وتر بھی تراویح کا دوسرا نام ہے نیز وتر ایک رکعت بھی ہوتا ہے جھوٹ ہونے کے علاوہ نہایت مضحکہ خیز امر بھی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آٹھ رکعات تراویح کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔ چھ پڑھ لو، چار پڑھ لو، دو پڑھ لو، بلکہ صرف ایک پڑھ کر آوارہ گردی میں مصروف ہو جاؤ تو یہ بھی درست ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین سے دور اور سہل پسند قسم کے لوگوں کے دھڑا دھڑ غیر مقلد طبقہ میں شامل ہونے کا حقیقی راز بھی یہی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مؤلف کی ”بودم بے دالی“ کا پوسٹ مارٹم :-

تہجد اور تراویح کو ایک ثابت کرنے کی غرض سے غیر مقلدین کا ایک مشہور مغالطہ ہے کہ اگر یہ دو الگ نمازیں ہیں تو جن تین راتوں میں حضور ﷺ نے تراویح ادا فرمائی تھیں، ان میں علیحدہ تہجد کے پڑھنے کا کیا ثبوت ہے؟ (تحقیق جائزہ میں ہم نے اس کے کئی جواب دیئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ”جن بعض راتوں میں رسول اللہ ﷺ ابتداءً شب سے صبح تک نماز تراویح میں مصروف رہے، ان میں آپ نے مستقلاً نماز تہجد ادا نہیں فرمائی تاہم چونکہ اس تراویح کی ادائیگی نماز تہجد کے وقت تک جاری رہی، اس لئے اس سے نماز تہجد بھی ادا ہو گئی۔“

جس کی نظیر ہم نے یہ پیش کی تھی کہ حسب تصریح علماء اسلام ”نماز چاشت کے وقت میں نماز کسوف کی ادائیگی سے نماز چاشت بھی ادا ہو جاتی ہے۔“ مزید اس کی تائید میں ہم نے مؤلف ہی کے ایک پیشرو مولوی وحید الزماں کی کتاب ”نزل الابرار“ (جلد ۱ صفحہ ۱۳۶) سے یہ اقتباس بھی پیش کیا تھا کہ ”والتراویح تکفی عن التہجد فی رمضان“۔ یعنی ماہ رمضان میں نماز تراویح سے نماز تہجد بھی ادا ہو جاتی ہے۔“ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :- تحقیق جائزہ (صفحہ ۱۸۱)۔

جس کا مؤلف ہے کوئی صحیح جواب نہیں بن پڑا، پس اس نے بات آئی گئی کرنے نیز خانہ پُری کر کے اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے اپنی مخصوص بیہودہ مادری زبان میں ہٹ اور گپ شب کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کی۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں :- ”یہ بریلوی مولوی کہتا ہے کہ آپؐ نے جو تیسری رات تراویح سحری تک پڑھائی تھی اس سے آپ کی تہجد بھی ادا ہو گئی (الی) اب میں پوچھتا ہوں ... جس نے ”نظر“ کے روزوں کی قضائی دینی ہو وہ ان کو رمضان میں رکھ لے تو کیا اس کے رمضان کے روزے بھی ادا ہو جائیں

گے؟ اسی طرح اگر رمضان کے روزوں کی قضائی شوال میں دے تو کیا شوال کے روزے بھی ادا ہو جائیں گے؟ یا دوسرے رمضان میں پچھلے روزوں کی قضائی دے تو کیا دونوں رمضانوں کے روزے ادا ہو جائیں گے؟ اسی طرح اگر ظہر کی نماز پڑھنی ہو تو اس کو عصر کے فرضوں کے ساتھ نیت کر کے پڑھ لے تو کیا اس کی دونوں نمازیں ہی ادا ہو جائیں گی؟ یہ کیسی مخبوط الحواسی اور بودم بے دالی ہے کہ ایک نماز کے ادا کرنے سے دوسری نماز خود بخود ادا ہو جائے کتنی فیاضی ہے (الی) کیا کہنے اس مقلد کے، عقل کو قریب تک نہیں آنے دیتا۔ عقل رہے بھی کیسے؟ تقلید تو عقل کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ مقلد اپنی ساری عقل و شعور اور سوچ بچار اپنے امام کے حوالے کر دیتا ہے اور خود عقل سے عاری ہو جاتا ہے۔ اھ ملخصاً“ بلخلم۔ ملاحظہ ہو: (گالی نامہ صفحہ ۲۷)۔

حالانکہ ہم نے یہ بات بطور کلیہ نہیں لکھی تھی کہ یہ حکم ہر نماز یا ہر عبادت کے لئے ہے پھر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ خود مؤلف کے دھرم کی بعض کتب کے حوالہ سے لکھا تھا جیسا کہ نزل الابرار کا حوالہ ابھی نقل کیا جا چکا ہے۔ کتنی سخت حیرت کی بات ہے کہ احمقانہ باتیں کرے خود یہ غیر مقلد مؤلف، اور عقل و شعور اور سوچ بچار سے عاری ہوں ہم۔ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے اکھڑی اکھڑی باتیں کر کے کم فہمی اور کج بخشی کا مظاہرہ کرے وہ خود اور ”مخبوط الحواسی“ یا ”بودم بے دالی“ قرار پائے ہماری؟ قارئین خود انصاف فرمائیں کہ مؤلف اپنی اس کیفیت کے باعث حیدر آباد کے ہسپتال میں جمع کرانے کے قابل ہے یا نہیں اور ایسی بے ہودہ باتیں کر کے ”مخبوط الحواسی“ اور اپنی ”بودم بے دالی“ کا شکار ہے یا نہیں؟ سچ ہے :-

ع گمراہ خود ہیں اور کہتے ہیں ہمیں غلط کار

اور

ع خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

مسطورہ بالا عبارت میں لفظ ”نذر“ کو ”نظر“ لکھنے والا یہ جاہل مؤلف اگر ہمارے اس جواب سے متفق نہیں ہے تو وہ اتنا بتا دے کہ جب تہجد آپ ﷺ پر واجب تھی جیسا کہ اپنے اسی گالی نامہ میں اس کا اس نے خود اقرار کیا ہے چنانچہ صفحہ نمبر ۹ پر اس نے خود لکھا ہے ”آپ پر تہجد واجب تھی“ جس کے لئے نیند بھی شرط ہے جیسا کہ ہم کئی ٹھوس دلائل سے اسے ثابت کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ نمبر ۱۵) نیز یہ بھی اسے مسلم ہے کہ آپ ﷺ ان تین راتوں میں سے تیسری رات میں بطریق معروف قطعاً نہیں سوئے تھے تو اگر اس رات، تہجد کے وقت میں تراویح کی ادائیگی سے تہجد کے ادا ہونے کا قول نہ کیا جائے تو آپ کی تہجد کیسے ادا ہوئی؟ جب کہ تہجد و تراویح ایک نماز بھی نہیں جسے ہم کئی ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کر چکے ہیں اور یہ کہہ کر کہ ”آپ پر تہجد واجب تھی“ خود مؤلف نے بھی اسے ایک بار پھر تسلیم کر لیا ہے کیونکہ وہ یہ بھی خود کہتا ہے کہ تراویح کو آپ نے بخوف فرضیت ترک فرما دیا تھا (ملاحظہ ہو مسئلہ تراویح صفحہ نمبر ۳) جو ظاہر ہے کہ تہجد و تراویح کے دو مختلف نمازیں ہونے کا واضح ثبوت ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جو چیز آپ پر فرض و واجب تھی معاذ اللہ آپ نے اسے عمداً اور جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا جو مؤلف جیسا کوئی غیر مقلد ہی کہہ سکتا ہے:

س شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پر حماقت تو دیکھتے

روایت سائب رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا پوسٹ مارٹم:-

ہم نے تحقیقی جائزہ کے نائٹیل پر ۲۰ تراویح کی تائید میں بیہقی (کے جلد و صفحہ کی نشاندہی کے بغیر اس) کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی تھی:- ”کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان

بعشرین رکعتہ۔“ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ و تابعین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اؤہم رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔“ ۱ھ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ نائٹیل تبج)۔

اس کے متعلق مؤلف نے یہ بات ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لی ہے کہ یہ حدیث واقعی، بیہقی (کی کتاب سنن کبریٰ) میں موجود ہے پھر اس کے جلد اور صفحہ کا حوالہ دے کر اور یہ لکھ کر کہ ”دیکھو امام بیہقی کی کتاب سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۹۵-۳۹۶۔“ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲) اس امر کو مزید پختہ کر دیا ہے کہ ہم نے یہ حوالہ فی الواقع صحیح دیا تھا جس پر اسے کوئی کلام نہیں۔ البتہ جھوٹ، تلبیس، فریب دہی، مغالطہ آفرینی اور جہالت یا تجاہل سے کام لے کر اور ادھر ادھر کی ہانک کر اس کے مفہوم کو مخ کرنے اور اسے رد کرنے کی غرض سے اس نے ہاتھ پاؤں مارے اور اس پر کچھ جاہلانہ اعتراضات کئے ہیں جن کا پوسٹ مارٹم حسب ذیل ہے:

اعتراض اول کا پوسٹ مارٹم:-

اس پر اس جاہل نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ ہم نے یہ حدیث پوری نقل نہیں کی بلکہ خیانت، کذب بیانی اور بددیانتی سے کام لیتے ہوئے اس کا آخری حصہ ہضم کر لیا ہے جو یہ ہے: وکانوا یقرون بالعمین وکانوا یتوکون علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم وہ سورتیں پڑھتے جن کی آیات سو سو کے قریب ہوتی تھیں اور لمبا قیام کرنے کی وجہ سے اپنی لائٹیوں پر سہارا لیتے تھے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ یہ حصہ ان کے عمل کو باطل کرتا ہے اس لئے اسے ہضم کر گئے الخ (ملخصاً بتغییر یسیر)۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۷۲)

اقول :-

اولاً اس حوالہ سے مؤلف کی اس کذب بیانی اور بدذہابی کی کچھ درگت ہم صفحہ پر بنا آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔

ثانیاً اس جھوٹ موٹ سے مؤلف کا مقصد دراصل اپنی اس خیانت اور بددیانتی پر پردہ ڈالنا ہے جو اس نے روایتِ ام المؤمنین ”فی رمضان و لافى غیرہ“ کے نقل کرنے میں کی تھی اور اس کا آخری حصہ ان عینسی تنامان و لاینام قلبی“ صاف اڑا گئے اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے تھے۔ جس کا اسے خود کو بھی اقرار ہے (جیسا کہ صفحہ پر گزر چکا ہے)۔ پس وہ اس سے اپنے کئے پر نادم ہونے کی بجائے محض معارضہ بالقلب کے طور پر ہمارے ان احتجاجی کلمات کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں جو ہم نے ان کی اس خیانت اور بددیانتی پر بجا طور پر احتجاجاً لکھے تھے جو یہ تھے کہ :- مولانا نہایت ہی شرمناک اور انتہائی مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسے صاف اڑا گئے اور ہضم فرما گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جملے کے نقل کر دینے سے قارئین پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس حدیث میں نمازِ تہجد کا بیان ہے تراویح سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کتب کے دکھائے بغیر ان کی من مانی نہیں چل سکے گی :-

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۸)

ثالثاً :- اس اچھل الناس کو اتنا بھی علم نہیں کہ خیانت اور بددیانتی تب ہوتی ہے کہ کسی عبارت کا کوئی حصہ نقل نہ کرنے سے اس کے مفہوم میں بگاڑ پیدا ہوتا ہو جبکہ اس کے پیش کردہ جملہ کو ذکر نہ کرنے سے اصل بحث پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ اس حصہ میں رکعات تراویح کا کچھ بیان نہیں بلکہ اس میں اس

مقدار قرأت کا ذکر ہے جو اس زمانہ میں تھی اور وہ بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم اس کے کب منکر ہیں جس کا جی چاہے ماہِ مقدس کی ہر رات میں بے شک صبح تک لمبا قیام کرے اور لوگ برداشت کرتے ہوں تو انہیں بھی اپنے ساتھ شامل رکھے کیونکہ یہ محض استعجالی امر ہے وجوبی نہیں جبکہ امام کو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم بھی اس پر مستزاد ہے پھر اگر یہ ہمارے خلاف ہے کہ ہم اتنا لمبا قیام نہیں کرتے تو مؤلف خود کو یا اپنی جماعت کو اس سے کیسے بری الذمہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی تو اتنا لمبا قیام نہیں کرتے جس کا اسے خود بھی اعتراف ہے چنانچہ مؤلف نے اس مقام پر یہ سوالیہ جملہ لکھ کر کہ ”اگر یہ کہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح اتنی لمبی تو اہل حدیث بھی نہیں پڑھتے تو ہم پر طعن کیوں؟“ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ سطر ۱۸) اپنے اس حدیث کے برخلاف ہونے پر رجسری کر دی ہے۔ سبحان اللہ مناظر ہوں تو ایسے ہوں جو :-

ع جاو وہ جو سرچڑھ کر بولے

کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیک جنبش اپنا اور اپنی قوم کا بیڑہ غرق کر دیں۔ البتہ مؤلف کا روایتِ ام المؤمنین کا آخری حصہ غائب کر دینا اس کی واقعی خیانت اور سخت بددیانتی ہے کہ وہ جملہ اس روایت کی جان ہے جس پر اس کے مفہوم کا دار و مدار ہے (جس کی مکمل تفصیل گزر چکی ہے)۔

رابعاً و بطریق آخر :-

مؤلف کا نقل کردہ یہ جملہ ”و کانوا یقرؤن بالمین الخ کئی وجہ سے بیس رکعات تراویح کا ٹھوس ثبوت بھی ہے جو ہمارا بہت بڑا مویذ ہے اگر اسے ذکر نہ کرنے کو خیانت کہا جائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ ہمارا اپنے موقف کی تائید کے جملہ دلائل کا بیان نہ کرنا ہماری خیانت اور بددیانتی ہے جسے کوئی احق سے احق شخص بھی زبان پر نہیں لا سکتا ورنہ کیا مؤلف نے اپنے موقف

کے جملہ دلائل بیان کئے ہیں؟ اگر کہیں ہاں! تو لکھ دیں تاکہ ان کی ”وغیرہ وغیرہ“ کی قلعی کھولی جاسکے اور اگر کہیں نہیں؟ تو وہ خیانت کیوں نہیں؟ نیز مؤلف نے خود اپنے اسی رسالہ میں جگہ جگہ پر نامکمل آیات و احادیث نقل کی ہیں پس وہ کیوں خیانت نہیں؟ علاوہ ازیں اس سے امام بخاری سے لے کر تمام چھوٹے بڑے وہ محدث بھی خائن قرار پائیں گے جو بکثرت احادیث کے اطراف پیش کرتے ہیں جو اس فن کے خادم پر کسی طرح مخفی نہیں۔ تو کیا مؤلف کو یہ گوارہ ہے؟۔

عبارت لہذا میں تراویح کی دلیل ہے :-

کچھ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ :

۱۔ جس پہلی کی جس جلد کے صفحہ نمبر پر یہ عبارت مرقوم ہے اسی کے صفحہ نمبر ۴۹۷ پر یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج فرماتے ہیں :- ”فکان القاری یقوم بسورة البقرة فی ثمان رکعات فاذا قام بها فی اثنتی عشرة رکعة رأی الناس انه قد خفف“۔ یعنی اس زمانہ میں (تراویح پڑھانے والے) قاری صاحب سورۃ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں ختم کرتے تھے پس جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں ختم فرماتے تو لوگ کہتے کہ (انہیں مختصر نماز پڑھا کر) ان سے تخفیف کر دی گئی ہے اھ۔ اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما کے استاذ الاساتذہ امام اہل مدینہ امام مالک رحمہ اللہ کی سرزمین مدینہ پر مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی کتاب موطا مالک (صفحہ طبع کراچی) میں بھی ہے۔

اس عبارت کے الفاظ ”فاذا قام بها فی اثنتی عشرة رکعة“۔ اپنے اس مفہوم میں واضح ہیں کہ اس دور میں تراویح صرف آٹھ رکعات نہیں بلکہ اس سے زائد پڑھی جاتی تھی جو میں تھی جیسا کہ دوسری کئی صحیح و صریح روایات میں موجود ہے جس کی کچھ تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے۔ جو زیر بحث الفاظ ”و

کانوا یقرؤن بالمئین الخ“۔ کے ہیں تراویح کے ثبوت کی واضح دلیل ہے پس اگر ان کے نقل نہ کرنے کو خیانت کہا جائے جیسا کہ خائن مؤلف نے کہا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے اپنی فیور کے الفاظ کو نہ لا کر اپنے ہی دلائل میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو نہایت درجہ مضحکہ خیز اور قطعاً بعید از عقل ہے کیونکہ خیانت ہمیشہ اپنے مخالف کے دلائل میں کی جاتی ہے نہ کہ اپنے مسوید دلائل میں۔ پس مؤلف کا اپنی اس ”من تکی“ کے ذریعہ اسے خیانت کہنا واقعی اس کے بابائے غیر مقلدیت ہونے کی دلالت مطابقیہ ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں اسی پہلی میں اسی صفحہ نمبر (۴۹۷) پر ہے :- زید بن وہب نے کہا:- کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یر و حنا فی رمضان یعنی بین الترویجین الخ یعنی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیں دو ترویجوں کے درمیان (ہر چار رکعت تراویح کے بعد) تھکان اتارنے کے لئے وقفہ دیتے تھے۔ یہ عبارت بھی بحث فی عبارت کے ہیں تراویح کی دلیل ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ اس میں ہر ترویج کے بعد وقفہ کا بیان ہے جبکہ اسی کی مکمل رکعات کے مجموعہ کو ”تراویح“ (بصیغہ جمع) کہا جاتا ہے۔ جسے مؤلف نے بھی کئی بار ”تراویح“ کہہ کر ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا ہے چنانچہ اس کے لفظ ہیں :- ”آپ چار رکعات نماز (تراویح) اتنی اچھی اور لمبی پڑھتے الخ“۔ ملاحظہ ہو :- (مسئلہ تراویح صفحہ ۳)۔ اگر صرف آٹھ رکعتیں ہوتیں تو اسے تراویح نہ کہا جاتا اور منقولہ بالا عبارت میں اس طرح ہوتا کہ آپ ہمیں پہلے ترویج کے بعد وقفہ دیتے تھے۔ ولکن اذ لیس فلیس۔

لہذا بحث فی غیر متعلق عبارت کے نہ لانے کو مؤلف کا ہماری خیانت کہنا خود اس کی اپنی خیانت ہے۔ بھلا اپنے خلاف نیز اپنے دلائل کا وزن گھٹانے کے لئے بھی کوئی اپنی فیور کی دلیل میں خیانت کیا کرتا ہے۔

ع خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

۳۔ علاوہ ازیں زیر بحث عبارت ”وكانوا يقرءون بالمئين الخ“ اس لئے بھی بیس تراویح کے ثبوت کی دلیل ہے کہ اسی پہنچتی میں اسی صفحہ (۳۹۷) پر ابو عثمان نہدی سے منقول ہے :- ”دعا عمر بن الخطاب بثلاث قراء فاستقر بهم فامراسرهم قراءۃ ان يقرء للناس ثلاثین آية و امر اوسطهم ان يقرء خمساً و عشرين و امر ابطاهم ان يقرء للناس عشرين آية“۔ یعنی حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تراویح میں قرآن سننے کے لئے تین قاریوں کو بلایا جن میں سے ایک تیز رفتاری سے، دوسرا درمیانہ رفتار سے اور تیسرا سست رفتاری سے پڑھنے والا تھا پس آپ نے تیز رفتار کو ہر رکعت میں تیس تیس آیات، درمیانی رفتار والے کو پچیس پچیس آیات اور سست رفتار والے کو بیس بیس آیات کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اھ۔

یہ عبارت بھی اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ عبارت ”وكانوا يقرءون بالمئين الخ“ بیس تراویح کی دلیل ہونے کا روشن ثبوت ہے کیونکہ اگر وہ تراویح آٹھ رکعات پڑھتے ہوں تو فی رکعت تیس آیات کے حساب سے کل آیات دو سو چالیس۔ پچیس کے حساب سے دو سو اور بیس کے حساب سے ایک سو ساٹھ آیات بنتی ہیں پس اوسط درجہ تخمینہ سے ایک پارہ ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات کا بھی شمار کیا جائے جیسا کہ پارہ نمبر ۲ اور پارہ نمبر ۶ اسی تعداد پر مشتمل ہیں تو دو سو چالیس آیات کے حساب سے دو پارے اور تقریباً ”دو رکوع منزل بنے گی اور دو سو آیات کے حساب سے بائیس آیات کم، دو پارے بنیں گے جبکہ ایک سو ساٹھ آیات کے حساب سے چند آیات زائد سوا پارہ منزل بنے گی اگر برسمیل تنزل ہم یہ بھی مان لیں کہ سست رفتار والے قاری صاحب دو سو چالیس آیات (دو پارے اور تقریباً ”دو رکوع“) پڑھتے تھے اور بقول مؤلف آٹھ رکعات ہوتی تھیں نیز یہ بھی مان لیں کہ پہلے ترویجہ (چار رکعات تراویح) کے پڑھ لینے کے بعد اتنی ہی دیر وقفہ کرتے تھے جتنی دیر ان چار رکعات پر لگتی تھی تو اس حساب

سے آٹھ تراویح اور پوری نماز عشاء پر کل وقت جو صرف ہوتا ہو گا وہ تین گھنٹے بائیس منٹ (۳ گھنٹے ۲۲ منٹ) قرار پائے گا کیونکہ سست رفتاری سے پڑھنے کے حوالہ سے فرض کیجئے کہ چالیس منٹ میں فی پارہ پڑھتے تھے تو دو سو چالیس آیات (دو پاروں اور تقریباً ”دو رکوع“) پر تپچاس منٹ صرف ہوتے ہوں گے۔ فی رکعت تین منٹ رکھ لیں تو آٹھ کے حساب سے چوبیس منٹ یہ ہو گئے۔ نیز چون منٹ چار تراویح کے بعد وقفہ کے اور نماز عشاء کے سنن و نوافل اور فرض و وتر (۱۷ رکعات) اکیاون منٹ۔ یہ کل دو سو چودہ منٹس ہوئے جس کے تین گھنٹے بائیس منٹس بنتے ہیں۔ پس اگر وہ نماز عشاء آٹھ بجے رات کو بھی شروع کرتے ہوں تو اس حساب سے گیارہ بج کر بائیس منٹ پر فارغ ہو جاتے ہوں گے جبکہ وہ تراویح میں نسبتاً ”قیام ہی کو لمبا کرتے تھے (کما فی غیر واحد من النصوص) اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جب نماز عشاء کی کل رکعات سترہ قرار دی جائیں۔ اگر غیر مقلدین کے حساب سے دیکھا جائے تو چونکہ وہ عموماً صرف چار فرض دو سنت اور ایک وتر پڑھتے ہیں اس لئے تیس منٹ مزید اس سے منہا ہو جائیں گے اور ان کی فراغت گیارہ بج کر چار منٹ پر قرار پائے گی جو خلاف واقعہ ہے کیونکہ اسی پہنچتی میں صفحہ ۳۹۷ پر صراحت کے ساتھ مرقوم ہے اس تراویح کے ایک شریک بزرگ فرماتے ہیں :- کناننصرف من القيام فی رمضان فیستعجل الخادم بالطعام مخافة الفجر“ یعنی ہم تراویح رمضان سے اتنی دیر سے فارغ ہوتے کہ خادم، سحری بڑی جلدی سے لانا کیونکہ طلوع فجر کا خطرہ ہو جاتا تھا۔

اسی طرح دیگر متعدد کتب حدیث میں بھی ہے جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس نے موطا مالک، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور آثار السنن کے حوالہ سے لکھا ہے حضرت سائب فرماتے ہیں :- ”وما کننا ننصرف الا فی فروع الفجر“ جس کا ترجمہ اس نے خود اس طرح سے کیا ہے :- ”اور صبح کے قریب ہم نماز (تراویح) سے فارغ ہوتے تھے“ اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو۔ (مسئلہ

پس یہ جملہ (و ما کننا ننصرف الا فی فروع الفجر) متذکرہ بالا حساب کے مطابق بحمد اللہ تعالیٰ ہیں تراویح کے ثبوت کی روشن دلیل اور اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ زیر بحث عبارت ”و کانو یقرؤن بالمیثن“ ہیں تراویح کی بین دلیل ہے پس اسے نقل نہ کرنے کو مؤلف کا کھینچا تانی سے خیانت پر محمول کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب وہ ہمارے موقف کی دلیل ہے تو کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے اپنا ہی مواد کم کرنے کے لئے اس میں خیانت کا ارتکاب کر لیا۔ بہر حال مؤلف کا اسے خیانت کہنا قطعاً بے جا اور اہل عقل کے نزدیک نہایت درجہ غلط ہے اور یہ مؤلف جیسے کسی غیر مقلدیت ماب کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے:

ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

اعتراض دوم کا پوسٹ مارٹم:-

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی بحث فیہ اس روایت (عشرین رکعت) پر دوسرا اعتراض اس جاہل و عیار مؤلف نے یہ کیا ہے کہ ان کا یہ قول شاذ مردود ہے کیونکہ یہ لفظ ان سے یزید بن عبد اللہ بن خنیفہ کے طریق سے مروی ہیں جبکہ ان کے ایک اور شاگرد محمد بن یوسف نے ان سے گیارہ رکعات روایت کی ہیں۔ محمد بن یوسف ابن خنیفہ سے اوثق ہیں کیونکہ ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے تہذیب التہذیب میں انہیں ثقہ ثبت لکھا ہے اسی لئے ذہبی نے میزان میں ان کا ذکر تک نہیں کیا جبکہ ابن خنیفہ کو اگرچہ ثقہ ثبت کہا گیا ہے مگر امام احمد بن حنبل نے اسے منکر الحدیث کہا ہے جس سے ان کی ثقاہت میں کمی واقع ہو گئی پس وہ صرف ثقہ ہوئے اور ثقہ جب اوثق کے خلاف روایت کرے تو اس کی وہ روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔ اھ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۴-۵)

مؤلف کا یہ قول خود شاذ مردود اور اس کا یہ اعتراض نہایت درجہ غلط اور اس کی تلبیس و جہالت یا تجاہل کا نتیجہ ہے کیونکہ اولاً اس اعتراض کا مبنی محمد بن یوسف کی اس روایت (احدی عشرۃ رکعت) کو غیر مؤول طور پر اسے اپنے ظاہر پر رکھنا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم وہ اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ مؤول ہے یا پھر معطل ہے کیونکہ

(۱) اگر اسے اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ دور فاروقی میں لوگ وتر سمیت گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو حساب کے مطابق نماز عشاء سمیت ان کا اس سے فارغ ہو جانے کا مجموعی ٹائم زیادہ سے زیادہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بنتا ہے جو رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہے جبکہ وہ نماز عشاء آٹھ بجے شروع کرتے ہوں۔ جبکہ دوسری کئی متعدد صحیح احادیث میں ہے کہ وہ اس سے صبح کے بالکل قریب فارغ ہوتے تھے جب سحری کا ٹائم نہایت قلیل رہ جاتا تھا جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے (جیسا کہ مکمل تفصیل کے ساتھ ابھی چند سطر پہلے)۔

اعتراض اول کا پوسٹ مارٹم کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اسے دوبارہ ضرور ملاحظہ فرمائیں)۔ پس اسے آٹھ تراویح کی دلیل بنا کر پیش کرنا حقیقت ثابتہ اور عقل سلیم کے قطعاً خلاف ہے مگر مؤلف کو عقل سے کیا تعلق؟

(۲) علاوہ ازیں خود محمد بن یوسف موصوف سے بھی آٹھ کی بجائے ہیں تراویح بھی منقول ہیں چنانچہ علامہ یعنی عمدة القاری میں اور امام ابن عبد البر التیمیہ (جلد ۸ صفحہ ۱۱۸) نیز علامہ نیموی آثار السنن (صفحہ ۲۳۹) اور التعلیق (صفحہ ۲۷۹) میں مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے لکھا ہے:-

عبد الرزاق عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی

رمضان علی ابی بن کعب و تمیم الداری علی احدى و عشرين
رکعتاً (واللفظ لابن عبدالبر)

تنبیہ نبیہ :-

اس روایت میں "احدی و عشرين رکعة" کے الفاظ میں لفظ "احدی" کتابت کی غلطی یا کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہے جس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث عظیم محدث بھی سالم نہیں۔ جس کی تفصیل کتاب "بیان خطا البخاری" نیز رفع یدین کے موضوع پر لکھے گئے ہمارے ایک رسالہ میں بھی ہے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں کہ ہر ایک کے حسب مقام نسیان خاصہ انسان ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اسے غلط کتابت اور غلطی ناسخ کہنا اولیٰ ہے جس کی دلیل وہ متعدد صحیح روایات ہیں جن میں سیدنا حضرت ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے تین وتر کے پڑھانے کا ذکر ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد دلائل سے اسے مبرہن فرماتے ہوئے کئی نصوص سے ثابت کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثة مثل المغرب یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے قرآن مجید کے سب سے بڑے قاری حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (رمضان المبارک میں تراویح کے بعد حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کو) تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اس طرح سے کہ آپ نماز وتر کی تیسری رکعت ہی پر سلام پھیرتے تھے اور اسے نماز مغرب کے تین فرضوں کی صورت پر ادا فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو :- (التمہید جلد ۸ صفحہ ۱۱۵ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)۔

ابن خضیفہ ابن یوسف سے اوثق ہیں :-

مؤلف کا محمد بن یوسف کو یزید بن عبداللہ بن خضیفہ سے محض اپنی طرف

سے اوثق کہہ کر ان کی اس (زیر بحث) روایت کو شاید مردود کہنا بھی خلاف واقعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابن خضیفہ ابن یوسف سے اوثق ہیں پس اگر ان کی بیان کردہ روایات کے مطابق ۱۱ اور ۲۳ میں حقیقی تعارض مان لیا جائے جیسا کہ مؤلف نے اپنی کم علمی اور کج فہمی کی بناء پر سمجھ رکھا ہے جو قطعاً صحیح نہیں جیسا کہ اس کی "صحیح توجیہ" کے زیر عنوان عنقریب آ رہا ہے تو مؤلف کے تحریر کردہ اس قاعدہ کی رو سے محمد بن یوسف کی بیان کردہ گیارہ رکعات والی روایت ہی شاید مردود قرار پائے گی۔ چنانچہ محمد بن یوسف کی توثیق میں صرف "ثقة ثبت" کے الفاظ منقول ہیں اور انہیں صرف احمد بن صالح نے ثبت کہا اور باقیوں نے صرف ثقة کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۷۱ نیز تقریب صفحہ ۳۲۵) جبکہ ابن خضیفہ کے بارے میں متعدد ائمہ و نقاد سے "ثقة" اور "ثبت" کے علاوہ "ثقة حجة" "عابد" "ناسک" کثیر الحدیث اور "ثقة مامون" کے الفاظ بھی مروی و منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو :- (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۷ طبع ملتان)۔

لطفہ :-

مؤلف کو جس راوی سے طبع ہو اور وہ اس کی کسی روایت کو اپنا مفید مطلب سمجھتا ہو تو وہ اس کی بڑی قصیدہ خوانی کرتا ہے اگرچہ دل سے اس کا ذرہ بھر قائل نہ ہو۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے اصحاب و متعلقین سے سخت عناد ہے مگر بائینہم ان کے تلمیذ رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کو محض اس بناء پر کئی مرتبہ "امام" امام اور نہایت سچا لکھ دیا ہے (جیسا کہ اس گالی نامہ کے صفحہ ۲ اور ۷ وغیرہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے)۔ یہی طریقہ اس نے اس مقام پر اپنایا ہے۔ چنانچہ اس نے محمد بن یوسف کی ۱۱ والی روایت کی اہمیت جتانے کی غرض سے اسے "امام محمد بن یوسف" لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۵-۶)۔

ایک ضمنی عیاری کا پوسٹ مارٹم :-

اسی طرح اس کی اہمیت دکھانے کی غرض سے مؤلف نے عیاری سے کام لیتے ہوئے محمد بن یوسف کے متعلق لکھا ہے :- امام سائب بن یزید سے ان کا بھانجا امام محمد بن یوسف بیان کرتا ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۶)۔ جس سے اس کا مقصد نہایت عیاری سے لوگوں کو یہ باور کرانا ہے کہ محمد بن یوسف، حضرت سائب کے بھانجے ہیں پس وہ ان کے گھر کے فرد ہوئے لہذا گھر والا ہی بہتر سمجھتا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے (مَا الْبیت اور ی بمافیہ)۔ حالانکہ اولاً اسی تہذیب اتہذیب میں (جس کا مؤلف نے حوالہ دیا ہے) ان کے بارے میں دو قول لکھے ہیں ایک یہ کہ وہ حضرت سائب کے بھانجے ہیں دوسرا یہ کہ وہ ان کے بھتیجے ہیں ملاحظہ ہو (تہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۴ طبع ملتان) جو مؤلف کی خیانت ہے۔ ثانیاً "حقیقت یہ ہے کہ ابن خنیفہ بھی حضرت سائب کے قریبی عزیز اور ان کے خاندان کے فرد ہیں چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن عبدالبر کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں :- "انہ ابن اخی السائب بن یزید"۔ یعنی میں تراویح کے راوی (ابن خنیفہ حضرت صحابی رسول سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کے بھتیجے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب اتہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۷)۔

مؤلف کی بودم بے دالی :-

مؤلف نے تصویر کا محض ایک رخ سامنے رکھ کر جو یہ ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے وہ اس کی شدید عیاری اور سخت تلبیس ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے۔ پھر اس عبارت میں اس نے محض اپنی فیور کا سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسی غرض سے حضرت سائب کو بھی "امام سائب" کر کے لکھا ہے۔ پھر یہ دیکھ کر قارئین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ اس نے حضرت سائب کی بیس رکعات تراویح والی روایت کا ذکر کرتے ہوئے ان کا نام لیا تو انہیں صرف "سائب

بن یزید" لکھا اور امام کا لفظ نہیں لکھا ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۴) جس سے اس کے لفظوں میں اس کی "بودم بے دالی" پر روشنی پڑتی ہے۔

روایت ابن خنیفہ کی مزید وجہ ترجیح :-

محمد بن یوسف کی بحث فیہ روایت کے مرجوح اور ابن خنیفہ کی ۲۰ تراویح والی اس روایت کے رائج ہونے کی ایک نہایت ٹھوس دلیل یہ بھی ہے کہ ایسے امت کی تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ دور اول سے لے کر آج تک کوئی ایک بھی اہل سنت امام ایسا نہیں جو تراویح کے بیس سے کم ہونے کا قائل ہو جن میں ائمہ اربعہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر اور سرفہرست ہیں۔ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو محمد بن یوسف کی اس روایت کے راوی بھی ہیں وہ بھی بیس اور ایک اور روایت کے مطابق ۳۶ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور آٹھ تراویح ان کا مذہب ہونا کسی ایک بھی صحیح دلیل سے ثابت نہیں و من ادعی فعلیہ البیان (جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے)۔

خود مؤلف اینڈ کمپنی کے خلاف :-

پس یہ روایت مؤول ہے یا پھر مغل جسے درحقیقت خود مؤلف اینڈ کمپنی بھی نہیں مانتے کیونکہ اولاً "ان کا بلند بانگ نعرہ ہے کہ "اہل حدیث کے دو اصول - اطيعوا اللہ و اطيعوا الرسول"۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک صحابہ و تابعین وغیرہم کے اقوال و آثار حجت نہیں بلکہ ان کے گھر کی کتابوں میں اس کی تصریح بھی موجود ہے جیسا کہ ان کی کتاب عرف الجادی وغیرہ کے حوالہ سے ہم تحقیقی جائزہ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶)۔ ثانیاً "اس میں وتر کے تین رکعت ہونے کی تصریح موجود ہے جس کا عملی دنیا میں مؤلف قائل ہے نہ اس کا ہوا خور۔ کیونکہ وہ وتر صرف ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ رہا ان کا یہ دعویٰ کہ وہ ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱ وغیرہ وتر کے بھی قائل ہیں

اس کا ان سے عملی ثبوت کوئی نہیں بلکہ یہ محض ان کا زبانی جمع خرچ ہے۔ پس اگر یہ روایت مستند اور معتبر ہے تو انہیں یہ بھی اقرار کرنا ہو گا کہ نماز وتر کا تین رکعت ہونا بھی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے (جیسا کہ احناف کا مذہب ہے) ورنہ یہ ان کی ”میٹھا ہپ“ کڑوا تھو“ والی بات ہوگی۔

امام احمد سے منسوب روایت سے جواب :-

ری امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے منسوب یہ روایت کہ انہوں نے ابنِ خنیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے (جیسا کہ مؤلف نے تہذیب التہذیب اور میزان کے حوالہ سے لکھا ہے)؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی تہذیب التہذیب اور اسی میزان الاعتدال میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام موصوف نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے۔ چنانچہ اول الذکر میں (جلد ۱۱، صفحہ ۲۹۷ پر) ہے :- قال الاثرم عن احمد وابو حاتم والنسائی ثقہ اور ثانی الذکر میں (جلد ۴، صفحہ ۴۳۰ پر) ہے وثقة احمد من رواية الاثرم عنه "خلاصہ ترجمہ یہ کہ (جلیل القدر محدث فقیہ، حافظ بلکہ احفظ واثقن) تہذیب التہذیب جلد ۱، صفحہ ۶۷ (امام احمد بن حنبل) اثرم سے روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل نے ابن خنیفہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

مگر مؤلف نے اسے چھوٹا تک نہیں جو یقیناً اس کی وجل و تلبیس اور یہودیانہ مجرمانہ خیانت ہے ورنہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا باقی ساری عبارت اسے نظر آگئی تھی جب یہاں پر پہونچا تو اس کی آنکھیں چندھیا کر بیکار ہو گئی تھیں۔ پس اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امام احمد نے اپنے اس قول سے (اگر فرمایا تھا تو) رجوع فرما لیا تھا۔ اگر یہ نہ مانا جائے تو تاریخ کی عدم تعین نیز ان میں سے کسی کی تقدیم و تاخیر متعین نہ ہونے کے باعث دونوں قول متعارض ہو کر ساقط قرار پائیں گے کہ اذا تعارضتا تساقطا۔ پس اس سے ابن خنیفہ کی

ثقات میں کوئی کمی نہ ہوئی جیسا کہ کم فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مؤلف نے کہا ہے۔ (وللہ الحمد) کیونکہ محض جرح کا منقول ہو جانا ہی کسی راوی کو مجروح قرار دینے کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب ایک ایسے راوی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں جس پر سلیمانی نے طعن کیا ہے :- "قلت الرجل ثقہ مطلقاً فلا عبرة بقول السلیمانی" ملاحظہ ہو (لسان المیزان جلد ۳، صفحہ ۳۳۹)

صنع ذہبی سے جواب :-

رہا یہ کہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں محمد بن یوسف کا ترجمہ نہیں لائے اور ابن خنیفہ کو انہوں نے اس میں ذکر کیا ہے جو ثانی الذکر کے اول الذکر سے ثقات میں کم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ علامہ موصوف اپنی اس کتاب میں صرف اسے لاتے ہیں جو مجروح ہو؟ (ملخصاً) ملاحظہ ہو صفحہ ۵

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً میزان کی تالیف سے علامہ موصوف کا مقصد اپنی طرف سے اپنا عندیہ اور فیصلہ دیتے ہوئے کسی راوی کو غیر ثقہ یا کم ثقہ قرار دینا نہیں بلکہ اس سے ان کا مقصود اس موضوع پر جمع اقوال ہے عام ازیں کہ وہ صحیح و ثابت ہوں یا نہ ہوں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر وہ بعض ناقدین کی جرحیں نقل کرنے کے بعد ان کا پُر زور انداز سے رد فرماتے ہیں۔ نیز انہوں نے اس کی تصریح فرماتے ہوئے خود بھی لکھ دیا ہے کہ ابن عدی وغیرہ نے یہ لفظ نہ لکھے ہوتے تو میں کبھی اس میں ان کا ذکر تک نہ کرتا۔ ملاحظہ ہو (میزان ج ۱، صفحہ ۲)

ثانیاً "جرح و تعدیل" امور ظنیہ و اجتہادیہ سے ہیں پس کسی راوی کے بارے میں کسی کی جرح کا مقصد زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تحقیق یہ ہے جس کا واقعہ صحیح ہونا کچھ لازم نہیں۔ پس انہوں نے ابن خنیفہ پر فی الواقع

جرح کی بھی ہوتی تو یہ محض ان کا اپنا عندیہ ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے قطعاً ایسا نہیں کیا بلکہ وہ دونوں روایتیں ذکر کر کے خاموشی سے گزر گئے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں کو متعارض پھر ساقط سمجھتے تھے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے نزدیک امام احمد کا وہ قول رائج ہے جس میں ان سے ابن خنیفہ کی توثیق منقول ہے کیونکہ وہ اسے زوردار طریقہ سے سر فہرست لائے ہیں اور ”منکر الحدیث“ والے قول کو ڈھیلے ڈھالے لفظوں میں بعد میں ذکر کیا ہے چنانچہ توثیق کا قول ان لفظوں میں لکھا ہے :- وثقہ احمد من رواۃ الاثر عنہ پھر امام ابو حاتم، امام ابن معین اور امام نسائی کے اقوال توثیق لکھنے کے بعد دوسری روایت ان لفظوں میں لکھی ہے :- روی ابو داؤد ان احمد قال منکر الحدیث خود امام احمد پھر ان کے بعد ان تین ائمہ فن کے اقوال توثیق لانے کے بعد دوسری روایت کے لانے سے ان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت بے وقعت ہے۔ پھر ”وثقہ“ اور ”روی“ کے لفظوں کے پس پردہ جو نمایاں فرق ہے وہ بھی اہل ذوق سلیم سے کسی طرح مخفی نہیں۔ مگر عقل سلیم اور ذوق سلیم کی عظیم نعمتوں سے غیر مقلد مؤلف کا کیا واسطہ؟

صحیح توجیسہ :-

پس ان حقائق و دلائل کی رو سے محمد بن یوسف سے منقول گیارہ روایت (امر عمر بن الخطاب ابی ابن کعب و تمیما الداری ان یقوموا للناس باحدی عشرة رکعة الخ) کی صحیح توجیسہ یہ ہوئی کہ بیس رکعات تراویح وہ دونوں آدمی آدمی پڑھاتے تھے باقی ایک رکعت کی کمی یہ محض القاء کسر کے قاعدہ کے پیش نظر ہے کیونکہ نماز وتر کا تین رکعات پڑھنا ان سے ٹھوس دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ اگر پھر بھی یہ توجیسہ نہ مانیں تو خلاف حقیقت

ہونے کے باعث یہ روایت مقلد ٹھہرے گی۔ حسیم صاحب جسے آسان سمجھیں اختیار فرمائیں۔

جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اعتراض سوم :- (جھوٹ اور افتراء) کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے ”الرفع والتکمیل“ کا نام لے کر ابن خنیفہ کی زیر بحث اس روایت پر تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ :- ”ابن خنیفہ والا قول گنتی کے لحاظ سے مضطرب بھی ہے یعنی ابن خنیفہ سائب بن یزید سے کبھی بیس رکعتیں بیان کرتا ہے اور کبھی اکیس رکعتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں (الی) لہذا اس اضطراب کی وجہ سے بھی یہ مرجوح اور مردود ہوا یعنی حجت نہ رہا۔ سائب بن یزید سے محمد بن یوسف اور ابن خنیفہ دونوں کے مروی قول سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ پر امام بیہقی نے ذکر کیے ہیں“ اھ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۶)

جو اس کا محض بلا دلیل دعویٰ ہے ”الرفع والتکمیل“ کی اصل عبارت پیش نہیں کی بلکہ یہ اس نے اپنے لفظوں میں گھسی پٹی اردو میں لکھ دیا ہے۔ جرات ہے تو سیاق و سباق کے ساتھ اس کی اصل اور مکمل عبارت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نسبت کا اس کے مؤلف (منسوب الیہ) سے صحیح ہونا کسی مستند دلیل سے ثابت کرے۔ بالفرض ہو بھی سہی تو اولاً کتاب مذکور کے مؤلف کی کئی تالیفات مدسوس ہیں۔ ثانیاً وہ ہمارے معتمد قسم کے ذمہ دار علماء میں سے بھی نہیں۔ باقی امام بیہقی شافعی مقلد کی کتاب سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ کے حوالہ سے جو اس نے لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ابن خنیفہ نے اکیس اور گیارہ رکعت بھی حضرت سائب سے بیان کی ہیں؟ تو یہ اس کا اس صدی کا بہت بڑا جھوٹ اور امام بیہقی شافعی پر سخت افتراء ہے۔ سنن کبریٰ کی مذکورہ جلد کے مذکورہ صفحہ پر تو کجا اس کی اس پوری جلد میں بلکہ اس کی مکمل

..... جلدوں میں سے کسی ایک جلد میں بھی قطعاً اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ سچا ہے تو اس کے جلد، صفحہ و مطبع کے ضبط کے ساتھ اس کی اصل عبارت پیش کرے۔ پس اس کا اس سے بڑھ کر کوئی بہتر جواب نہیں کہ لعنة الله على الكذابين۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

اضطراب کس کی روایت میں :-

حقیقت یہ ہے کہ یہ مختلف بیانات ابن خنیفہ کے نہیں بلکہ مؤلف کے زعم کے مطابق اس کی فیور کی، محمد بن یوسف کی روایت کے ہیں۔ چنانچہ موطا مالک صفحہ ۹۸، تہقی جلد ۲، صفحہ ۳۹۶ الحاوی للفتاویٰ میں بحوالہ سعید بن منصور نیز مصنف میں ان سے گیارہ رکعات۔ قیام اللیل مروزی میں ان سے تیرہ رکعات اور التہمید (لابن عبد البر جلد ۸، صفحہ ۱۱۸) میں بحوالہ مصنف عبد الرزاق ایکس رکعات مروی ہیں۔ پس اگر اسے مؤلف کی فہم نارسا کے مطابق اضطراب کہہ کر اسے مرجوح و مردود کہا جائے تو یہ اعتراض خود مؤلف کی مزعومہ دلیل پر عائد ہو گا نہ کہ ہماری دلیل پر۔ مگر ہمارے نزدیک اس میں بھی درحقیقت قطعاً کوئی اضطراب نہیں بلکہ یہ سب ۲۰ تراویح کی محکم دلیل ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی صفحہ پر گزر چکی ہے۔ (اما رواية "ثلاثة عشرة كما في قيام الليل فهي في الحقيقة" إحدى عشرة" والمراد من الركعتين الزائدتين هما اللتان بعد الوتر وتفصيل الباقي في "أحدى عشرة" و "أحدى وعشرين" جسما من انفاً)

ع نہ صدے تم ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے رازِ سر بستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اعتراض چہارم کا پوسٹ مارٹم :-

رہا اس کا یہ اعتراض کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی فلاں فلاں روایت کو فلاں فلاں باب میں لائے ہیں وغیرہ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۷۶)؟ تو یہ اس کی سخت تلیس اور ہاتھ کی صفائی ہے جس کا مکمل پوسٹ مارٹم ہم اپنے اس رسالہ کے صفحہ پر کر آئے ہیں فلیلا حظ ہناک جس کے پڑھنے کے بعد اگر اس میں ذرہ بھر بھی تنوید ہے تو آئندہ ایسی بے ہودہ بات زبان و نوک قلم پر کبھی نہیں لائے گا۔ (یا علی بدو)

مسئلہ "متابعت" میں مؤلف کی کج فہمی اور بھینگا پن :-

مؤلف نے اپنے مغالطہ نامہ (رسالہ مسئلہ تراویح) میں روایت سائب "أحدى عشرة" کو خوش فہمی سے اپنی دلیل گردانتے ہوئے بڑے طمطراق سے لکھا تھا کہ "سائب بن یزید سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے ماہ رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں" الخ۔ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

جس کے کئی دندان شکن اور متعدد مسکت اور مسقط جوابات میں سے (دراستی حوالہ سے اسے مخدوش بتاتے ہوئے) اس کا ایک باطل شکن جواب ہم نے یہ دیا تھا کہ "ہمارے نزدیک اس حدیث کا متن اپنے ظاہر معنی میں ثابت نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ :-

گیارہ رکعات کے پڑھانے کا حکم دینے کے لفظ صرف امام مالک نے روایت کیے ہیں جس میں حضرت سائب کے شاگرد محمد بن یوسف کے دوسرے دو شاگردوں میں سے اور کسی نے ان کی متابعت نہیں کی الخ" ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶) جو ایک حقیقت ثابتہ بالکل بجا اور عین صواب ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ محمد بن یوسف کا اور کوئی ایسا شاگرد نہیں جس نے امام مالک کی طرح

”امر عمر“ کے لفظ روایت کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہو۔ مگر مؤلف نے حقیقت کا چہرہ مسخ کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے اس کے جواب میں نہایت درجہ شوخ چٹشی اور دیدہ دلیری سے یہ لکھ دیا ہے کہ ”محمد بن یوسف سے گیارہ رکعتوں کو بیان کرنے میں امام مالک متفرد نہیں بلکہ امام مالک کی جلیل القدر دو اماموں نے متابعت کی ہے (۱) امام یحییٰ بن سعید قطان (الی) (۲) امام عبدالعزیز بن محمد“ اھ ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۲)

پھر اپنی پُرانی عادت کے مطابق ہمیں اپنی ماوری زبان میں یہ گلی بھی سنا دی ہے :- ”لیکن اندھے کو سورج کیسے نظر آئے“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۳) حالانکہ یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد میں سے کسی نے بھی ”امر عمر“ کے لفظ یا اس کا مکمل مفہوم ادا کرنے والے اس قسم کے کوئی الفاظ روایت نہیں کیے جب کہ ہمارا مطالبہ بھی گیارہ کو بیان کرنے کا نہیں گیارہ کا حکم دینے کی متابعت کے ثبوت کا تھا۔ پس مؤلف کی اس ہاتھ کی صفائی اور ہیرا پھیری کو اس پر تلیس کذب بیانی کا نتیجہ نہ کہا جائے تو یہ یقیناً اس کی کج فہمی یا ضرور اس کا بھینگا پن ہے۔ تب ہی تو اسے ایک کے دو نظر آنے لگے اور اس نے اپنے اسی وصف جمیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ امام مالک ”کی جلیل القدر دو اماموں نے متابعت کی ہے“ ورنہ وہ خود ہی فرمائیں کہ بھینگا پن آخر اس کے علاوہ ہوتا کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو نصف النہار کی طرح اس روشن حقیقت سے آنکھیں بند کر لینے کے باعث یہ اس کا وہی وصف حمید قرار پائے گا جسے اس نے اپنے اس قیمتی جملے میں بیان فرمایا ہے (حیث قال) ”اندھے کو سورج کیسے نظر آئے“۔ (صدق یا کبیر امثالہ ای واللہ)

یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں اصل کتب حدیث سے اصلی الفاظ کے لکھنے کی بجائے اپنے ایک نہایت درجہ متعصب قسم کے غیر مقلد مولوی (صاحب تحفۃ الاحوزی) کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ادعائے محض کر

کے بطور حوالہ تحفۃ الاحوزی کے حوالہ پر اکتفاء کیا ہے تاکہ اس کی یہ ہیرا پھیری بآسانی نہ پکڑی جاسکی مگر

ع تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں

کے پیش نظر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ

ہ ہر جامہ کے سے خوانی پوش
من اندازِ قدرت را سے شناسم

متابعت کے واویلا کی حقیقت :-

مؤلف کے اس جھوٹ اور اس کی اس ہیرا پھیری کو واضح کرنے کے لیے ہم اس حقیقت سے بجا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پس زیر بحث روایت کے مطابق گیارہ رکعت کے امر فاروقی کے بیان کرنے میں محمد بن یوسف کا متابع نہ ہونے کے حوالہ سے ہمارے اس مختصر اور جامع جملہ (کہ جس کو یہ غبی و اجل، بناستی مجتہد نہ سمجھ سکا اس) کی تفصیل یہ ہے کہ صحابی رسول حضرت سائب بن جریجؓ سے ہمارے مطالعہ کے مطابق یہ بحث فیہ روایت کتب حدیث میں ان کے جن تلامذہ کے ذریعہ مروی و منقول ہے، وہ کل تین ہیں جو یہ ہیں :-

۱۔ محمد بن یوسف (جو حسب تصریح حافظ ابن حجر حضرت سائب کے بھانجے یا بھتیجے بھی ہیں اقالہ فی تہذیب التہذیب۔ ملاحظہ ہو : مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲، صفحہ ۲۸۱، آثار السنن صفحہ ۲۵۰ مع التعلیق صفحہ ۲۸۱، ۳۹۱، ۳۹۲، موطا مالک عربی صفحہ ۹۸۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶۔ الحاوی للفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۴۹ و آثار السنن صفحہ ۲۵۰، والتعلیق الحسن صفحہ ۴۸۰ بحوالہ سعید بن منصور نیز قیام اللیل مروزی صفحہ ۲۸۰ والتعلیق صفحہ ۲۷۹۔ نیز یعنی شرح بخاری جلد ۵، صفحہ ۳۵۷، التہذیب جلد ۸، صفحہ ۱۱۸ و آثار السنن صفحہ ۲۲۹ بحوالہ عبدالرزاق۔

۲- یزید بن عبد اللہ بن خنیفہ (جو ابن خنیفہ کے نام سے معروف ہیں اور ان کے متعلق بھی حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ بھی حضرت سائب کے قریبی عزیز اور ان کے بھتیجے لگتے ہیں) (کافی تہذیب التہذیب) - حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ نیز معرفۃ السنن للبیہقی - آثار السنن صفحہ ۲۵۱-۲۵۲ - الخلاصۃ للزوی - نصب الراية، شرح المنہاج للسیکی، شرح موطا للعلامة علی القاری اور الحاوی للفتاوی للیوطی)۔

۳- اور حضرت سائب سے یہ روایت لینے والے ان کے تیسرے شاگرد حارث بن عبد الرحمن بن ابی الذباب ہیں جو ابن ابی الذباب کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (التمہید شرح موطا مالک لابن عبد البر جلد ۸، صفحہ ۱۱۳ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)

ابن ابی الذباب کا بیان :-

ابن ابی الذباب نے حضرت سائب سے وتر کے علاوہ بیس تراویح کا ہونا بیان کیا ہے ولفظہ "وكان القيام على عهد بثلاث وعشرين ركعة" ملاحظہ ہو (التمہید جلد ۸، صفحہ ۱۱۳)

ابن خنیفہ کا بیان :-

حضرت سائب سے ابن خنیفہ کا بیان بھی یہی ہے کہ دو فاروقی میں وہ اور دوسرے صحابہ و تابعین وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے جو ابن خنیفہ سے ان کے دو شاگردوں محمد بن عبد الرحمن المعروف ابن ابی الذباب اور محمد بن جعفر نے بیان کیا ہے چنانچہ ابن ابی الذباب کے لفظ ہیں کہ "كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ في شهر رمضان بعشرين ركعة" الخ ملاحظہ ہو (سنن کبریٰ جلد ۲، صفحہ ۴۹۶)

اور محمد بن جعفر کے لفظ ہیں کہ :- "كنا نقوم في زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر" ملاحظہ ہو (معرفۃ السنن، آثار السنن، نصب الراية، شرح المنہاج للسیکی، شرح موطا علی القاری اور الحاوی للفتاوی جسما مر)

محمد بن یوسف کا بیان :-

جب کہ اس روایت میں حضرت سائب کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کے مختلف تین بیان ہیں جو ان سے ان کے پانچ شاگردوں داؤد بن قیس، محمد بن اسحق، یحییٰ بن سعید، عبد العزیز بن محمد الدر اور دی اور امام مالک نے روایت کیے ہیں۔ چنانچہ ۱- داؤد بن قیس کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی اور حضرت تمیم کی اقتداء میں وتر کے علاوہ بیس تراویح کے پڑھنے کا پابند فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو (یعنی شرح بخاری، آثار السنن - التہمید لابن عبد البر بحوالہ مصنف عبد الرزاق)۔ ۲- محمد بن اسحاق کے طریق سے ۱۳

رکعات کا پڑھنا منقول ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں :- السائب بن یزید

قال كنا نصلي في زمن عمر رضی اللہ عنہ في رمضان ثلاث عشرة ركعة " ملاحظہ ہو - (قيام الليل مروی - آثار السنن صفحہ ۲۵۰، التلخیص صفحہ ۲۷۹)

۳- ۴- ۵- یحییٰ بن سعید، عبد العزیز بن محمد الدر اور دی اور امام مالک کے طریق سے گیارہ رکعت کا پڑھنا مروی ہے جب کہ اس کا حضرت فاروق اعظم کے حکم سے ہونا صرف امام مالک سے منقول ہے دوسرے دو حضرات نے اس کا امر فاروقی سے ہونا بیان نہیں کیا۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید کے لفظ اس طرح ہیں :- "ان عمر جمع الناس على ابی و تمیم فکانا یصلیان احدی عشرة ركعة الخ" ملاحظہ ہو :- (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲، صفحہ ۳۹۱، ۳۹۲) عبد العزیز بن محمد کی روایت ان لفظوں میں ہے :- "كنا نقوم في

زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ باحدی عشرہ رکعة " الخ۔ ملاحظہ ہو :- (الحاوی للفتاویٰ جلد ۱، صفحہ ۳۳۹ آثار السنہ صفحہ ۲۵۰ نیز التعلیق صفحہ ۲۸۰ بحوالہ سعید بن منصور) جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے یہ روایت بایں الفاظ منقول ہے :- عن السائب بن یزید انه قال قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوموا للناس باحدی عشرہ رکعة " ملاحظہ ہو :- (موطأ مالک صفحہ ۹۸، طبع کراچی، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲، صفحہ ۴۹۶ طبع نشر السنہ ملتان)

معلوم ہوا کہ دورِ فاروقی میں گیارہ رکعت کے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے امر اور آپ کے حکم سے ہونے کے بیان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قطعاً متفقہ ہیں جس میں دو تو کجا ان کا کوئی ایک بھی متابع نہیں۔ لہذا تحقیقی جائزہ میں ہمارا یہ کہنا کہ ”گیارہ رکعات کے پڑھانے کا حکم دینے کے لفظ صرف امام مالک نے روایت کیے ہیں جس میں حضرت سائب کے شاگرد کے دوسرے دو شاگردوں (یعنی یحییٰ بن سعید اور اور عبد العزیز بن محمد) میں سے اور کسی نے ان کی متابعت نہیں کی۔ الخ“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶)

مطابق واقعہ اور مؤلف کا یہ کہنا کہ ”امام مالک کی جلیل القدر دو اماموں نے متابعت کی ہے“ اس کا چمکتے دن میں نہایت درجہ شرمناک، سفید جھوٹ اور کھلی کذب بیانی ہے۔ یا پھر ”بیان“ اور ”امر“ کو خلط ملط کر کے اس کی سخت تلبیس اور کم علمی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے جب کہ بر تقدیر تسلیم ان کا گیارہ رکعات کا بیان بھی قطعاً ہمارے خلاف نہیں جیسا کہ ان روایات کی تطبیق کے بیان میں صفحہ پر گزر چکا ہے فلیملاحظہ۔

فائدة مهمة وتنبیه نبیه :-

فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ أَنَّ ابْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَصَلِّي

بالرجال و تمیما الداری (رضی اللہ عنہ) کان یوم بالنساء فعلى هذا ينكسر
التطبيق المذكور والجواب يمكن ان يكونا رضي الله عنهما يؤمان
كلاهما بالرجال اولا كل منهما باحدى عشرة ركعة ثم نصب
الفاروق تمیما للنساء وبعد قطع النظر عن هذا فالرواية معللة لانها
لم يعمل عليها احد من الائمة لاسيما الاربعة منذ القرن الاول الى الان
وهذا من علامات وضع الحديث على ما قالوا (فافهم وتدبر واحفظه
ينفعك كثيرا ويذب عنك غير واحد من الاسئلة المتوجهة حول
هذه المسئلة المتهمة)

تقریر امام مالک سے جواب کا پوسٹ مارٹم :-

امام مالک رحمہ اللہ کے اس واقعی تفرو کے واقعہ کو عوام پر اپنی بناسی
علیت کا بے جا رعب جھاڑنے کی غرض سے مؤلف نے مفروضہ قرار دے کر اس
کی جو توجیہ پیش کی ہے، وہ بھی اسے کسی طرح مفید نہیں۔ چنانچہ اس حوالہ سے
اس نے لکھا ہے :- ”بالفرض اگر امام مالک کی متابعت کرنے میں محمد بن یوسف کا
اور کوئی شاگرد نہ بھی ہوتا تو بھی کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ امام مالک سب محدثین
کے نزدیک بلکہ ساری امت کے نزدیک بالاتفاق مسلم امام ہیں روایت کرنے میں
ان کا تفرو قاتل حرج نہیں اھ بلفظہ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲، ۴۳)

مؤلف کا یہ جواب ” ضرورت ایجاب کی مال ہے “ کا مصداق اور ” میٹھا
 ہپ “ کزوا تھو “ کا آئینہ دار ہے کیونکہ وہ اور ان کے ہوا خور امام مالک رحمۃ اللہ
 علیہ کی متعدد روایات میں محض ان کا تفرد کہہ کر اور اسی کو بہانہ بنا کر رد کرتے
 ہیں جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اختلافی رفع یدین کے بارے میں امام مالک
 نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اس طرح بیان کیا ہے کہ ”
 رفعہما دون ذلک “ یعنی آپ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی

رفع یدین کے لیے تکبیر تحریر کی رفع یدین کی بہ نسبت اپنے دونوں ہاتھ نیچے اٹھاتے تھے جیسا کہ سنن ابی داؤد اور خود اپنی کتاب موطا مالک میں بھی ہے۔ جس کا مال یہ ہے کہ وہ یہ اختلافی رفع یدین سرے سے کرتے ہی نہیں تھے۔ کما حقہ شیخنا العلامة الفقیہ الاعظم والمحدث الافخم امام المناظرین سیّدی العلامة المفتی محمد اقبال السعیدی دامت برکاتہم زینۃ مسند الحدیث فی الجامعة الاسلامیۃ انوار العلوم الواقعة بالبلدۃ المبارکۃ ملتان تحریراً و تقریراً

پس اس موقع پر انہیں یہ سب کچھ کیوں بھول جاتا ہے (فینا للعجب ولضیعة العلم والعدل والادب) حقائق سے اغماض کرنے کے بعد اس مقام پر مؤلف نے اپنی ہی ترجمانی کرتے ہوئے واقعی بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ”اندھے کو سورج کیسے نظر آئے“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۳)

فضول تکرار :-

مؤلف نے محض خانہ ساز طریقہ اور کھینچا تانی سے ابن خنیفہ کے طریق سے مروی حضرت سائب کی بیس تراویح والی روایت کو ”شاؤ مردود“ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اس پر رسالہ کے آغاز میں کم و بیش ساڑھے تین صفحات اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴ تا صفحہ ۷) جس کا مکمل پوسٹ مارٹم ہم گزشتہ سطور میں کر آئے ہیں۔ پھر اسی بحث کو وہ صفحہ ۴۳ پر دوبارہ لایا ہے جو فضول تکرار اور محض اپنے اس گلی نامہ کا حجم بڑھانے کی ناکام کوشش ہے۔

روایت حارث بن ابی الذباب پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی ابن ابی الذباب کے طریق سے مروی منقولہ بالا روایت کو منکر اور خود انہیں ضعیف کہا ہے اور حوالہ کے لیے

تہذیب التہذیب جلد دوم اور میزان الاعتدال جلد اول کا نام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۳)

اقول :-

اولاً مؤلف نے یہ کہہ کر کہ ”صرف ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے“ ان کے اس قول کے نقل کرنے میں بہت بڑی خیانت کی ہے چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں ابن حبان کے بارے اس طرح لکھا ہے :- ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان من المتقنین ”یعنی امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ حارث بن ابی الذباب متقنین میں سے ہے یعنی ان راویوں میں سے ہے جو روایت اور حدیث میں بہت پختہ ہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ج ۲، صفحہ ۱۲۸ طبع ملتان) مگر مؤلف نے اسے اپنے خلاف ہونے کے باعث عاقبت اس میں سمجھی ہے کہ اسے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا۔ نیز اسی میزان الاعتدال کے اسی جلد کے اسی صفحہ پر دوسرے محدثین کا کلام نقل کرنے سے پہلے علامہ ذہبی نے اس کی توثیق کرتے ہوئے چھوٹے ہی لکھا ہے :- ”ابن ابی الذباب عن المقبری نقۃ“ جسے مؤلف نے صاف اڑا دیا جو اس کی اس مقام پر دوسری مجرمانہ خیانت ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف نے خود تسلیم کیا ہے کہ امام ابن معین نے اسے ”مشہور“ اور امام ابو زرہ نے لیس بہ پاس کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کی روایت ایسی نہیں جو گئی گزری ہو جب کہ وہ حقیقت میں بر تقدیر تسلیم محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت سے متعارض بھی نہیں جیسا کہ اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔ جب کہ اسے منکر کہنے کی بنیاد بھی مؤلف کے نزدیک یہی امر ہے۔ ثانیاً بغرض تسلیم اس حوالہ سے یہ روایت اس امر کی صالح ہے کہ روایت ابن خنیفہ کی مؤید قرار پائے اور اس کی حیثیت محض تائیدی ہو۔

(فلاذیر)۔ جب کہ ابن خضیفہ کی روایت کئی وجہ سے محمد بن یوسف کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ معتمد ہے (کما مرینانہ سابقاً)

لطیفہ :-

مؤلف اینڈ کمپنی جب ابن حبان کو بزعم خویش ہمارے خلاف پیش کریں تو وہ انہیں امام، امام کہہ کر پکارتے ہیں ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۸ وغیرہ) اب وہی ابن حبان ہیں جنہیں مؤلف ”صرف ابن حبان“ کہہ کر ٹھکرا رہا ہے جو اس کے اپنے لفظوں میں یقیناً ”اس کی بوم بے والی ہے۔“

مؤلف کی مزعومہ دو متابعتوں کی حقیقت :-

مؤلف نے جن روایتوں کو امام مالک کی متابعت کے طور پر پیش کیا ہے ان میں سے یحییٰ بن سعید کی روایت کے لیے اس نے مصنف ابن ابی شیبہ اور عبدالعزیز بن محمد کی روایت کے لیے سنن سعید بن منصور کا حوالہ پیش کیا ہے اور ان دونوں حوالوں کے لیے اس نے اپنے ہی ایک غیر مقلد مولوی عبدالرحمن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب تحفۃ الاوذی جلد ۲، صفحہ ۷۳ سے نقل لگائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ”مصنف ابن ابی شیبہ“ کا دیکھنا نصیب ہوا ہے نہ ہی اس کے پاس سنن سعید بن منصور ہے۔ اللہ رے پھر بھی دعویٰ اجتہاد۔

ع ہوا مینڈکی کو زکام اللہ اللہ

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضر۔ کیونکہ اولاً ”ہم نے مطلقاً متابعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ ہمارا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات کے حکم فرمانے کی متابعت پیش کی جائے جس میں مؤلف تاحال بری طرح ناکام رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت

تو آسکتی ہے وہ مگر ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنا اس کے بس سے باہر کی بات ہے کہ

ع یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مثالیا ”یحییٰ بن سعید کی روایت کی سند میں ابن ابی شیبہ کے شیخ ابو محمد عبداللہ یونس کا ترجمہ پیش کیا جائے۔“

مثالیا ”دوسری روایت کے جس راوی (عبدالعزیز بن محمد دراوردی) کو مؤلف نے محض اپنا الو سیدھا کرنے اور اپنی مطلب برآری کی غرض سے حسبِ عادت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسی مقصد کے لیے انہیں بار بار امام امام کہہ کر پکارا ہے اس کی پسندیدہ بلکہ معتمدہ کتب تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں ائمہ محدثین کی بڑی سخت جرحیں موجود ہیں۔ چنانچہ امام ابو زرہ نے اسے سنی الحفظ کہا۔ نسائی نے فرمایا قوی نہیں۔ ابن سعید نے کہا ثقہ ہے کثیر الحدیث ہے مگر حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہے۔ اسی کی مانند ابن حبان نے کہا ہے ساجی نے کہا کثیر الوہم ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب حافظہ کے زور پر بیان کرے تو وہم کرتا ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ ابوحاتم نے کہا قابلِ احتجاج نہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۳۱۶۔ میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۶۳۳)۔ نوٹ :- بعض محدثین نے دراوردی موصوف کی توثیق بھی کی ہے مگر مؤلف کا اصول یہ ہے کہ وہ بالخصوص ہمارے دلائل میں اس قسم کے راوی پر دانت پیتے ہوئے اسے کلیۃً خارج از اعتماد قرار دیتا اور اس کی روایت کو مردود، مردود کہہ کر پکارتا ہے جیسا کہ اس نے امام عبدالرزاق پر جرح کرتے ہوئے یہ اصول اپنایا ہے جس کی تفصیل ابھی چند سطور بعد آرہی ہے۔

رابعاً :- بر تقدیر تسلیم کہ یہ روایتیں ہمارے حسبِ مطالبہ روایت مالک کے متابع اور صحیح ثابت ہیں پھر بھی اسے یہ کچھ مفید ہیں نہ ہمیں کسی طرح

مفسر۔ کیونکہ (جمعاً) بین الادلة و تطابقاً (بالحقیقة) ان کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابی اور حضرت تمیم دونوں کو علیحدہ علیحدہ گیارہ گیارہ پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔ باقی ایک رکعت القاء کسر کے قاعدہ کے مطابق مذکور نہ ہوئی۔

خامسا:- یہ بھی نہ مانا جائے تو یہ روایت بہر حال مطلق ٹھہرے گی کہ یہ خلاف حقائق ہے (جس کی تفصیل گزر چکی ہے) امام عبدالرزاق پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم:-

ہم نے حضرت سائب کی بیس تراویح والی روایت (جو ان سے یزید بن خنیف نے لی ہے اس) کی محمد بن یوسف کے طریق سے مروی ۱۱ رکعات والی روایت پر رائج ہونے کی مصنف امام عبدالرزاق کے حوالہ سے ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ ”ایک روایت کے مطابق خود محمد بن یوسف کے طریق سے ۱۱ کی بجائے ان سے ۲۰ رکعات تراویح مروی ہیں جیسا کہ امام بخاری و مسلم کے استاذوں کے استاذ امام عبدالرزاق کی کتاب المصنف میں ہے“ (ملاحظہ ہو) تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۶ (۲۷)

مؤلف نے اس کے جواب میں حوالہ کے طور پر میزان الاعتدال اور ”تہذیب التہذیب“ کا نام لے کر لکھا ہے:- یہ روایت بھی شاذ یا منکر ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیونکہ عبدالرزاق بن ہمام..... مختلف فیہ راوی ہے یعنی محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے اور تضعیف بھی۔ یعنی اسے ثقہ امام محدث، حافظ، خزانۃ العلم، احد الاعلام الثقات کہنے کے ساتھ ساتھ غالی شیعہ سنی الحفظ منکر الحدیث فیہ نظر وغیرہا الفاظ سے اس پر جرح کی گئی ہے وہ آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا۔ اس کے نابینا ہونے کے بعد امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن معین وغیرہ محدثین نے اس سے حدیث لینا چھوڑ دی تھی..... تو اس جرح کے سبب ان کی ثقاہت میں کمی ہو گئی الخ“ (ملاحظہ ہو) (گالی نامہ صفحہ ۲۳)

اقول:-

یہاں بھی مؤلف نے اپنی پرانی عادت کے مطابق سخت ہیرا پھیری، جھوٹ، تلیس اور جہالت یا تجاہل سے کام لے کر اپنے عوام کو خوش کرنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے پس اس روایت پر اس کی یہ جرح عارف روی کے اس ارشاد کا مصداق ہے۔

ہم فشانہ نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقت خود مے تند

مؤلف کی سخت کذب بیانی:-

مؤلف کا یہ کہنا کہ امام عبدالرزاق موصوف کو محدثین ”غالی شیعہ“ سنی الحفظ، منکر الحدیث اور فیہ نظر“ کہا ہے اس کی سخت کذب بیانی ہے۔ ان کے ترجمہ میں نہ تو میزان الاعتدال میں ان الفاظ میں سے کوئی لفظ ہے اور نہ ہی تہذیب التہذیب میں ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی صداقت اور رتی کی مقدار بھی سچائی ہے تو ان کتب کی متعلقہ جلد و صفحہ و مطبع کے ساتھ ساتھ اصل عبارت پیش کرے۔ مؤلف نے اپنے اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے اصل عبارت نقل نہیں کی کہ اس کی یہ چوری پکڑی جائے گی۔ قارئین کچھ دیر تو مطمئن یا پریشان ہوں گے۔

مؤلف کے جھوٹ کا ایک اور ثبوت:-

مؤلف نے خود تسلیم کیا ہے کہ محدثین نے ان کی توثیق کرتے ہوئے انہیں ثقہ امام، محدث، حافظ، خزانۃ العلم اور احد الاعلام الثقات بھی کہا ہے۔ جو اس کے مذکورہ دعویٰ کے جھوٹ ہونے کی روشن دلیل ہے کیونکہ جو اتنا گیا گزرا ہو کہ غالی شیعہ، سنی الحفظ اور منکر الحدیث ہو اس پر ثقہ امام حافظ، خزانۃ العلم اور

احد الاعلام الشقاق کے بلند رتبہ القاب کیونکر صادق آسکتے ہیں اور وہ ان معزز القاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

ایک اور کاری ضرب :-

مؤلف کو جھوٹ بولنے کا اس قدر خط ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کا وہ جواب کہیں اس کے لئے ”گل گھوٹو“ تو نہیں بن جائے گا۔ کہنا یہ ہے کہ عبدالرزاق موصوف، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہا (اصحاب صحاح ستہ وغیرہم) کے استاذ الاساتذہ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم (وغیرہا کی سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں۔ تو کیا مؤلف بالخصوص بخاری اور مسلم کی ان روایات پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہیں بیک جنبش قلم شاذ اور منکر و مردود کہے گا جن میں عبدالرزاق موصوف راوی ہیں) یا یہ حکم صرف ۲۰ تراویح کی روایت پر عائد ہوتا ہے؟ خدا را انصاف۔

امام عبدالرزاق اور رافضیت :-

مؤلف کا امام عبدالرزاق کو غالی شیعہ (یعنی رافضی) کہنا اس کا ان پر شدید افتراء اور سخت بہتان ہے۔ اسی میزان الاعتدال اور اسی تہذیب التہذیب میں جس کا مؤلف نے حوالہ کے طور پر نام لیا ہے کئی جلیل القدر محدثین اور خود انہی کی زبانی اس کی تردید موجود ہے۔

چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۲، صفحہ ۶۱۰) اور تہذیب التہذیب (جلد ۶ صفحہ ۲۸۰) میں ہے :- امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں :- میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا هل كان عبدالرزاق يتشيع ويفرط التشيع فقال اما انا فلم اسمع منه في هذا شيئا يعني کیا عبدالرزاق غالی شیعہ تھے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے ان سے اس بارے میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں سنی جس

سے ان کا غالی شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (واللفظ للثانی)

نیز اسی میزان الاعتدال (ج ۲ صفحہ ۶۱۲ پر) اور اسی تہذیب التہذیب کی اسی جلد کے اسی صفحہ پر ہے :- وہی امام عبداللہ فرماتے ہیں میں نے سلمہ بن شیب سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے عبدالرزاق سے سنا وہ کہہ رہے تھے :- واللہ ما انشرح صدري قط ان افضل عليا علي ابى بكر و عمر رحم الله ابا بكر و عمر و عثمان من لم يحبهم فما هو مؤمن وقال اوثق اعمالى حبى اياهم ”یعنی دلائل شریعت کی رو سے کوئی ایسی تسلی بخش دلیل مجھے قطعاً نہیں مل پائی کہ جس کے حوالہ سے میں حضرت علی کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے افضل کہوں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان پر اللہ کی رحمت ہو، جو ان سے محبت نہیں رکھتا وہ مؤمن نہیں۔ میرے تمام نیک اعمال میں سب سے بڑا نیک عمل ان حضرات سے میری محبت ہے۔

نیز انہی میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے انہی صفحات پر ہے امام عبدالرزاق نے فرمایا :- ”افضل الشيخين بتفضيل علي اياهما علي نفسه ولو لم يفضلهما ما فضلتهما كفي بي از دراء ان احب عليا ثم اختلف قوله“ یعنی میں شیخین کریمین (حضرت صدیق و حضرت فاروق) کو حضرت علی سے اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ انہوں نے انہیں خود سے افضل قرار دیا۔ اگر حضرت علی انہیں خود سے افضل نہ سمجھتے ہوتے تو میں حضرت علی پر ان کی تفضیل نہ کرتا۔ مجھ پر یہی بد نما دہیہ اور کلنگ کا ٹیکہ کافی ہے کہ میں حضرت علی سے محبت کا دعویٰ کروں پھر ان کے ارشاد کی خلاف ورزی بھی کروں اھ۔

اسی میزان الاعتدال (ج ۲ صفحہ ۶۱۳) میں ہے :- ابو بکر بن زنجویہ نے کہا ”سمعت عبدالرزاق يقول الرافضى كافر“ یعنی میں نے عبدالرزاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رافضی (غالی شیعہ) کافر ہیں اھ۔

اس کیفیت سے قبل کی اور ان کی وہ جملہ روایات جو انہوں نے اپنی کتاب سے بیان کی ہو سب صحیح ہیں۔ پس اس حوالہ سے پیش نظر روایت (۲۰ تراویح) کے متعلق اس کا اوایلہ تب درست ہو گا کہ وہ اس کا بعد تغیر ہونا ثابت کرے جو

ع ”اس خیال است و محال است و جنوں“

کا مصداق ہے (کما سیاتی) چنانچہ امام احمد نے فرمایا ”من سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع“ (تہذیب التہذیب جلد ۶، صفحہ ۲۸۹) (میزان جلد ۲، صفحہ ۶۰۹)

نیز ابن شیبہ نے کہا کان یلقن فلقنہ ولیس ہو فی کتبہ (میزان جلد ۲، صفحہ ۶۱۰)

لہذا امام عبدالرزاق کی بیان کردہ اس (زیر بحث) روایت پر مؤلف کی نقل کردہ جرح کی زدا اس وقت پڑے گی جب اس کا ان سے ان کے تغیر کے بعد مروی ہونا ثابت ہو اس کے بغیر مؤلف کی اس تقریر کی حیثیت یادہ گوئی سے کم نہ ہوگی جب کہ ان کی اس روایت کا قبل تغیر ہونا بھی ثابت ہے (کما سیاتی)

امام عبدالرزاق، امام احمد کی نظر میں :-

مؤلف نے امام احمد پر جو جھوٹ بولا اور ان افتراء باندھا ہے (جس کی تفصیل مع الرد سطور بالا میں گزر چکی ہے) اس کی حقیقت کو کھولتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالرزاق کے بارے میں امام احمد بن حنبل کے جو قیمتی تاثرات منقول ہیں ان کو نقل کر دیا جائے۔ چنانچہ جس میزان الاعتدال اور جس تہذیب التہذیب سے مؤلف نے امام عبدالرزاق کے بارے میں وہ نام کی جرحیں نقل کی ہیں، ان میں انہی مقامات پر لکھا ہے (جہاں سے مؤلف نے قطع و برید سے کام لے کر بزم خود اپنے من مانے الفاظ لیے ہیں) ”قال احمد بن صالح المصري قلت لاحمد بن حنبل رایت احدا احسن

حدیثاً من عبدالرزاق قال لا“ یعنی امام احمد بن صالح مصری نے فرمایا میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ محدثین میں آپ نے کوئی ایسا محدث بھی پایا ہے جو امام عبدالرزاق سے فتن حدیث میں بڑھ کر ہو؟ آپ نے فرمایا :- نہیں! اھ ملاحظہ ہو :- (میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۶۱۳ - تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹)

امام بخاری کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے :-

زیر بحث روایت (۲۰ تراویح) امام عبدالرزاق کی کتاب ”مصنف“ میں مروی و منقول اور موجود ہے جب ائمہ محدثین کے نزدیک ان کی اس کتاب کی جملہ روایات ان کی ذات کے بارے میں منقول محدثین کی جرحوں سے بالا تر ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں (جلد ۲ صفحہ ۶۱۰ پر) ارقام فرماتے ہیں :- ”وقال البخاری ما حدث عنه عبدالرزاق من كتابه فهو اصح“ یعنی صحیح بخاری کے مؤلف امام بخاری نے فرمایا عبدالرزاق جو حدیثیں اپنی کتاب کے حوالہ سے بیان کریں تو وہ اصح (زیادہ صحیح) ہیں اھ۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ روایت صحیح بلکہ اصح ہے پس مؤلف نے میزان الاعتدال کے متعلقہ مقام کو پڑھتے وقت نقل عبارات میں مجرمانہ خیانت اور قطع و برید سے کام لیا ہے یا پھر اس مقام پر پہنچتے ہی ان کی آنکھوں پر پٹی آگئی تھی یا عینک کے شیشہ کا نمبر بڑھ گیا تھا

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے؟

امام عبدالرزاق کو مؤلف کے رافضی قرار دینے کی وجہ :-

مؤلف نے امام عبدالرزاق کے بارے میں ”تشیع“ وغیرہ اس سے ملتے جلتے الفاظ کو دیکھ کر انہیں غالی شیعہ (رافضی) کہہ دیا ہے جو اس کی تلیس نہیں تو اس کی سخت جہالت ہے کیونکہ تشیع وغیرہ جیسے الفاظ محدثین کی خاص اصطلاح

ہیں جن سے ان کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ وہ ان سے کسی راوی کا رافضی ہونا بیان کر رہے ہیں بلکہ جس راوی کے متعلق (خصوصاً امام ذہبی) یہ لفظ بولتے ہیں تو ان سے وہ محض یہ بتاتے ہیں کہ یہ راوی حضرت معاویہ کی بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا طرف دار تھا بلکہ بعض اجلہ نے تو یہاں تک بھی تصریح فرمادی ہے کہ دور قدیم میں شیعہ اولیٰ کے الفاظ خود غلصین اہل سنت کے لیے بولے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے اس جیسے الفاظ کو نقل کرنے سے پہلے ہی ان کا مفہوم واضح فرما دیا تاکہ مؤلف جیسا کوئی بد باطن، سیاہ رو اور کج فہم شخص اسے کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو مغالطہ نہ دے سکے، وہ اپنی اسی کتاب میزان الاعتدال میں ارقام فرماتے ہیں :- فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفہم ہو من تکلم فی عثمان الزبیر و طلحة و معاویة و طائفة ممن حارب علیاً علیہ السلام و تعرض لسبہم۔ والغالی فی زماننا وعرفنا هو الذی یکفر ہولاء السادة ویتبراء من الشیخین ایضاً الخ

”ملاحظہ ہو جلد ۱، صفحہ ۶)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ فارسی (صفحہ ۱۰ طبع استامبول (ترکی) میں ارقام فرماتے ہیں :- فرقہ شیعہ اولیٰ و شیعہ غلصین کہ پیشوایان اہل سنت و جماعت اند بر روش جناب مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبار و ازواج مطہرات و پاسداری ظاہر و باطن با وصف وقوع مشاجرات و مقاتلات و صفائے سینہ و برأت از غل و نفاق گذرانیدند و اینہارا شیعہ اولیٰ و شیعہ غلصین نامند و اس گروہ من جمیع الوجوہ (ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الا یہ الحجۃ: ۴۲) از شر آں التلیس پر تلیس محفوظ و مصون مانندند و لوٹے بد امن پاک آہنہا از نجاست آں جہیت نرسید و جناب مرتضوی در خطب خود مدح اینہا فرمود و روش اینہا را پسندید اھ۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ متقدمین و متأخرین میں سے کسی کی

اصطلاح کے مطابق بھی امام عبدالرزاق پر غالی شیعہ ہونے کی تعریف صادق نہیں آتی جب کہ روافض اور حضرات خلفاء ثلاثہ کے گستاخ کے کافر اور بے ایمان ہونے کا قائل ہونا بھی ان سے ثابت ہے (جیسا کہ صفحہ پر ابھی گزرا ہے)۔ نیز ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مقام پر مؤلف کی غلط فہمی کی بنیاد اس کا تشیع اور شیعہ غالی یا رافضی کی اصطلاحات سے عدم واقفیت اور اس کی جہالت ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل نے ان کے غالی شیعہ ہونے سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ نیز جب کہ انہوں نے اور امام بخاری نے ان کے بارے میں اصح اور احسن حدیث کے لفظ ارشاد فرما کر عملی طور پر ”اغلی فی التشیع“ ”لا تقدر مجلسنا“ کی روایات کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ ذہبی ”ابان بن تغلب“ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ”شیعی جلد لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ“ جب کہ اس کی بارے میں کان غالباً فی التشیع کے لفظ بھی ابن عدی کے حوالہ سے نقل کیے ہیں اور اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ لم یکن ابان بن تغلب یعرض للشیخین اصلاً“ بل قد لیعتقد علیا افضل منہما اھ ملاحظہ ہو (جلد ۱، صفحہ ۶۵) جب کہ امام عبدالرزاق اس تفصیل کے بھی قائل نہیں (کما مر) پس عقیدہ تفضیل کے باوجود ”ابان“ مذکورہ قائل احتجاج ہے تو امام عبدالرزاق جو اس سے کوسوں دور ہیں کیوں لائق احتجاج نہیں؟

قول نسائی ”فیہ نظر“ کا صحیح محمل :-

امام نسائی سے ان کے بارے میں ”فیہ نظر“ کے الفاظ بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ ان کا ایک خاص مفہوم ہے جس کی وضاحت پوری عبارت کے دیکھنے سے ہوتی ہے چنانچہ ان کے مکمل الفاظ اس طرح ہیں :- ”قال النسائی فیہ نظر لمن کتب عنہ بأخرہ کتب عنہ احادیث مناکیر“ ملاحظہ ہو)

متعلق اجماع صحابہ کا دعویٰ اہ بلفظہ ملاحظہ ہو:- (گلی نامہ صفحہ ۳۵)

الجواب (اقرارِ عجز):-

مؤلف نے اپنے اس جواب میں ایک ہی چیز کو دعویٰ پھر اسی کو دلیل بتایا ہے جسے اصطلاح مناظرہ میں مصادره علی المعلوم اور سینہ زوری کہا جاتا ہے جو عجز کی دلیل ہوتا ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ ۱۱ رکعت والی زیر بحث روایت حقائق کے خلاف ہے کہ کوئی ایک بھی روایت اس کی مؤید ہے نہ سلف میں وہ کسی امام کا مذہب ہے، ازروئے انصاف اس کا فرض تھا کہ وہ اس کی کوئی تائید لاتا مگر وہ معرض بیان میں بیان سے نہ صرف خاموش رہا بلکہ سینہ زوری سے اسی زیر بحث روایت کے اپنے اس دعویٰ کی دلیل ہونے کا دعویٰ کر دیا جو اس کی اقراری شکستِ فاش کا بین ثبوت اور اس کا واضح اقرارِ عجز ہے۔ کیونکہ اگر اس کے پاس اس کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کرتا جو اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کذاب شخص پوری امت کو جھوٹا قرار دے رہا ہے۔ رہا مؤلف کا بیس پر صحابہ کرام کے اجماع کے دعویٰ کو جھوٹ کہنا؟ تو اس قسم کی ہوائی باتیں اس ہوائی مولوی سے کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اس کی پرانی عادت ہے بات بات پر وہ ایسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے جن کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہوتی اور ایسی باتیں جو ثابت شدہ حقیقت ہیں، چمکتے سورج کی روشنی میں بھی وہ اسے نظر نہیں آتیں۔ جب آٹھ تراویح کا سنت نبوی ﷺ ہوتا، اور فاروقِ اعظم کا اس کا حکم دینا بھی کسی صحیح صریح غیر معطل غیر معارض اور غیر شاذ روایت سے ثابت نہیں اور دورِ اول سے لے کر آج تک کسی ایک بھی صحیح العقیدہ عالم کے اس کا قائل ہونے کی کوئی صحیح دلیل نہیں تو بیس پر سب کا اجماع تو ہو گیا ورنہ اجماع ہوتا ہی کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ اجماع کی بات صرف ہمارے علماء و فقہاء ہی نے نہیں کی بلکہ خود مؤلف کے ایک عظیم پیشرو مولوی ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے (کمانی فتاواہ)

تہذیبِ اہلِ مذہب جلد ۶، صفحہ ۲۸۰) جو اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ یہ لفظ امام نسائی نے محض ان کی آخری عمر کی روایات کے بارے میں بولے ہیں نہ کہ ان کی ہر روایت کے بارے میں جیسا کہ مؤلف نے اس کا حلیہ بگاڑ کر پیش کر کے یہ مغالطہ دینے کی ملعون کوشش کی ہے۔

اس مقام پر مؤلف نے عربی کا جو شعر لکھ کر اپنی عربی دانگی کی ڈینگ ماری ہے اپنے ذہنی فتور کے سامنے آ جانے کے بعد اسے چاہیے کہ وہ اب اس کا ورد کر کے اپنے اوپر دم کر دے۔ وھو ھذا

کم من عائب قولاً صحیحنا افته من الفہم السقیم

مؤلف کی دوغلہ پالیسی سینہ زوری اور عاجزی:-

اس ضمن میں ہم نے تحقیقی جائزہ میں ۲۰ رکعات تراویح کی روایت کے رائج ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ:- ”اس کی ایک اور وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ تاریخ اور حدیث کی کسی کتاب میں سوائے اس شاذ روایت کے یہ کہیں نہیں ہے کہ کبھی کسی امام یا اسلامی حاکم نے حرم کعبہ یا حرمِ مدینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی ہو یا اس کا فتویٰ دے کر اسے مروج کیا ہو ومن ادعیٰ فعلیہ البیان) اہ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷)

مؤلف نے بے ڈھنگی زبان میں اس کا جو دوغلہ پالیسی اور سینہ زوری پر مبنی جواب لکھا ہے وہ بھی پڑھنے اور سردھننے کے لائق ہے چنانچہ اس نے لکھا ہے جب اس خلیفہ ثانی نے جس کی بیعت سے کفر کی ساری دنیا لرزتی ہے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما سے حکم دے کر وتر سمیت گیارہ گیارہ تراویح پڑھوائی تھیں تو پھر کسی اور حاکم کی کیا ویلیو رہ گئی بلکہ اسی حکم سے گیارہ رکعت پر صحابہ کا اجماع ثابت ہوا اور اس کے خلاف سب جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ بسند صحیح یا حسن کچھ بھی ثابت نہیں۔ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے یعنی بیس تراویح کے

پس اگر یہ جھوٹ اور خلافِ حقیقت ہے تو اس پر جو دفعہ عائد ہوتی ہے اس کا نزہ ہم پر گرانے کی بجائے مؤلف اپنے ابنِ تیمیہ صاحب ہی کی خبر لے

ح یوں نہ دوڑیے برچھی تن کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

دوغلہ پالیسی :-

پھر مؤلف کی یہ حالت زار بھی لائقِ دید ہے کہ اس نے اپنے اس گلی نامہ میں صرف تین صفحات پہلے تین طلاوتوں کے بارے میں حضرت فاروقِ اعظم کے ایک فیصلہ کو محض اس لیے رد کر دیا ہے کہ وہ اس کے مزعومہ دھرم کے خلاف تھا لیکن جب اس نے بزمِ خویش اور خوش فہمی سے آپ سے منسوب ایک روایت کو اپنے مفید مطالب کے لیے فاروقِ اعظم جن کے فیصلہ کو معاذ اللہ دو ٹوک لفظوں میں رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ کے خلاف ”لکھ دیا تھا اور اسے ذرہ بھر بھی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی ان کے گن گاتے ہوئے ان کی ایمانی ہیبت کو سراہا اور ان کی للکار سے کفری دنیا کو لرزہ بر اندام بتایا جا رہا ہے اور آپ کے (اس مزعوم) فیصلہ کو سب کے فیصلہ پر ترجیح دی جا رہی ہے جو مؤلف کی سخت دوغلہ پالیسی اور شدید چال بازی ہے۔ سچ ہے کہ نجدی بوقتِ ضرورت ہر سیاہ و سفید کر جاتے ہیں۔

نجدی ٹولہ واہ بھی واہ

مؤلف کی سخت کج فہمی یا ہیرا پھیری :-

ہم نے اس پر مزید لکھا تھا کہ :- ”اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ فاروقِ اعظم مسجد نبوی میں ایک متفقہ فیصلہ کریں اور عمل اس پر کوئی بھی نہ کرے اور اتنے بڑے واقعہ کے عملی نمونے کا ذکر کہیں بھی نہ ہو اھ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ

صفحہ ۲۷) جس کا محمل یہ تھا کہ حضرت فاروقِ اعظم حکم دیں آٹھ کا اور لوگ پڑھیں میں یہ قطعاً ناممکن ہے لہذا آپ کے عہد میں صحابہ و تابعین کا میں پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے آٹھ کا حکم قطعاً نہیں دیا جو آٹھ والی روایت کے مؤول با مغل ہونے کی دلیل ہے نیز اس سے حضرات صحابہ و تابعین پر اولی الامر کی حکم عدولی بھی لازم آئے گی جو قطعاً صحیح نہیں۔ مؤلف نے اس کا کوئی تسلی بخش جواب دینے کی بجائے محض خانہ چُری اور اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے اس کے جواب میں صحیح بخاری اور موطا مالک کے حوالہ سے وہ روایت ذکر کر دی ہے جس میں حضرت فاروقِ اعظم کے صحابہ و تابعین کو مسجد نبوی شریف میں ایک امام پر جمع کرنے کا ذکر ہے جو تراویح کی تعداد رکعات کے بیان سے قطعاً خاموش اور اس سے بالکل غیر متعلق ہے۔ پس یا تو مؤلف اپنی تاریخی کج فہمی کی وجہ سے ہماری بات کو سمجھ نہیں سکا یا پھر اس نے عدا ”ہیرا پھیری سے کام لے کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ولنعم ما قلیل من چہ ے سرایم طنبورۃ من چہ ے سراید۔

خانہ ساز اضافہ اور ڈھٹائی :-

مؤلف نے بحوالہ بخاری اور موطا جو روایت لکھی ہے اس کا کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ حضرت عمر نے اپنے مقرر فرمودہ امام کو گیارہ رکعت مع الوتر پڑھانے کا حکم دیا ہو جب کہ مؤلف کی ذمہ بھی اسی امر کو ثابت کرنا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کے اس رسالہ کے قاری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ مؤلف نے اس کی خانہ ساز تشریح میں یہودیانہ تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے اس کے راوی عبد الرحمن بن عبد القاری سے منسوب کر کے نہایت درجہ ڈھٹائی اور بیشری سے لکھ دیا ہے کہ انہوں نے ”آکر دیکھا کہ لوگ مسجد نبوی میں ایک ہی امام ابی بن کعب کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے جن کو انہوں

گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا" اھ۔ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۳۸)

پھر مزید جھوٹ بولتے ہوئے دیدہ دلیری اور شوخ چٹشی سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ "اس پر لوگوں کا عمل یعنی مسجد نبوی میں بیان کر رہے ہیں اور یہ اس صدی کا بریلوی مولوی انکار کر رہا ہے" (صفحہ ۳۸)

حالانکہ کسی "بریلوی مولوی" نے ایک امام پر جمع ہو کر اجتماعی طور پر تراویح پڑھنے پڑھانے کا کوئی انکار نہیں کیا۔ انکار کیا ہے تو صرف مؤلف کے اس جھوٹ کا کیا ہے کہ موٹا اور بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس امام کو گیارہ رکعت تراویح مع الوتر پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

ریت کی دیوار :-

پھر بناءً الفاسد علی الفاسد کے طور پر اپنے اسی مفروضہ کے سہارے یہ لکھ دیا کہ "اب سچا کسے کہا جائے امام عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کو یا اس بریلوی مولوی کو؟ الخ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۸)

جس کی حیثیت ریت کی دیوار بلکہ تارِ عنکبوت سے کم نہیں کیونکہ راقم الحروف نے امام عبدالرحمن کے اس بیان کا انکار ہی نہیں کیا۔ پس جھوٹا ہونے کا وصف دراصل مؤلف ہی کا ہے جس نے وجل و تلیس سے کام لے کر اپنی طرف سے ایک ایسی بات بنا کر اسے ہم سے منسوب کر دیا ہے جو ہم نے کبھی ہی نہیں۔
فلعنۃ اللہ علی الکذبین

مذہبی خود کشی کی بدترین مثال :-

مؤلف کی پیش کردہ اس روایت میں ایک ایسے کام کو حضرت فاروق اعظم کا "اچھی بدعت" کہنا مذکور ہے (جسے خود مؤلف نے بھی نقل کیا ہے) جو بیعت کذاً یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں یعنی رمضان المبارک میں باقاعدہ اور بالاتزام باجماعت نماز تراویح۔ جو مؤلف اور اس کی جماعت کے بے

ڈھنگے اصول کے مطابق بدعت حنیہ اور بدعت مذمومہ قرار پاتا ہے پس یہ روایت مؤلف کے لیے "فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَاسْتَقَرَّ تَحْتَ الْعِيزَابِ" (بارش سے بھاگا اور پرنا لے کے نیچے آکھڑا ہوا) نیز "سانپ کے منہ میں چھپھوندر" کا اُمنہ دار اور اس کا دفع و قی کرتے ہوئے اسے مان لینا اس کی مذہبی خود کشی کی بدترین مثال ہے (جیسا کہ صفحہ پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے)

سعودی نجدی اور بیس تراویح :-

ہم نے گیارہ رکعات والی امر فاروقی والی روایت کا معلول ہونا بیان کرتے ہوئے اس کی ایک دلیل یہ پیش کی تھی کہ :- یہی وجہ ہے کہ آج بھی مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ میں (باوجودیکہ غیر مقلدین کے ہم عقیدہ نجدیوں کی حکومت ہے مگر وہ پھر بھی) تراویح ۲۰ رکعات ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں اھ "ملاحظہ ہو (تحقیق جازہ صفحہ ۲۷)

اس کے جواب میں مؤلف نے کافی ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی ہے مگر وہ اس قدر دلدل میں پھنسے ہیں کہ اس کا ہر جواب اس کے لیے وبال جان بن گیا ہے۔ اگر اس قسم کے ایک دو مناظر اس مذہب کو مزید الاٹ ہو جائیں تو پھر ہمیں کچھ لکھنے کہنے کی ضرورت پیش نہیں آیا کرے گی۔ بلکہ اپنا بیڑہ غرق کرنے کے لیے یہ خود بھی کافی رہیں گے۔ (وہوالمقصود)۔ چنانچہ کبھی تو وہ کہتا ہے کہ وہ نام کے جنبی ہیں۔ اوپر اوپر سے بیس کے اور اندر اندر سے آٹھ کے قائل ہیں۔ کبھی کہتا ہے آٹھ سنت ہے باقی نفل۔ کبھی کہتا ہے ہم ان کے مقلد تھوڑے ہیں جن میں سے ہر ایک جواب اس کے لیے "کندر گلو" بلکہ "موتِ احمر" کی حیثیت رکھتا ہے (جیسا کہ صفحہ پر مفصلاً گزر چکا ہے)

آخری کیل :-

آخری کیل کے طور پر اس کا ایک واضح قرینہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ :-

”یہ روایت اگر اپنے ظاہر متن پر صحیح ہوتی تو امام مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں اسے اپنا مذہب بناتے اور آٹھ تراویح کے قائل ہوتے اور اہل مدینہ بھی اس پر عمل کرتے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ اہل مدینہ اور امام مالک وتر اور اس کے بعد والی دو رکعتوں سمیت اکتالیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔“
(صفحہ ۲۷ تحقیقی جائزہ)۔

اس کا بھی مؤلف سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں بن پڑا۔ پس اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے اور اپنے جاہل عوام سے اپنی ورق سیاہی کے عوض داد تحسین وصول کرنے کی غرض سے ایک بار پھر محض الفاظ بدل کر اس بحث کو دہرا دیا ہے کہ امام مالک وتر سمیت گیارہ رکعات تراویح کے قائل تھے جو اس کی زلت آمیز شکستِ فاش کی روشن دلیل ہے۔ اس کی تفصیل بھی گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ (صفحہ ۷۷ تا صفحہ ۷۸ رسالہ ہذا)

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

بحث روایت جابر رضی اللہ عنہ ثمان رکعات :-

مؤلف نے اپنے سابقہ رسالہ ”مسئلہ تراویح“ میں اپنے ہی ایک غیر مقلد مولوی مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے اس کی کتاب تحفۃ الاحوذی سے نقل لگا کر طبرنی صغیر، قیام اللیل مروزی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور میزان الاعتدال کے حوالہ سے آٹھ تراویح کے مسنون ہونے کی دوسری دلیل کے طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت پیش کی تھی :-

”صلیٰ بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واور فلما كانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتیٰ اصبحنا ثم دخلنا قلنا یا رسول اللہ اجتمعنا

البارخۃ فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یتکتب علیکم“

جس کا ترجمہ مؤلف نے ان لفظوں میں کیا تھا :- جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ماہ رمضان میں آٹھ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھائے پھر دوسری رات بھی ہم مسجد میں آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے کہ آپ تشریف لا کر ہمیں نماز (تراویح) پڑھائیں لیکن آپ تشریف نہ لائے حتیٰ کہ ہمیں انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی پھر ہم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول کل رات صبح تک ہم آپ کا انتظار کرتے رہے کہ آپ تشریف لا کر ہمیں نماز (تراویح) پڑھائیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر اس طریقہ سے نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے“ اھ بلفظہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

الجواب :-

اس کا مکمل اور مسکت جواب تحقیقی جائزہ (صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۳) میں گزر چکا ہے۔ مزید نیچے :-

اولاً ”مسئلہ تراویح“ اور ”گلی نامہ“ میں تعارض :-

مؤلف نے اس روایت کے الفاظ انی خشیت ان یتکتب علیکم کا اردو ترجمہ اپنے سابقہ رسالہ مسئلہ تراویح میں اس طرح لکھا تھا ”میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر اس طریقہ سے نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳)

جب کہ گلی نامہ میں انہی الفاظ کو اردو میں اس طرح بیان کیا ہے کہ :- ”چوتھی رات آپ نے فرضیت کے خدشے سے ان کو نماز تراویح نہیں پڑھائی“۔
(ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۸)۔

ان دونوں ترجموں میں واضح تعارض پایا جاتا ہے کیونکہ سابقہ ترجمہ کا مفاد یہ ہے آپ ﷺ نے تراویح کی جماعت کی فرضیت کے خوف سے اسے ترک فرما دیا تھا جب کہ دوسرے ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ خود نفس تراویح کی فرضیت کے خوف سے آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ بہر حال اس سے مؤلف کی ذہنی پریشانی کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ”تحقیقی جائزہ“ کی ضریاتِ قاہرہ نے واقعی اپنا اثر دکھایا اور اسے کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے۔ **فللہ الحمد**۔

ٹانیا :-

اس کا ایک جواب وہی ہے جو ہمارے پیش نظر رسالہ میں (صفحہ پر) گزر چکا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ جس روایت پر بالکل کلیہ تمام امت مسلمہ یا امت مسلمہ کی واضح اکثریت کا عمل نہ ہو، وہ بظاہر باعتبار سند اگرچہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، فی الحقیقت مؤول یا پھر غیر صحیح ہوگی، اسی کو اصطلاح محدثین میں معطل اور معلول کہا جاتا ہے جس کی سینکڑوں مثالیں حدیث اور اصول کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ قاعدہ مسلمات میں سے ہے جس کا صحیح ہونا مؤلف اور اس کے مسلم پیشواؤں کو بھی تسلیم ہے۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ (۱)۔ غیر مقلدین کے پیشوا ابن حزم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہر اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے جس میں آپ سے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں (معوذتین) کی قرآنیت کے انکار کو منسوب کیا گیا ہے حالانکہ ان میں سے بعض روایات خود صحیح بخاری میں بھی ہیں۔ جو مسئلہ ہذا کے حوالہ سے ان کا بالکل درست موقف ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روایتیں خبر و اوجد ہیں جو تواتر کے خلاف ہیں کیونکہ قرأتِ عاصم براویتِ امام حفص جو پورے جہاں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے متواتر ہے اور یہی قرأت ابن مسعود بھی ہے کیونکہ امام عاصم کا یہ سلسلہ قرأتِ الہی تک پہنچتا ہے۔ اگر ان روایتوں

کو مان لیا جائے تو متواتر کا انکار لازم آتا ہے جو کفر ہے۔ (و ہو بری من ذالک مائۃ الف مرۃ)۔

۲۔ صحیح ابن خزیمہ عربی (جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ طبع مکتۃ المکرّمہ) میں امام ابن خزیمہ شافعی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ جب صلوٰۃ قیام اللیل ادا فرماتے تو تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) تین بار کہتے۔ پھر ثناء پڑھنے کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر تعوذ پڑھتے۔ اس کے بارے میں امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: ”وہذا الخبر لم یسمع فی الدعاء لا فی قدیم الدھر ولا فی حدیثہ استعمل هذا الخبر علی وجہ ولا حکى لنا عن من لم نشاہدہ من العلماء انه کان یکبر لا ففتح الصلوٰۃ ثلث مرّات ثم یقول سبحانک اللہم الخ۔ یعنی ماضی و حال میں کہیں نہیں سنا گیا کہ یہ حدیث بعینہ کسی ایک بھی اہل علم کا معمول نہ ہو اور نہ ہی ہمارے مطالعہ کے مطابق کسی عالم سے منقول ہے کہ اس نے ثناء سے قبل تین بار تکبیر تحریمہ کہی ہو۔ ملاحظہ ہو (صحیح ابن خزیمہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹) جیسا کہ صفحہ نمبر پر گزر چکا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلمیذ رشید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رقمطراز ہیں: ”فترکھم قاطبۃ العمل بحديث دلیل علی کونہ منسوخاً“ او ”مؤولا“ یعنی آئمہ اربعہ اور ان کے اصحاب کا کسی حدیث پر بالکلیہ عمل نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ منسوخ ہے یا پھر مؤول ہے۔ ملاحظہ ہو (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۶۴)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پیش نظر روایت جابر (ثمان رکعات) بھی بر تقدیر تسلیم صحت بھی قطعاً مؤول یا غیر صحیح ہے کیونکہ یہ آئمہ اسلام بالخصوص اربعہ ارکان میں سے کسی کا مذہب نہیں۔ اگر واقع میں یہ صحیح ثابت ہوتی تو کم از کم کوئی ایک امام تو اس پر ضرور عمل کرتا۔ (ولکن اذلیس فلیس)۔

روایت جابر کے حوالہ سے مؤلف کے واویلا کا پوسٹ مارٹم :-

ہمارے اس اصولی جواب کے بعد اگرچہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں اور روایت ہذا کو صحیح ثابت کرنے کے حوالہ سے مؤلف نے جتنی کوششیں کی ہیں ان سب کا املی طور پر جواب اگرچہ اس میں آگیا ہے، تاہم چونکہ ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ ہمارا یہ جواب 'ترکی بہ ترکی ہو گا' اس لیے اس عہد کا ایفاء نیز رسالہ کی نیچ کو برقرار رکھنے کی غرض سے ہم مؤلف کے اس واویلا کا تفصیلی پوسٹ مارٹم کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جو اس نے ہمارے ان جوابات پر کیا ہے جو ہم نے زیر بحث روایت کے رد میں پیش کیے ہیں۔ واللہ یقول الحق و هو یهدی السبیل۔

انکارِ تعارض کا پوسٹ مارٹم :-

ہم نے زیر بحث روایت کے شدید ناقابلِ احتجاج اور سخت ضعیف ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ یہ روایت ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے جن میں تین راتیں باجماعت نماز تراویح کے پڑھنے کا ذکر ہے جو صحیح بخاری صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہا کتب حدیث میں موجود ہیں جبکہ اس روایت میں صرف ایک رات باجماعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے یا پھر یہ کوئی اور واقعہ ہے جسے تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۰)۔

اس کے جواب میں :-

مؤلف نے محض اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام کو خوش کرنے کی غرض سے چند لفظوں کی بات کو تقریباً "تین صفحوں میں پھیلا کر پیش کیا ہے اور فضول تکرار کر کے اپنے نامہ اعمال کی طرح تین صفحے سیاہ کر دیئے ہیں جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت جابر ان تین

راتوں میں سے آخری رات میں آئے تھے جن میں تراویح باجماعت پڑھی گئی تھی جبکہ یہ بھی کہیں نہیں ہے کہ ان تین راتوں میں بلا استثناء تمام صحابہ کرام شریک تھے بلکہ ان تین راتوں والی روایات میں تصریح موجود ہے کہ پہلی رات کچھ دوسری رات اس سے زیادہ اور تیسری رات اس سے زیادہ صحابہ کرام شریک ہوئے۔ اھ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۲۸)۔

الجواب :-

اولاً :- مؤلف کا یہ جواب اس وقت قابلِ سماعت ہے کہ جب یہ حدیث صحیح ثابت ہوتی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا مضمون قدیم "حدیث" ائمہ اسلام خصوصاً ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں۔ پس یہ لفظی چکر اور یہ ہیرا پھیری مؤلف کو کسی طرح مفید نہ ہوئی (جیسا کہ اس کی تفصیل صفحہ اور صفحہ پر گزر چکی ہے)۔

ثانیاً :- مؤلف کو اتنی بھی لیاقت نہیں کہ وہ ہماری بات کو سمجھ سکے۔ ہم نے یہ گفتگو مؤلف کے انداز و مزاج کے مطابق کی ہے اور اس کے نیچ پر یقیناً یہ روایت، تین راتوں والی احادیث صحیحہ کثیرہ سے یقیناً متعارض ہے کیونکہ اس روایت کے جملہ طرق میں سے کسی ایک طریق میں بھی یہ تصریح نہیں کہ اس میں مذکور آٹھ رکعات انہی تین راتوں میں سے کسی ایک رات میں پڑھی گئی تھیں جبکہ کسی ایک بھی صحیح صریح حدیث سے تیسری رات میں حضرت جابر کا شریک ہونا بھی ثابت نہیں۔ پس کسی صریح ثبوت کے بغیر اس نماز کے ان تین راتوں میں سے تیسری رات میں ہونے کا قول کرنا نیز حضرت جابر کی شرکت کا قول دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ محض مؤلف کے قیاس کی بناء پر ہو گا جبکہ اس کے مذہب میں قیاس، کارِ ابلیس اور شیوہ شیطان ہے جیسا کہ وہ ہمارے خلاف بات کرتے اور بر سیل غلط جملے کہتے ہوئے پڑھا کرتے ہیں "اول من قاس ابلیس"۔

اس لیے ان حقائق کی روشنی میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اسے ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے متعارض یا پھر کوئی علیحدہ واقعہ کہا جائے جسے تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔

و بطریق آخر:-

زیر بحث روایت میں مذکور نماز کے بارے میں احتمال ہے کہ ان تین راتوں میں سے کسی رات کی نماز ہو نیز یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کوئی اور نماز ہو۔ اسی طرح ان راتوں میں سے تیسری رات کی تراویح میں حضرت جابر کی شرکت کے بارے میں بھی دو احتمال ہیں۔ ممکن ہے وہ اس میں شریک ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس میں شریک نہ ہوں جبکہ مؤلف کے منہج پر کوئی بھی ایسی صریح دلیل نہیں جو مؤلف کے مطلوب کو متعین کر لے۔ پس اس حوالہ سے بھی یہ روایت ناقابل استدلال ٹھہری کیونکہ مسلم بین الفرقین قاعدہ ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" (و الحمد لله ذی الاکرام و ذی الجلال) (ہو بھی سہی تو بھی قابل احتجاج نہیں کہ اس کا مضمون کسی ایک بھی امام کا مذہب نہیں۔ (کما مرافاً)

حافظ ابن حجر کے عندیہ کی وضاحت:-

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس روایت کے حوالہ سے جو گفتگو فرمائی ہے، اس کی توجیہ میں ہم نے بقدر ضرورت اجمالی طور پر لکھا تھا:- "باقی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے واقعہ واحدہ قرار دے کر تھ تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس پر انہیں خود کو بھی یقین نہیں چہ جائیکہ اسے کسی دوسرے کے لیے حجت قرار دیا جائے۔" الخ، ملاحظہ ہو (تحقیق جائزہ صفحہ ۲۰)۔

اس پر بھی مؤلف نے حسب عادت فضول تکرار کے ساتھ لایعنی گفتگو کرتے ہوئے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے عوام کو خوش کرنے کی غرض سے

فتح الباری کی عربی عبارت نقل کی پھر دھونس جاتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ پیش کر کے یہ شور مچایا اور واویلا کیا ہے کہ ان کی عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو شک کو ظاہر کرتا ہے۔ (ملخصاً) ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۹، ۳۰)

الجواب:-

یہ بھی مؤلف نے حسب عادت غلط بیانی کی ہے جو اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مفید۔ کیونکہ اولاً ان کی اس عبارت میں یہ جملہ چمکتے سورج کی طرح موجود ہے:- "فان كانت القصة واحدة احتمل الخ۔ جسے خود مؤلف نے بھی نقل کر کے اس کا یہ اردو ترجمہ بھی کیا ہے کہ "ابن حجر فرماتے ہیں کہ پھر اگر یہ قصہ ایک ہے تو اس چیز کا احتمال رکھتا ہے کہ حضرت جابر تیسری رات میں شریک ہوئے ہوں۔" ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۲۸ تا ۳۰)

قارئین کرام خود انصاف فرمائیں کہ جب مؤلف اس بات کو خود تسلیم کر رہا ہے کہ امام ابن حجر کی عبارت میں واقعی "اگر یہ قصہ ایک ہے" تو "اس چیز کا احتمال رکھتا ہے" کے جملے موجود ہیں تو اگر انہیں یقین تھا تو یہ جملے انہوں نے کیوں استعمال فرمائے۔ آخر شک کیسے ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عقیل و فہیم شخص تھے اس لیے انہوں نے محتاط جملے لکھے ہیں جو مانحن فیہ کی زبردست دلیل ہیں مگر اس بنا سبقتی مجتہد کو اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ علماء کے کلام کو سمجھ سکے اس لیے وہ قدم قدم پر سخت علمی ٹھوکریں کھاتا چلا جا رہا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی مان لیا جائے کہ انہوں نے شک کو ظاہر کرنے والا ایک لفظ بھی نہیں بولا تو بھی یہ مؤلف کی دلیل نہیں کہ یہ روایت ہی سرے سے ائمہ اسلام کا غیر معمول بہ ہونے کی وجہ سے ناقابل احتجاج ہے۔ (جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے)۔

وجہ دوم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

اس روایت کے ناقابلِ احتجاج ہونے کی دوسری وجہ ہم نے یہ بیان کی تھی کہ :- ”نماز تراویح کے اس واقعہ کو متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اور یہ روایتیں صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں مگر ان میں سے کسی روایت میں آٹھ یا آٹھ سے کم رکعات کا کسی صحابی نے کچھ ذکر نہیں کیا پس اس وجہ سے بھی یہ روایت محلِ نظر ٹھہری۔“ (ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۲۰)

ہمارا یہ کلام بھی مؤلف کے حسبِ مزاج تھا مگر مؤلف اتنا بد مزاج واقع ہوا ہے کہ اسے اپنے مزاج کی بھی خبر نہیں۔ اس کی تفصیل بھی وہی ہے جو وجہ اول پر اعتراض کے جواب میں ابھی گزر چکی ہے۔

تلبیسِ شدید :-

اس مقام پر مؤلف نے شدید تلبیس کا ارتکاب کرتے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ہمیں معاذ اللہ اس روایت کے صحابی راوی حضرت جابر کے ثقہ و عادل ہونے پر شک ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰) جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے کیونکہ یہ ہمارا مذہب ہے نہ مطلب۔ درحقیقت اس سے ہم نے اس کے مرکزی راوی عیسیٰ بن جاریہ کے حوالہ سے کلام کی طرف اشارہ کیا ہے جو سخت ضعیف ہے جس پر محدثین کی جرحوں کو ہم وجہ چہارم کے تحت بیان کیا ہے۔ (کما سببائی قریباً) جس کا مؤلف کو بھی یقین کی حد تک علم ہے مگر عیاری مکاری اور دجل و تلبیس جس کی طبیعت ثانیہ ہو وہ اس قسم کی ہوائی باتیں نہ کرے تو کیا کرے۔ گویا یہ طریق کار اپنا کر اپنے عوام کو راضی کرنا مؤلف کی ذاتی یا مذہبی مجبوری ہے اور مجبور، مرفوع القلم ہوتا ہے۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باری میں بھی یہ تاثر وہ شخص دے رہا ہے جو اتنا بڑا گستاخ ہے کہ دو ٹوک لفظوں میں حضرت فاروقِ اعظم کے فیصلوں کو

بھی اپنے گستاخ قلم سے خلافِ رسول ﷺ کہتا ہے (جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے)۔ پس یہ ساری کاروائی محض معارضہ بالقلب کے طور پر اپنے کو ڈھانپنے کی غرض سے کی گئی ہے۔

۵۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

وجہ چہارم پر اعتراض کا پوسٹ مارٹم :-

ہم نے اس روایت کے ناقابلِ احتجاج اور سخت ضعیف ہونے کی چوتھی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :- اس روایت کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ نامی ایک راوی ہے (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۵۵، ۱۹۶) جو سخت ضعیف ہے اور اس پر ائمہ حدیث نے شدید جرحین کی ہیں پس اس وجہ سے بھی یہ حدیث غیر صحیح قرار پائی۔ چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۳، صفحہ ۳۱۱) اور تہذیب التہذیب (جلد ۸ صفحہ ۲۰۷) میں ہے امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ قابلِ اعتماد نہیں ہے، اس کے پاس منکر (ضعیف) احادیث کا ذخیرہ تھا اور اس سے یعقوب قتی کے بغیر کسی نے روایت نہیں لی۔ امام ابو داؤد اور امام نسائی نے فرمایا یہ منکر الحدیث ہے۔ امام ابن عدی نے فرمایا اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ ایک روایت میں امام نسائی نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے یعنی محدثین نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ”اھ۔“ (ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۱)

اس گھر کو آگ لگ گئی :-

اس کے جواب میں مؤلف کی جو حالتِ زار ہے وہ لائقِ دیدنی ہے۔ وہ چلا تو تھا اپنے اس راوی کو سہارا دینے کے لیے مگر ایسا حواس باختہ ہوا کہ ”گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو“ کا صحیح مصداق بن کر کھلے بندوں یہ بات تسلیم کر لی کہ ہم نے عیسیٰ بن جاریہ پر محدثین کی جو جرحیں نقل کی ہیں وہ واقعی ان

محدثین سے ثابت ہیں چنانچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے :- ”باقی رہا سوال اس پر جرحوں کا کہ یحییٰ بن معین، ابو داؤد، نسائی نے اسے مگر الحدیث کہا ہے اور ساجی، عقیلی ابن عدی نے اسے ضعیف کہا ہے تو اس کے ساتھ اس کو امام ابو زرعة، رازی، امام ابو حاتم اور ابن حبان نے ثقہ بھی تو کہا ہے تو ایسے راوی کی روایت حسن کے درجہ میں ہوتی ہے الخ“ ملاحظہ ہو۔ (گلی نامہ صفحہ ۳۱)

اقول: ”اولاً“:-

مؤلف نے اپنے اس بیان میں تلیس اور جھوٹ سے کام لیا ہے۔ امام ابو زرعة نے اس کے بارے میں ثقہ کا لفظ نہیں بولا جیسا کہ مؤلف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے بلکہ انہوں نے ”لا باس بہ“ کہا ہے امام ابو حاتم نے قطعاً اس کی کوئی توثیق نہیں کی۔ مؤلف اس میں سچا ہے تو اس بارے میں اصل عبارت کے اصل لفظ پیش کرے۔ باقی ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ائمہ محدثین کی مذکورہ شدید جرحوں کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں۔

ثانیاً:-

اگر یہ کلیہ ہے اور مؤلف کے نزدیک ہے کہ ایسے راوی کی حدیث، حسن کے درجہ میں ہوتی ہے تو بیس تراویح کی حدیث مرفوعہ ”کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة“ کے راوی کے بارے میں یہ اصول ذہن سے اتر گیا۔ جب کہ بعض ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے بلکہ درحقیقت اس پر کوئی جرح قاطع ثابت ہی نہیں (کما وتفصیل) جب کہ اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث بھی نہیں۔ کس قدر عیاری ہے کہ مؤلف ایک کلیہ خود ہی بناتا ہے اور پھر اسے مفید مطلب پائے تو وہ اسے معتبر اپنے خلاف سمجھے تو

اسے ساقط الاعتبار گردانتا ہے۔

ثالثاً:-

مؤلف کا یہ تعصب اور اس کی یہ چابک دستی بھی دیکھتے جائیں کہ جس محدث کا کوئی قول اس کے خلاف چلا جائے وہ اس کا نام روکھا سوکھا لیتا ہے اور جو اس کے زعم میں اس کی فیور میں ہو وہ اس کی اہمیت جتانے کی غرض سے اسے بدھا چڑھا کر پیش کرتا اور اسے امام، امام کہہ کر اس کا نام لیتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی مقولہ بالا عبارت میں ان محدثین کا نام بغیر القاب کے لیا ہے جنہوں نے اس کی مزعومہ روایت کے راوی پر جرحیں کی ہیں اور انہی ائمہ حدیث کو جنہیں ہمارے خلاف پیش کیا تھا تو انہیں امام امام کہہ کر پکارا تھا اب وہ ان کو یحییٰ بن معین، ابو داؤد، نسائی، ساجی، عقیلی اور ابن عدی کہنے پر اکتفاء کر رہا ہے۔ جب کہ ابو زرعة، ابو حاتم اور ابن حبان کو امام امام لکھ رہا ہے۔ جب کہ اس کے برخلاف ایک راوی کو ابن حبان نے ثقہ کہہ دیا تھا تو مؤلف نے انہیں امام ابن حبان کہنے کی بجائے ”صرف ابن حبان“ لکھا تھا (جس کی تفصیل گزر چکی ہے ملاحظہ ہو صفحہ) یہ سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

رابعاً:-

بالفرض اگر اس کا حسن ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے اسی طرح یہ بھی مان لیا جائے کہ ذہبی کا ”اسنادہ وسط“ کہنا اسے حسن کے معنی میں ہے تو بھی

اولاً:-

اس کا واقع میں حسن ہونا کیسے لازم آگیا کیونکہ عموماً اس سے محدثین کا مقصد اس حدیث کی سند کو حسن کہنا ہوتا ہے جب کہ ”حسن اسناد“ ”حسن حدیث“ کو متلزم نہیں۔ اسی طرح کسی محدث کی تصحیح سے بھی اس حدیث کا

واقع میں صحیح ہونا لازم نہیں ورنہ علم اصول حدیث کس مرض کی دوا ہو گا۔ خود ذہبی نے میزان میں متعدد مقالات پر کئی محدثین کی تصحیح و تحسین کی نہایت درجہ صراحت کے ساتھ تغلیط کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ”صحیحہ الحاکم وفيه انقطاع“ یعنی حاکم نے اسے صحیح کہا ہے حالانکہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان جلد ۳، صفحہ ۵۱۳)

نیز اسی میں صفحہ ۵۱۵ پر ہے۔ حسنہ الترمذی فلم يحسن یعنی ترمذی نے اسے حسن کہہ کر اچھا نہیں کیا۔

ثانیاً :-

پھر اس سے عمل بالحدیث الصحیح کے دعویٰ کی قلعی بھی کھل گئی اور اس سے واضح ہو گیا کہ مؤلف اینڈ کمپنی نہ ماننے پر اتر آئیں تو صحیح احادیث کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ماننے پر آئیں یعنی ضرورت پڑ جائے تو صرف صحیح احادیث کو ماننے کی شرط بھی نرم پڑ جاتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں الغریق ینشبت بکل حشیش یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

خامساً :-

اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو بھی یہ روایت قطعاً کسی طرح لائق احتجاج نہیں کہ اس کا مضمون ائمہ اسلام میں سے کسی ایک کا خصوصاً ائمہ متبوعین بالخصوص ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں جو اس کے غیر صحیح یا مؤول ہونے کی دلیل ہے (کما مررارا)

دجل و تلیس :-

مؤلف نے دجل و تلیس سے کام لے کر فقیر کے متعلق لکھا ہے کہ :- ”اس بریلوی مولوی نے کہا ہے کہ اس سے یعقوب قتی کے بغیر کسی نے روایت

نہیں لی۔ یہ تو زرا جھوٹ ہے“ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۳۰) جو بذات خود مؤلف کا زرا جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ بات ہم نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ امام المحدثین یحییٰ بن معین کے حوالہ سے لکھی تھی۔ چنانچہ ہمارے لفظ ہیں :- ”امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اس کے پاس منکر (ضعیف) احادیث کا ذخیرہ تھا اور اس سے یعقوب قتی کے بغیر کسی نے روایت نہیں لی۔“ ملاحظہ ہو تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۱)

اور اس کے لیے ہم نے تہذیب التہذیب (جلد ۸، صفحہ ۱۸۶) کا باقاعدہ حوالہ پیش کیا تھا چنانچہ اس کی اصل عبارت اس طرح ہے :- ”عن ابن معین لیس بذاک لا اعلم احدا روی عنه غیر یعقوب“۔ پس مؤلف کا اس حوالہ سے ہمیں جھوٹا کہنا براہ راست امام یحییٰ بن معین کو جھوٹا کہنا ہے (والعیاذ باللہ)۔ جب کہ اس مفتری کذاب نے آگے چل کر خود بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام یحییٰ بن معین کا قول ہے لیکن وہاں بھی دانت ہم ہی پر پیسے ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۱) حالانکہ اگر اسے اس حوالہ سے کوئی شکایت تھی تو وہ ہم سے نہیں امام یحییٰ بن معین سے کرتے جنہوں نے یہ قول کیا یا حافظ ابن حجر سے کرتے جنہوں نے ان کے اس قول کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔ پس اس سے اس ظالم نے نہ صرف ہمیں بلکہ امام یحییٰ بن معین اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو بھی جھوٹا کہا ہے۔ جو اس کے اپنے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔ کہ آسمان کا تھوکا لپٹنے پر منہ آیا کرتا ہے۔

امام یحییٰ کے اس قول کا محمل

امام یحییٰ کے اس قول کا صحیح محمل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ زیر بحث روایت ”ثمان رکعات“ کو عیسیٰ بن جاریہ سے یعقوب قتی کے بغیر کسی نے روایت نہیں کیا۔ یہ نہیں کہ اس سے کوئی دوسری روایت بھی کسی اور نے نہیں

لی۔ پس اس طوفان..... کے پیا کرنے سے مؤلف کو کوئی فائدہ ہوا نہ ہمیں اس کا کچھ ضرر۔

جواب ندارد:-

مؤلف نے محض سینہ زوری سے اس امر کو بنیاد بنا کر اس روایت کو صحیح اور حسن کہا تھا کہ فلاں فلاں محدث نے اس حدیث کو اپنی فلاں فلاں کتاب میں رکھ دیا ہے اس لیے یہ صحیح یا حسن ہے۔

جس پر ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ ”مولانا اصول حدیث کی کسی کتاب سے یہ دکھا سکتے ہیں کہ سند پر کلام ہونے کے باوجود کوئی حدیث محض کسی کتاب میں آجانے سے صحیح بن جاتی ہے؟“

نیز ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ:- مولانا کو یہ بات نسائی کی حدیث ممانعت رفع یدین کے بارے میں کیوں قابل قبول نہیں ہے اور وہ اس پر جرح کیوں کرتے ہیں؟ کیا نسائی نے المجتبیٰ میں صرف صحیح احادیث کے جمع کرانے کا التزام نہیں کیا تھا؟“ (ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۲۲، ۲۳)۔ مؤلف نے اس پر ایسی خاموشی اختیار کی ہے گویا انہیں کوئی کالا سونگھ گیا ہے۔

ایضاً عجز مؤلف:-

اسی طرح اس نے زیر بحث روایت کو روایت صدیقہ کے موافق بنا کر اسے اس کا مؤید کہا تھا جس پر ہم نے مدلل لکھا تھا کہ یہ روایت قطعاً اس کے موافق نہیں پھر اس کے مؤید ہونے کے کیا معنی؟ پھر اس کو اس کا شاہد اور مؤید کے درجہ میں رکھنا اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ روایت واقعی بہت کمزور ہے۔ (ملاحظہ ہو:- (جائزہ صفحہ ۲۱، ۲۲)

مؤلف نے اس پر بھی چپ سادھ لی ہے جیسے وہ اس کی ضرب سے اس جہان سے رخصت ہو گیا ہو اسی لیے ہم نے بھی اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے

کیونکہ آپریشن زندہ کا کیا جاتا ہے اور پوسٹ مارٹم مردے کا۔

صنیع ابن حجر سے جواب کا پوسٹ مارٹم:-

اس روایت کے فتح الباری میں مرقوم ہونے کو مؤلف کے اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل بنانے پر ہم نے لکھا تھا:- مولانا کا یہ کہنا بھی محض ان کی سینہ زوری ہے کہ حافظ ابن حجر نے چونکہ اس حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی لہذا ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح یا حسن ہے۔ مولانا بتائیں کیا حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری کتاب تہذیب التہذیب میں اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن جاریہ (مذکور) پر سخت جرحیں نقل نہیں کیں۔ پھر اس کے باوجود یہ جھوٹ کیوں بولا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس پر جرح نہیں کی۔ انصاف شرط ہے۔“ (ملاحظہ ہو (جائزہ صفحہ ۲۳)

اسے دیکھ کر مؤلف کی باسی ہانڈی میں ابال آگیا تو اس کے جواب میں وہ کچھ بولے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی اس کا ”عذر گناہ بد تر از گناہ“ ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں اس نے لکھا ہے کہ:-

”ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس عیسیٰ بن جاریہ پر خود تو کوئی کسی قسم کی جرح نہیں کی بلکہ ابن معین، ساجی، عقیلی، ابو داؤد اور ابن عدی کی طرف سے جرحیں نقل کی ہیں تو جھوٹ کیسے ہوا۔ ہاں اگر ابن حجر نے خود اس پر جرح کی ہوتی تو پھر کہا جاسکتا تھا کہ ہم نے جھوٹ بولا ہے“ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۳۲)

واہ کیا کہنے۔ کیا ابن حجر نے تہذیب التہذیب محض اپنے فیصلے صادر کرنے کے لیے ترتیب دی تھی؟ پھر انہوں نے ان ائمہ نقد و جرح کے ان اقوال کو رد کہاں کیا ہے اور انہیں نقل کرنے کے بعد ان کی تفسیر یا تردید کہاں کی ہے؟ علاوہ ازیں اس سے لازم آیا کہ ان کی بارہ تیرہ جلدوں میں لکھی ہوئی اس ضخیم

امام اعظم کی شان میں زبان درازی کا پوسٹ مارٹم:-

ہمارے خلاف مؤلف کی اس تحریک کا اصل نشانہ بالخصوص معاذ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدسی صفات ذات ہے جس کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ مؤلف نے پیش نظر روایت کے مرکزی راوی عیسیٰ بن جاریہ پر محدثین کی تنقیدات کا جواب دیتے دیتے اچانک پلٹا کھا کر، امام اعظم علیہ الرحمۃ کی شان میں زبان درازی اور بد زبانی شروع کر دی ہے جو اس کے آپ کے ساتھ چھپے بغض و عناد کی دلیل ہے۔

امام اعظم کی علمیت متفق علیہ ہے:-

دور اول سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام منصف مزاج اور غیر حاسد اور غیر معاند علماء و فقہاء، محدثین و مجتہدین سب کے سب آپ کی جلالت علمی، آپ کی فقاہت، سب سے بڑھ کر شریعت فہمی، فہم قرآن اور حدیث دانی کے معترف ہیں۔ پس مؤلف کا آپ کو کسی عام شخص سے نسبت دینا اس کی آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا وہ اتنے زبردست عالم ہیں کہ اگر مٹی کے ستون کو سونے کا ستون کہہ دیں تو وہ اپنے اس دعویٰ کو بھی اپنی قوتِ علم سے ثابت کر سکتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ دین فہمی میں تمام علماء آپ کے سامنے طفلِ مکتب اور آپ کے علمی خرچ پر پلنے والے بچے ہیں اور اس میں آپ خود سربراہ کنبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبد اللہ بن مبارک سے بھی منقول ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے مشائخ میں سے ہیں نیز انہوں نے فرمایا اگر مجھے ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں دوسرے عام مولویوں کی طرح ہوتا۔ بڑے بڑے ائمہ نقد و جرح محدثین آپ کی خوشہ چینی کو سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جرح و نقد کے سب سے بڑے امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین وغیرہا آپ کے فیض یافتہ و خوشہ

کتاب کا بیشتر حصہ کنڈم اور رومی کی نوکری میں ڈالنے کے قاتل ہو کیونکہ انہوں نے بیشتر رواۃ کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار کی بجائے محض نقلِ اقوال پر اکتفا کیا ہے۔ ابن حجر کا بلا تردید ان جرحوں کا نقل کرنا اور اس پر کلام کو ان لفظوں پر ختم کرنا کہ ”قال ابن عدی احادیثہ غیر محفوظہ“ اس پر ان کی دلیل ہے۔ نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے اس کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے خود بھی اس پر جرح فرمائی ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب تقریب التہذیب (صفحہ ۲۷۰ طبع لاہور پر) اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:- ”عیسیٰ بن جاریہ بالغیم الانصاری المدنی فیہ لین“ یعنی عیسیٰ بن جاریہ انصاری مدنی لین الحدیث ہے یعنی حدیث میں کمزور ہے اھ۔

گلی پر اختتام:-

مؤلف نے اپنے اس کلام کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے ”اس ہوائی ملاں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں“ ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۳۲)

اقول:-

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا کہہ کر صبر کریں گے کہ ہرزہ سرائی کرنا مؤلف کی مادری بولی ہے اور یہ اس کی مجبوری بھی ہے کیونکہ مؤلف نے جس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی ہے اس کے سلیبس میں ادب کی کوئی ایک کتاب بھی شامل نہ تھی، اسی کی اسے تربیت دی گئی وکل اناء بترشح بما فیہ (برتن سے وہی کچھ برآمد ہو گا جو اس میں ہو گا)۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ کھوپڑی کس کی خراب ہے اور فالٹ کس کے بھیجے میں ہے۔ حسیم صاحب!

اسی ہمہ آورہ تست

چین اور آپ کی فقہ کے پیروکار ہیں (جن کی جلالت علمی خود مؤلف کو بھی مسلم ہے) آپ کی جلالت علمی سے واقفیت تانہ حاصل کرنے کے لیے آپ کی سوانح حیات پر لکھی گئی، ائمہ اسلام کی تصانیف جلیلہ اور تالیف ایتدہ کا مطالعہ کیا جائے۔ جیسے تبیيض الصحیفة الخیرات الحسان، مناقب موفق، مناقب کرداری اور عقود وغیرہا۔

امام اعظم لقب :-

آپ کی اسی جلالت علمی کی بناء پر اپنے بیگانے آپ کو ”امام اعظم“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرة الحفاظ میں، امام ابن حجر نے الخیرات الحسان میں، خود غیر مقلدین کے پیشواؤں صدیق حسن بھوپالی، نذیر حسین دہلوی، وحید الزمان حیدر آبادی اور ثناء اللہ امرتسری وغیرہم نے بھی اپنی اپنی کتابوں (الحمد، فتاویٰ نذیریہ، ترجمہ موطن مالک) اجتہاد و تقلید اور معیار الحق وغیرہا میں آپ کو ”امام اعظم“ لکھا ہے۔ جو مؤلف کے منہ پر ان حضرات کا زور دار طمانچہ اور زبردست تھپڑ اور مانع فیہ کی روشن دلیل ہے کیونکہ اس نے طنز آمیز لہجہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ ذات اقدس حضور سید عالم ﷺ سے تقابل کی بناء پر نہیں جیسے بعض اجائل یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ محض ان کے فیلڈ کے حوالہ سے ہیں ورنہ قائد تحریک پاکستان کو بھی قائد اعظم کہنا آپ ﷺ کی گستاخی ہو گا جو کسی کے نزدیک درست نہیں۔ مؤلف عیند پھر بھی نہ مانے تو اپنے ان مذکورہ بڑوں کا حکم بتائے اور واضح کرے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم کہہ کر کتنے نمبر کے اور کس درجہ کے گستاخ نبوت قرار پائے ہیں۔

یوں نہ دوڑیں برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

چنانچہ ہمارے جذبات سے کھیلنے اور حالات کو خراب کرنے کی غرض سے اس خبیث اللسان اور خبیث الباطن شخص نے بلا وجہ آپ کا تذکرہ چھیڑتے ہوئے اپنے گندے قلم سے لکھا ہے :- ”نیز اگر امام عیسیٰ بن جاریہ انصاری مدنی پر جرحیں کی گئی ہیں تو ان کے امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ پر اس سے زیادہ سخت ترین جرحیں کی گئی ہیں“ الخ۔

اس کے بعد اس غیر سعید نے ڈھائی صفحے اسی میں سیاہ کر کے اس محسن اسلام کو ”اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ“ ”جیلہ ساز“ ”جھوٹا“ اور ”گمراہ“ ”تک کہہ دیا ہے جس کو تفصیلاً لکھنے سے قلم لرزتا، یکجہ منہ کو آتا اور دماغ پھٹتا ہے۔ ملاحظہ ہو (گالی نامہ صفحہ ۳۲ تا ۳۵)۔

الجواب :- اولاً : تعصب مؤلف :-

مؤلف کے بے جا تعصب کا یہاں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس راوی پر محدثین کی کڑی جرحیں موجود ہیں اور جس کا شمار قطعاً ”ائمہ متبوعین میں نہیں اور نہ ہی اس کا درجہ اجتہاد پر فائز ہونا ثابت ہے، مؤلف اسے محض اس لیے ”امام“ کا لقب دے رہا ہے کہ اس کی بیان کردہ وہ روایت اس کے زعم میں اس کے دھرم کے مطابق ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ جن کی جلالت علمی پر ایک جہاں متفق ہے وہ انہیں ”امام“ کہنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ بالفاظ دیگر مؤلف کا تعلق لوگوں کے اس طبقہ اولیٰ سے ہے جس کے منہ میں کچھ ڈال دیا جائے تو وہ گن گنا شروع کر دیتا ورنہ جو منہ میں آتا ہے اگل دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون ولنعم ما قبل

مل جائے جہاں پیسہ ہے وطن ان کا
ہندی ہیں، مصری ہیں، چینی ہیں نہ دوی

ثانیاً: "جروح کا اجمالی جواب:-

مؤلف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ پر جتنی جرحیں نقل کی ہیں ان میں سے کسی ناقد و جرح کی کوئی ایک بھی اصل عبارت نقل نہیں کی بلکہ بعض کتابوں کا نام لے کر ان کے نام کے حوالے محض اپنے لفظوں میں پیش کیے ہیں جب کہ مؤلف کا محرک اور خائن ہونا بھی ایک حقیقت ثابت ہے جس کی بیسیوں مثالیں گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ اس لیے جب تک وہ امام اعظم کے خلاف پیش کی گئی عبارات میں سے اصل عبارت مع سند پیش نہ کرے، ان میں سے قطعاً کسی کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ انشاء اللہ جب وہ پورا سوال کرے گا اس کی خوب خبر لیں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم پر جرحیں کرنے والے یا تو آپ کے حامد اور معاند ہیں یا بے خبر ہیں یا وہ جرحیں آپ کے ان ناقدین سے محض بطور غلط منسوب ہیں۔ پھر اگر محض کثرتِ ناقدین کا ہونا باعثِ عیب ہو تو اور تو اور خدا و رسول (جل جلالہ و علاہ) پر بھی معاذ اللہ حرف آئے گا کیونکہ اس دنیا میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم و جل جلالہ) کے منکرین و معاندین ان کے ماننے والوں کی بہ نسبت کئی حصے زیادہ ہیں۔ تو کیا مؤلف اپنے اس خود ساختہ اصول کی رو سے ادھر بھی ہاتھ صاف کر دے گا؟

امام ابن حجر عسقلانی کا دو ٹوک فیصلہ:-

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے ناقدینِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ اقوال کو سامنے رکھ کر اس کا ایک مختصر جامع اور نہایت مسکت جواب پیش فرمایا ہے جو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ امام ابن داؤد خرمی کے حوالہ سے تائیداً اور استناداً ارقام فرماتے ہیں:- "الناس فی ابی حنیفۃ حاسدو جاہل"۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنے والوں کے جملہ اعتراضات حسد اور جہالت کی بناء

پر ہیں۔ ملاحظہ ہو:- (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲ طبع مصر و پاک)۔

عبارت "میزان" کے حوالہ سے اعتراض کا پوسٹ مارٹم:-

باقی رہی میزان الاعتدال (جلد ۴ صفحہ ۲۶۵ طبع سانگلہ ہل) سے نقل کردہ مؤلف کی یہ عبارت کہ "ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی و آخرون و ترجم له الخطیب فی فصلین من تاریخہ واستوفی کلام الفریقین معدلیہ و مضعفیہ"۔ یعنی نسائی نے حافظہ کی بناء پر اور ابن عدی اور دوسروں نے آپ کو ضعیف کہا اور خطیب نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں دو فصلوں میں آپ کے حالات بیان کر کے آپ کی تعدیل و تضعیف کرنے والے دونوں فریقوں کا مکمل کلام نقل کیا ہے۔ اھ؟ تو یہ بھی اسے کسی طرح مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ:-

اولاً: عبارت الحاقی ہے:-

یہ عبارت الحاقی ہے جس کی بعض دلائل حسب ذیل ہیں:-

دلیل نمبر ۱-

چنانچہ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اسی میزان الاعتدال کے اسی جلد کے اسی صفحہ پر حاشیہ نمبر ۲ کے تحت مرقوم ہے:- "هذه الترجمة ليست فی س'ل"۔

اسی کے جلد اول کے صفحہ ط' ی پر ہے کہ "س" سے محشی کی مراد میزان الاعتدال کا وہ نسخہ ہے جو علامہ سبط ابن العجمی کا نوشتہ ہے اور "ل" سے ان کی مراد لسان المیزان ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیف ہے۔ پس منقولہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ ہوا کہ امام اعظم کا اس تذکرہ کا میزان الاعتدال کے اس نسخہ میں جو علامہ سبط ابن العجمی کا مخطوطہ ہے اسی طرح لسان المیزان میں کوئی وجود

نہیں۔

دلیل نمبر ۲۔

علاوہ ازیں خود صاحب میزان الاعتدال نے اپنی اسی کتاب کے آغاز میں اس کی تصریح فرمادی ہے کہ وہ اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت کسی بھی امام متبوع کا ان کی جلالت علمی اور عظمت کی بناء پر تذکرہ نہیں لائیں گے چنانچہ ان کے لفظ ہیں :- ”و کذلا اذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین فی الفروع احدا“ الجلالہم فی الاسلام و عظمتہم فی النفوس مثل ابی حنیفۃ و الشافعی و البخاری۔“ یعنی اسی طرح میں اپنی اس کتاب میں ان ائمہ میں سے کسی ایک کا بھی تذکرہ نہیں لاؤں گا کہ مسائل عملیہ میں امت جن کی تقلید کرتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کا بڑا مقام اور اہل اسلام کے دلوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت پائی جاتی ہے۔ (جو ان کے ثقہ و معتمد ہونے کی دلیل ہے) جیسے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام بخاری۔ اھ

علامہ ذہبی کی یہ عبارت بھی اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ مؤلف کی نقل کردہ زیر بحث عبارت یقیناً ”الحاقی“ ہے جو کسی غیر مقلد نے حسب عادت تحریف کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں ملا دی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں نے صرف امام ابو حنیفہ ہی پر اعتراض بازی نہیں کی بلکہ دوسرے ائمہ (امام شافعی اور امام بخاری وغیرہما) پر بھی جرح و قدح کی ہے۔ پس مؤلف کو اگر شوق پورا کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کرے۔

دیدہ باید۔

دلیل نمبر ۳۔

اس کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب (جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۱ تا صفحہ ۴۰۳) میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مفصل تذکرہ

کیا ہے مگر نسائی اور ابن عدی سے منسوب یہ کلام انہوں نے ذکر تک نہیں کیا بلکہ امام اعظم کو نسائی کا شیخ الشیخ ثابت کر کے ان سے منسوب اس قول کے ثبوت کے محل نظر ہونے کی جانب واضح اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں :- ”و فی کتاب النسائی حدیثہ عن عاصم بن ابی ذر عن ابن عباس الخ“۔ یعنی نسائی کی کتاب میں امام اعظم کے طریق سے یہ حدیث موجود ہے جو آپ نے عاصم بن ابی ذر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳ طبع مصر و پاک)

دلیل نمبر ۴۔

علاوہ ازیں دیگر بے شمار آئمہ نے بھی درخور اعتناء نہ سمجھتے ہوئے ان سے عداً اعراض کیا ہے جیسے امام ابن حجر شافعی کی اور امام سیوطی شافعی وغیرہما۔ جو مانع فیہ کی واضح دلیل ہے۔ واللہ الحمد۔

دلیل نمبر ۵۔

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے۔ زیر بحث عبارت کے میزان میں الحاقی اور صاحب میزان کے نزدیک اس کے مردود ہونے کا بین ثبوت ہے۔

فرضا”نسائی و ابن عدی کے اقوال کا تابذ توڑ جواب :-

شاید کوئی یہ کہے کہ سطور بالا سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ علامہ ذہبی کا دامن اس عبارت سے پاک ہے، اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ نسائی اور ابن عدی وغیرہما نے امام اعظم پر یہ جرح نہیں کی بلکہ یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ نسائی نے ”کتاب المغفۃ و المنروکین“ میں (صفحہ نمبر ۲۳۳ پر) ابن عدی نے کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال جلد ۷ میں (صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۸ پر) (۰)

نیز خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ۱۳ میں (صفحہ ۳۲۳ تا ۳۵۴ پر) اور عقیلی نے کتاب الفضلاء الکبیر جلد ۴ میں (صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۵ پر) بڑی سخت جرحیں کی ہیں جیسا کہ مؤلف نے بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۳۳-۳۴)۔

تو اس کا جواب :-

یہ ہے کہ امام اعظم پر ان لوگوں نے جو جرحیں کی ہیں ان کی دو صورتیں ہیں : (۱) وہ جرحیں جو انہوں نے خود کی ہیں یا پھر (۲) وہ ان کے محض ناقل ہیں اور وہ جرحیں کرنے والے کوئی اور ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے واجب الرد ہیں کیونکہ امام اعظم ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جبکہ نسائی، ابن عدی، خطیب اور عقیلی (مذکورین بالا) میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حضرت امام کا ہم زمان ہو بلکہ یہ سب آپ کی وفات کے عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے سب سے متقدم نسائی ہیں جو امام صاحب کی وفات کے پینسٹھ سالوں کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ ان کا سن ولادت ۲۱۵ھ ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۳۳)۔ جبکہ امام اعظم کا سن وفات ۱۵۰ھ ہے (کافی اکمال وغیرہ) ”۲۱۵“ میں سے ”۱۵۰“ نفی کیے تو ”۶۵“ باقی رہے۔ باقی سب ان کے بعد کی پیداوار ہیں پس جنہوں نے نہ تو امام اعظم کی زیارت کی نہ ان کا زمانہ پایا۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان کے حالات کیسے تھے؟ لہذا یہی کہا جائے گا کہ یا تو یہ باتیں ان سے کسی دشمن نے غلط منسوب کر دی ہیں یا کم از کم یہ کہ وہ بلا دلیل ہیں جو بہر صورت واجب الرد ہیں۔

اور اگر دوسری صورت ہو تو یہ سند کی محتاج ہے پس مؤلف کو اس قسم کا جو بھی اعتراض ہے وہ اس کا بامند صحیح ثبوت اصل عربی عبارت کے ساتھ پیش کرے، پھر ہم اس کا جواب دے کر اسے ناکوں پٹنے چوا کر اس کی طبیعت صاف نہ کر دیں تو پھر شکایت کرے۔ اس کے بغیر اس کی تقریب تام ہے نہ اعتراض

مکمل اور نہ ہی اصولاً ہم اس کے کچھ جوابدہ ہیں۔ ہے جرات تو آئے میدان میں۔ پھر :-

جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

جروحِ نسائی و ابن عدی کے غیر معتبر ہونے کی دیگر وجوہ :-

علاوہ ازیں ان حضرات بالخصوص نسائی اور ابن عدی کی یہ جروح اس لیے بھی مردود اور ناقابل قبول اور غیر معتبر ہیں کہ وہی علامہ ذہبی جن کی میزان الاعتدال کا مؤلف بار بار نام لیتا اور وہی ابن حجر جن کی کتاب تہذیب التہذیب کے تھوک کے حساب سے مؤلف حوالے پیش کرتا ہے، انہوں نے نسائی اور ابن عدی کی جرحوں کو اپنی انہی کتابوں میں کئی مقامات پر رد کیا اور ان پر سخت چوٹیں کی ہیں (کمائیاتی) پس جو لوگ خود تمہارے لیے حجت نہیں، انہیں ہم پر حجت بنا کر پیش کرنا سراسر ظلم، انتہائی زیادتی اور سخت ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

حالِ جروحِ نسائی :-

امام نسائی فنِ حدیث کے ماہرین میں سے اور بہت بڑے بزرگ تھے لیکن بایںہمہ، کتب اسماء الرجال میں بعض ایسے شواہد ملتے ہیں جو ان کے متعصب ہونے پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ مشہور محدث حافظ احمد بن صالح مصری کے ساتھ ان کی چپقلش کا واقعہ بہت مشہور اور کتب فن میں مزبور ہے کہ نسائی ان کے پاس پڑھنے کے لیے گئے تو انہوں نے انہیں اپنی کلاس میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی بلکہ وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا جس پر انہیں طیش آگیا پس وہ ان پر تا زندگی جرح کرتے رہے۔ اس پر ابو سعید محدث نے یہ رائے دی کہ ”لم یکن عندنا بحمد اللہ کما قال النسائی“۔ یعنی بحمد اللہ ہمارے نزدیک احمد بن صالح قطعاً اس طرح نہیں ہیں جس طرح نسائی نے بیان کیا ہے۔ ابن عدی نے ابن ہارون برقی کے حوالہ سے کہا ”طرده من مجلسه فحمله علی ان

یتکلم فیہ۔" یعنی احمد پر نسائی کی جرح کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے نسائی کو اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔ خطیب نے کہا "احتج باحمد جمیع الانمة الا النسائی (الی) و نال النسائی منه الجفاء فذلک السبب الذی افسد الحال بینہما۔" یعنی نسائی کے سوا تمام ائمہ نے احمد بن صالح کو حجت مانا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ نسائی کو ان سے گزند پہونچی تھی جس کے باعث ان کے تعلقات بگڑ گئے۔ غیلی نے کہا "کلام النسائی فیہ تحامل۔" نسائی کی ان پر جرح نسائی کی انتہائی زیادتی ہے۔ اسی طرح عقیلی نے بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۵-۳۶)۔

حال جروح ابن عدی :-

ابن عدی بھی اپنے تمام تر علمی مقام کے باوجود متعصب ذہن کے مالک تھے۔ اور ان کی بھی متعدد جروح کو ائمہ نقد نے بے محل بتا دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان (جلد ۳ صفحہ ۳۳۸) میں حافظ ابوالقاسم بغوی کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں :- "تکلم فیہ ابن عدی بکلام فیہ تحامل۔" یعنی ابن عدی نے ان پر محض نفسانیت اور تعصب کی بناء پر جرح کی ہے۔ اسی میں ہے :- "و کان بذی اللسان یتکلم فی الثقات۔" یعنی وہ بیہودہ زبان سے ثقات پر جرح فرماتے تھے۔

نیز علامہ ذہبی میزان الاعتدال (جلد ۱ صفحہ ۶۳۳) میں خالد بن مسیرہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :- "قال ابن عدی هو عندی صدوق۔" یعنی ابن عدی نے کہا کہ وہ میرے نزدیک "صدوق" ہے۔ اس پر ذہبی احتجاج اور تعجب کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :- "قلت فلماذا ذکرته فی الضعفاء۔" یعنی میں کہتا ہوں اگر وہ صدوق ہے تو آئندہ نے اسے ضعفاء میں کیوں ذکر کیا ہے؟ علاوہ ازیں وہی ذہبی اسی میزان الاعتدال کے آغاز میں فرماتے ہیں :-

"فلولا ان ابن عدی لو غیرہ من مؤلفی کتب الجرح ذکر واذلک الشخص لما ذکرته لثقة (الی) لانی ذکرته لضعف فیہ عندی۔" یعنی میزان میں ان میں کسی محدث کی جرح کے لئے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ میرے نزدیک بھی مجروح اور ضعیف ہو گا (بلکہ اس کا مقصد محض جمع اقوال ہے) اگر کتب جرح کے مؤلفین، ابن عدی وغیرہ نے اسے ذکر نہ کیا ہوتا تو میں اسے کبھی اس میں ذکر نہ کرتا کیونکہ وہ فی الواقع ثقہ اور معتمد ہو گا ۱ھ۔ ملاحظہ ہو (جلد ۱ صفحہ ۲)

کسی محدث کی جرح علی الاطلاق معتبر نہیں :-

بلکہ یہ وصف دیگر کئی محدثین کا بھی ہے چنانچہ حماد بن سلمہ پر محدثین کی جروح کے بارے میں ابن حبان کا قول ہے :- "لم یتصف من جانب حدیث حماد۔" یعنی حماد بن سلمہ کی روایت کو قبول نہ کرنے والا غیر منصف اور ظالم ہے۔ ملاحظہ ہو (میزان جلد ۱ صفحہ ۵۹۱)۔

نیز سفیان ثوری پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں :- "ولا عبرة لقول من قال بدلس و یکتب عن الکذبین۔" یعنی ثوری کے بارے میں یہ جرح کرنے والوں کی جرح کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے تدلیس کرتے اور ان سے حدیث لیتے تھے۔ ملاحظہ ہو (میزان جلد ۱ صفحہ ۱۶۹)۔ نیز اسی میزان (جلد ۳ صفحہ ۶۷۷) میں ہے کہ امام بخاری نے محمد بن یزید بن رکانہ کی اسناد کو بھول کہا جبکہ ان کے شیخ یحییٰ بن یحییٰ نے اسے ثقہ قرار دیا۔

نیز لسان المیزان (جلد ۳ صفحہ ۳۳۹) میں ہے سلیمان بن عبد اللہ بن محمد کو حدیث کے چرانے سے متہم کیا ہے ابن حجر فرماتے ہیں :- "قلت الرجل ثقة مطلقاً فلا عبرة بقول السليمانی۔" یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ شخص

قطعا" ثقہ ہے پس اس کے بارے میں سلیمانی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔
 نیز اسی میں (صفحہ ۳۳۰ پر) ہے موسیٰ بن ہارون الحمال محدث سے کہا گیا
 کہ فلاں فلاں محدثین اس پر بڑی جرح کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا
 "یحسدونہ"۔ انہیں ان سے حسد ہے۔ بالفاظ دیگر ان پر ان لوگوں کی جرح
 محض ان سے حسد کی بناء پر ہے۔

علاوہ ازیں نہایت درجہ تعجب خیز امر ہے کہ امام بخاری نے سید التالین
 امام اہل حق حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ابن حجر اس
 کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "لولا ان البخاری ذکر اویسا فی الضعفاء
 لما ذکرہ اصلا" فانہ من اولیاء اللہ الصادقین۔ یعنی بخاری نے حضرت
 اولیس کو ضعفاء میں ذکر نہ کیا ہوتا تو میں انہیں یہاں بالکل نہ لاتا کیونکہ وہ اہل
 صدق، اولیاء اللہ سے ہیں۔ لکن عدی نے کہا "لا یتہیا ان یحکم علیہ
 بالضعف بل ہو ثقہ صدوق"۔ یعنی ان پر ضعف ہونے کا حکم لانا ناجایا ہے،
 حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت سچے، ثقہ (اور معتمد) ہیں۔ ملاحظہ ہو (لسان المیران
 جلد ۱ صفحہ ۴۷۱) اسی طرح تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۰۶، جلد ۷ صفحہ ۲۰۷، جلد
 ۸ صفحہ ۱۷ اور جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۳ بھی لائق مطالعہ ہیں جن میں اس قسم کا مواد
 موجود ہے۔

الغرض اگر کسی پر محض کسی محدث کی کسی جرح کے کسی کتاب میں آ
 جانے سے اسے واقع میں جرح کہا جائے اور اسے حرف آخر قرار دے کر مجروح کو
 ناقابل احتجاج کہہ دیا جائے تو کم از کم نوے فیصد حضرات اس کی زد میں آکر غیر
 مقبول قرار پائیں گے۔ پھر جب دوسرے لوگوں کے بارے میں اس قسم کی جرحیں
 کسی نہ کسی وجہ سے واجب الرد ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کے پیروکار ہر
 دور میں سب سے زیادہ رہے زیادہ ہیں اور انشاء اللہ زیادہ رہیں گے اور بڑے
 بڑے ائمہ و اولیاء اور شہسوار علم و اقدار فضل ان سے وابستگی کو اپنے لئے سعادت

سمجھتے ہیں ان کے متعلق ان بے سروپا چڑحوں کو قرآنی آیات کیوں گردانا جاتا
 ہے؟ کیا یہ ظلم عظیم اور سراسر ناانصافی نہیں؟ ظالمو جواب دو۔ ظلم کا حساب دو۔
 امام اعظم ائمہ نقاد سے ہیں:-

ائمہ نے فن حدیث میں امام اعظم کے اقوال کو استناداً پیش کیا ہے جو اس
 امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ امام جرح و نقد ہیں۔ اس سے بھی ان بے بنیاد
 جروح کے غلط ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ میزان الاعتدال (جلد ۳ صفحہ
 ۱۷۳) میں علامہ ذہبی، آپ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 وقال ابو حنیفۃ افرط جہم فی نفی التشبیہ حتی قال انہ تعالیٰ لیس
 بشئی و افرط مقاتل یعنی فی الاثبات حتی جعلہ مثل خلقہ۔ نیز
 تہذیب التہذیب (جلد ۱ صفحہ ۲۵۱) میں امام ابن حجر آپ کا قول استناداً پیش
 کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "قال ابو حنیفۃ اتانا من المشرق رایان
 خبیثان جہم معطل و مقاتل مشبہ"۔ دونوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ امام
 ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہم اور مقاتل پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے
 علاقہ میں مشرق سے گمراہی کے دو خبیث علمبردار وارد ہوئے جن میں سے ایک
 جہم ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے نفی تشبیہ کا غلو کر کے اسے بے کار قرار دیا اور
 دوسرا مقاتل جس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ تشبیہ کے اثبات میں اس
 قدر غلو کیا کہ اسے مخلوق کی طرح ٹھہرا لیا۔ اھ۔

ایک اور طرح سے:-

امام اعظم کے متعلق ان جرحوں کے غیر معتبر اور واجب الرد ہونے کی
 ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے ائمہ بالخصوص ان کے ہم عصر اور ان کے
 زمانہ کے قریب کے ائمہ اسلام نے ان کی زبردست توثیق فرمائی ہے پس یہ "اہل
 بیت اردی بمافیہ"۔ والا معاملہ ہوا۔ کچھ حوالے گزشتہ صفحات میں گزر چکے

ہیں۔ مزید نیچے:-

(۱)۔ امام یحییٰ بن سعید القطان جو علم جرح و نقد کے موجد اور بانی ہیں جنہیں خود مؤلف نے بھی اس فن کا پہلا امام الائمہ تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۲)۔ نیز جو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما کے دادا استاذ اور امام احمد اور امام یحییٰ بن معین وغیرہما کے استاذ ہیں، یہ امام ابو حنیفہ کے نہ صرف مقلد تھے بلکہ اس پر انہیں ناز بھی تھا ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰، صفحہ ۴۰۲ مع حاشیہ نمبر ۱) وہ فرماتے ہیں:- ”ما سمعنا احسن من رای ابی حنیفہ“۔ یعنی ہم نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر درجہ اجتہاد پر فائز کوئی عالم نہیں سنا۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲)۔

(۲)۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:- ”کان ابو حنیفہ ثقة لا یحدث بالحديث الا بما یحفظه ولا یحدث بما لا یحفظه (و فی لفظ) کان ابو حنیفہ ثقة فی الحديث“۔ یعنی امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے آپ محض وہی حدیث بیان فرماتے تھے جس کے حفظ پر آپ کو یقین ہوتا تھا اور جس کے حفظ پر آپ کو یقین نہیں ہوتا تھا اسے قطعاً بیان نہ فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۱)

(۳)۔ امام عبد اللہ بن مبارک جو امام بخاری و مسلم کے مشائخ میں سے ہیں جنہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا اور جن کا نام لینا بھی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی امام اعظم کے شاگرد ہیں:- آپ کا قول ہے:- ”افقه الناس ابو حنیفہ مارایت فی الفقه مثله (الی) لولا ان الله تعالى اغاثنی بابی حنیفہ و سفیان کنت کسائر الناس“۔ یعنی فہم دین کے حوالہ سے سب سے بڑھ کر امام ابو حنیفہ ہیں، دین فہمی میں آپ کی مثل میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری کا شاگرد نہ بناتا تو میں بھی عام لوگوں کی طرح در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوتا۔ ملاحظہ ہو (تہذیب

۲۷۷

(۴)۔ امام ابن جریج جو خود بھی مجتہد تھے اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں، انہیں امام اعظم کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے اللہ پڑھا اور اظہار افسوس کیا اور فرمایا:- ”علم ذهب“۔ آج علم اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۲)۔

(۵)۔ امام مکی بن ابراہیم جو امام بخاری و مسلم کے شیخ المشائخ ہیں اور امام بخاری ۲۲ تلاشیات میں سے گیارہ ثلاثی احادیث کے راوی ہیں، یہ بھی امام اعظم کے فیض یافتہ تلامذہ میں سے ہیں، آپ فرماتے ہیں:- ”کان اعلم اهل زمانه“۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم تھے ملاحظہ ہو (مناقب موفق۔ تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳)۔

(۶)۔ صاحب مشکوٰۃ نے آپ کے ترجمہ میں جو کلام فرمایا ہے وہ بھی نہایت عمدہ اور بہت لائق مطالعہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اگر ہم آپ کے فضائل و مناقب تفصیل سے عرض کرنا چاہیں تو بھی یہ ہمارے بس سے باہر ہے:- ”فانه کان عالماً عاملاً و رعاً زاهداً اماماً فی علوم الشریعة“۔ آپ عالم باعمل، نہایت درجہ متقی و پرہیزگار، تارک الدنیا، شرعی علوم کے امام تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے اپنی اس کتاب مشکوٰۃ میں آپ کی کوئی روایت درج نہیں کی تاہم ہمارا اس میں آپ کا تذکرہ لانا:- ”للتبرک به لعلو مرتبته و وفور علمه“۔ آپ کے کثیر العلم اور کبیر القدر ہونے کے باعث آپ سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ملاحظہ ہو (اکمال صفحہ ۶۲۵)۔

(۷)۔ ہم اس عنوان کو امام ابن حجر عسقلانی کے ان لفظوں پر ختم کرتے ہیں:- ”و مناقب الامام ابی حنیفہ کثیرۃ جداً“ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ و اسکھنہ الفردوس آمین۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب انتہائی

زیادہ ہیں پس اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو اور انہیں جنت میں مقام عطا فرمائے۔

آئین۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۳)۔

جرح خطیب کا ایک اور جواب :-

مؤلف نے خطیب بغدادی کی جس کتاب تاریخ بغداد کا حوالہ دیتے ہوئے امام اعظم پر اعتراض کرنے کی بے ہودہ کوشش فرمائی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ خطیب نے وہ اقوال جرح، محض اسلوب کتاب کی پابندی کرتے ہوئے نقل کیے ہیں کیونکہ ان کی اس کتاب کا موضوع فن تاریخ ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ پس اس سے ان کا مقصد، محض مؤرخانہ فرض ادا کرتے ہوئے مختلف اقوال کا جمع کرنا ہے باقی ان میں سے کون سا قول صحیح اور کون سا غلط ہے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں جس سے سبکدوش ہونے کی غرض سے انہوں نے ان کی سندیں لکھ دی ہیں جس سے اہل علم قاری صحیح و سقیم کا خود باسانی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ باقی وہ بذات خود امام اعظم کی جلالت علمی کے معترف ہیں جس کی وضاحت اسی کتاب کی اس جلد کے اسی مقام کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے --- "معتنرون علی من وقف علیہا وکرہ سماعہا بان اباحیضۃ عندنا مع جلالہ قدرہ اسوۃ غیرہ من العلماء الخ"

اس سے بھی صرف نظر کر لی جائے تو وہ ہم پر قطعاً کسی طرح حجت نہیں (للاجوہ المعتبرۃ المذکورۃ الصدر وایضاً "ما رضى احد من الائمة علی صنيعهم هذا فلذا طر حوا کلہم اقوالہ المنقولۃ کالامام السیوطی وابن حجر وغیرہما) فقط۔

بعض ائمہ کے حوالہ سے مغالطہ اور جھوٹ کا پوسٹ مارٹم :-

ضال و مضلل مؤلف نے اپنی خبیث باطنی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے نہایت درجہ کذب بیانی سے کام لے کر "امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام

اوزاعی، امام سفیان ثوری اور حسن بن صالح" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ان مذکورہ بالا چھ اماموں اور ان کے تمام شاگردوں کا ابو حنیفہ کی تفصیل پر اتفاق ذکر کیا گیا ہے"۔ اھ ملاحظہ ہو:----- (گلی نامہ صفحہ ۳۳)

اقول :-

بحث اس میں نہیں کہ بعض کتب میں رطب و یابس حتیٰ کہ یکواسیں بھی بھرتی ہوتی ہیں اصل بحث تو اس میں ہے کہ یہ باتیں ان ائمہ سے بطریق شرعی ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ ہمارے نزدیک یہ سب باتیں ان ائمہ پر افتراء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امام اعظم کے مداح ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ پس مؤلف کی اس افتراء پر دازی کا اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ لعنة الله على الکذبین۔ اگر مؤلف میں ذرہ بھر بھی صداقت، رقی بھر غیرت اور تھوڑی سی بھی شرم و حیاء ہے تو وہ معتبر اسناد کے ساتھ اس کا شرعی ثبوت پیش کرے۔ نیز کیا مؤلف، قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ بیان کرے گا کہ اگر یہ بات ان ائمہ سے بطریق شرعی ثابت نہ ہو تو اس کی موجودہ اور ہر متوقع بیوی پر حکم شرع کے مطابق تین طلاقیں پڑیں؟ ورنہ امام المسلمین کے بارے میں یہ زبان درازی اس نے کیوں کی ہے؟ جس سے اس بد زبان اور بد باطن نے صرف امام اعظم کو گالی نہیں دی بلکہ آپ کے حوالے سے ان تمام مسلمانوں (جن میں اربوں کھربوں اہل اللہ بھی شامل ہیں ان) کو بھی در پردہ گمراہ قرار دے کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کی بے ہودہ کوشش کی ہے۔

محاکمہ و تقابیل کا پوسٹ مارٹم :-

شیخ چلی صفت مؤلف نے ادھر ادھر کی ہانکنے کے بعد ان قطع و برید زدہ نام نہاد حوالہ جات سے نتیجہ اخذ کرتے اور خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے نہایت درجہ بے جا

طور پر امام اعظم اور عیسیٰ بن جاریہ کے درمیان تقابل اور محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ عیسیٰ بن جاریہ پر جرحیں تو ان جرحوں کا عشر عشر بھی نہیں، اس لحاظ سے امام عیسیٰ بن جاریہ کا پلہ بھاری ہے اور امام ابو حنیفہ کا ہلکا۔ تاہم انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے یا دونوں (ابو حنیفہ اور عیسیٰ) کو حسن یا صحیح حدیث والا کہو یا ضعیف حدیث والا۔“ اھ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۵ گلی نامہ) جو ”اس خیال است و محال است و جنوں“ اور ”چہ نسبت خاک را بعالم پاک“ کا صحیح مصداق ہے جس کے صریح ابطالان ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ اگر فی نفسہ کوئی نیک صالح آدمی ہوں تو کچھ جائے انکار نہیں مگر وہ علمی دنیا میں قطعاً غیر معروف شخص ہیں جن کا تعارف صرف ایک آدھ راوی کے ذریعہ ہوتا ہے جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وہ مجتہد اعظم ہیں جو اپنے دور سے لے کر آج تک ہر دور میں دنیا کی اکثریتی مسلم آبادی کے علمی و روحانی پیشوا ہیں۔ پس مؤلف کا یہ محاکمہ و تقابل محض اس کی خبیث باطنی اور امام اعظم سے اس کے سخت بغض و عناد کا آئینہ دار ہے جس سے امام اعظم کا خدا داد مقام قطعاً کم نہیں ہو سکتا۔

ع آواز سگال کم نہ کند رزق گدارا

مؤلف نے حسبِ عادت اپنی پھلکی دکان کو چمکانے اور محض اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے اس مقام پر بھی عیسیٰ بن جاریہ کی زیرِ بحث روایت کو اپنا مفید مطلب سمجھتے ہوئے انہیں امام، امام کہہ کر پکارا ہے۔ بعض محدثین پر افتراء ”تصحیح“ کا پوسٹ مارٹم:-

مؤلف نے اپنی پرانی عادت کے مطابق اس مقام پر ایک جھوٹ یہ بھی بولا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کی زیرِ بحث روایت کو محدث ابن خزیمہ ”ابن حبان، ابن حجر اور ذہبی وغیرہم“ نے صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۵) جو اتنا بڑا سخت

جھوٹ ہے جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے جس کے کذب و افتراء ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ مؤلف نے یہ اتنا بڑا دعویٰ تو کر دیا ہے مگر ان محدثین میں سے کسی ایک کی کوئی ایک بھی ایسی عبارت پیش نہیں کی جس کے کسی ایک لفظ کا یہ معنی ہو کہ یہ روایت صحیح ہے۔

باقی رہا اس کا مغالطہ کہ چونکہ انہوں نے اسے اپنی فلاں فلاں کتاب میں رکھ دیا ہے اس لیے یہ صحیح ہے؟ تو یہ اس کی سینہ زوری، غیر مقلدی اور سرکشی ہے جس کا پوسٹ مارٹم ہم صفحہ پر کر چکے ہیں۔ پھر گزشتہ صفحات میں اس حوالہ سے مؤلف نے ان مذکورہ بالا چار حضرات کا نام لیا تھا، یہاں پر اس نے ”وغیرہم“ کا پیوند بھی لگا دیا ہے جو اس کی ایک اور تلبیس ہے۔

ح خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

خصوصاً غیر مقلدیت کی وباء سے

بعض احناف کے اقوال سے مغالطہ اور بد زبانی کا پوسٹ مارٹم:-

غیر مقلد مؤلف نے علامہ عینی، علامہ زملعی، علامہ علی قاری، علامہ ابن ہمام اور مولوی انور کشمیری دیوبندی (کی کتب عمدۃ القاری نصب الراية، مرقاۃ، فتح القدیر اور کشف الستار) کا حوالہ دے کر لکھا ہے:- ----- ”یہ خفیوں کے بیچ تن پاک مذکورہ بالا علماء بھی اس جابر بن عبد اللہ والی حدیث کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں جن کے مقابلے میں آج کے سب حنفی مولوی بچے ہیں یہ ان کے علم کے عشر عشر کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب بتاؤ وہ بچے ہیں یا یہ بریلوی مولوی؟ لازماً انہیں سچا کہنا پڑے گا اسے نہیں۔“ (صفحہ ۳۵، ۳۶)

واہ کیا کہنے مؤلف کے نزدیک جو حنفی کل تک علم سے فلاح اور بہت سے مسائل میں جھوٹے تھے (جس کی مثالیں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں) آج

اسے اپنا الو سیدھا کرنے کی ضرورت پڑی تو اس نے نہایت درجہ شریفانہ انداز میں یا روبہا کی چلتے ہوئے انہیں علم کا پہاڑ تسلیم کر لیا سچا بھی مان لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص مؤلف کے زعم کے مطابق اس کے حسبِ بنشاء اس کے منہ میں کچھ نہ کچھ ڈال دے تو وہ سب کچھ اور تمام اوصاف حمیدہ کا مالک ہے ورنہ ولیس بشنی اور تمام خرابیوں کا جامع ہے۔ پس اس جھوٹے کا ہمیں جھوٹا کہنا دراصل اس کی اپنی ہی اصلیت سے نقاب کشائی ہے۔ رہا اس کا ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب اس حدیث کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں؟ تو یہ بھی اس کی تیس، اصول سے انحراف اور کذب بیانی پر مشتمل ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ (جیسا کہ سطور ذیل میں اس کی تفصیل آ رہی ہے)

علامہ عینی اور علامہ زبیلی پر افتراء :-

اس کا یہ کہنا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اور علامہ زبیلی نے نصب الراية میں اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ ملاحظہ ہو (۳۵، ۳۶)؟ اسکی سخت کذب بیانی ان حضرات پر اس کا شدید افتراء اور اس کا سفید جھوٹ ہے چنانچہ ہمارے پاس جو نصب الراية ہے وہ ”دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور“ کی مطبوعہ ہے اس کے جلد ثانی میں دو مقالات (صفحہ ۱۱۳ اور صفحہ ۱۵۲) پر یہ روایت مذکور ہے ان میں سے کسی ایک مقام پر علامہ زبیلی کا کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ ان کے نزدیک یہ روایت ازروئے اصول صحیح ہے۔ ہاں اس کے صفحہ ۱۵۲ پر انہوں نے اتنا لکھا ہے کہ ”وعند ابن حبان فی“ صحیحہ عن جابر ”الخ اس کا اگر یہ مطلب بنتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے تو مؤلف صاحب ارشاد فرمائیں تاکہ ہم ایک بار پھر اس کی بے عقلی کا پوسٹ مارٹم کر سکیں کیونکہ کسی ”صحیح“ نام کی کسی کتاب میں کسی حدیث کا آ جانا اس کے صحیح ہونے کو قطعاً مستلزم نہیں (کما هو مبرهن فی مقامه و بیناه فی صفحه من ہذا)

الرسالۃ ایضاً)

اسی طرح ہمارے پاس جو عمدۃ القاری ہے، وہ مکتبہ رشیدیہ کونہ کی چھاپ ہے اس کی بحث اس کے جزء سابع صفحہ ۱۷۷ میں موجود ہے۔ اس میں بھی ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ اس کے مؤلف علامہ عینی علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ پس یہ مؤلف کا ان حضرات پر افتراء اور جھوٹ ہے جس پر ”لعن“ کے جتنے ڈونگرے برسائے جائیں کم ہے قال اللہ تعالیٰ انما یفتري الکذب الذین لا یؤمنون بآیت اللہ واولئک هم الکذیبون (وقال) لعنت اللہ علی الکذیبین۔ صدق اللہ العظیم۔

علامہ ابن ہمام نیز علامہ زبیلی کی عبارات کا صحیح محمل :-

رہا علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ ”هذه احسن ما يعارض لهم به وبهم غيرهما مما لم يسلم من ضعف او عدم تمام دلالت“ یہ روایت (عدم وجوب نماز وتر کے بارے میں) ہمارے مخالفین کی انتہائی اچھی دلیل ہے جس کے ذریعہ ان کے لیے معارضہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے دلائل ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں یا پھر وہ ان کے حسبِ دعویٰ ان میں مکمل دلالت نہیں ملاحظہ ہو :- (فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۱، صفحہ ۳۷۷ طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)؟

تو یہ بھی اسے کسی طرح مفید نہ ہمیں کچھ مضر ہے کیونکہ (۱) ان کا اسے احسن کہنا ان کے اس موضوع پر دوسرے دلائل کے مقابلہ میں ہے اور یہ بعینہ ایسے ہے جیسے غیر مقلدین مسئلہ رفع یدین کے حوالہ سے ہمارے خلاف ابن حبان سے منسوب ان کا وہ قول پیش کرتے ہیں جو حدیث ابن مسعود کے بارے میں ہے جس میں اس کے متعلق ”احسن“ کے لفظ موجود ہیں حیث قال۔ یہ جواب اس وقت ہے کہ جب ان کی اس عبارت کے لفظ ”هذه“ کا مشار الیہ اس زیر بحث

روایت جابر کو قرار دیا جائے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا مٹار الیہ اس روایت سمیت اس سے پہلے مذکور دو روایتوں کا مجموعہ ہے جس کی دلیل اس عبارت کا اگلا حصہ بھی ہے جس کے لفظ ہیں ”ولہذا“ غیر ”ها“ ضمیر کا مرجع اس زیر بحث روایت کو قرار دیا جائے تو اس سے اوپر دو روایتیں غیر متعلق ہو جائیں گی جس سے معلوم ہوا کہ ”حکم“ کے لفظ کا تعلق پورے مجموعہ سے ہے۔

باقی اس عبارت کا بھی یہ مقصد نہیں کہ قائلین عدم وجوب وتر کے دوسرے دلائل تو ضعیف ہیں مگر یہ روایت صحیح ہے بلکہ اس سے ان کا مقصد محض اجملی طور پر ان دوسرے دلائل کا رد کرنا ہے کہ باقی روایات جن سے وہ اس کے لیے استدلال کرتے یا کر سکتے ہیں یا تو وہ ضعیف ہیں یا پھر غیر صریح اور نامکمل ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں بغرض تسلیم بحث میں اس قسم کی تصحیح و تحسین کا مطلب بر تقدیر تسلیم ہوتا ہے ورنہ وہ روایتیں اس کے قائل کے خلاف حجت قرار پائیں اور وہ خود ان کا مخالف جو صحیح نہیں ورنہ بحث کا فائدہ ہی کیا ہے؟ (۳) علامہ ابن ہمام کی یہ عبارت ”مؤلف کے اس لیے بھی خلاف ہے کہ وہ نماز وتر اور نماز تہجد کے الگ الگ اور دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہونے کے قائل ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ نماز وتر کو واجب قرار دیتے ہیں۔

نیز اس روایت کی ایک توجیہ بیان فرماتے ہوئے انہوں نے اس کے مجموعہ کو ”وتر لغوی“ مانا ہے جب کہ مؤلف اپنی غیر مقلدیت کی بناء پر نماز وتر اور نماز تہجد کے ایک ہونے اور ایک ہی نماز کے دو نام ہونے کا نظریہ رکھتا ہے جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ زبیلی بھی اسے باب الوتر میں ”احادیث الخصوم“ کے زیر عنوان لائے ہیں ملاحظہ ہو (نصب الراية جلد ۲، صفحہ ۱۱۳)۔ یہ بھی اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ علامہ زبیلی بھی نماز وتر اور نماز تہجد کے دو الگ الگ اور مستقل نمازیں ہونے کے قائل ہیں نیز وہ بھی نماز وتر کو واجب سمجھتے ہیں جو

مؤلف کے منہ پر ان کے دو زور دار تھپڑ ہیں۔

علامہ علی قاری کی عبارت کی صحیح توجیہ -

ربا علامہ علی قاری کا یہ کہنا کہ ”فانه صحیح عنه انه (صلی اللہ علیہ وسلم) صلی بہم ثمانی رکعات والوتر“ یعنی آپ ﷺ سے (ویقول مؤلف) صحیح ثابت ہے کہ آپ نے انیس آٹھ رکعات اور نماز وتر پڑھائی ملاحظہ ہو (مرقاۃ عربی جلد ۳، صفحہ ۱۹۲)؟

یہ بھی اسے کسی طرح مفید ہے نہ ہمیں کچھ مضرت۔ کیونکہ (۱) علامہ علی القاری نے اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا۔ پس کیا معلوم کہ اس سے ان کی مراد کون سی روایت ہے (فلعبارة متحملة واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اذ لم یقم علی احدهما) (۲) اگر بالفرض اس سے ان کی مراد یہی روایت جابر ہی ہو تو یہ بھی اسے کچھ مفید نہیں اور نہ ہی ہمیں کچھ مضرت ہے کیونکہ اس صورت میں ان کی اس عبارت میں وارد لفظ ”صحیح“ محض بمعنی ”ورد ہے کیونکہ اولاً“ وہ خود ہیں تراویح کے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہونے نیز ہیں پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ خود ان کی اسی کتاب مرقاۃ اور ان کی ایک اور کتاب شرح شفاء کے حوالہ سے صفحہ پر گزر چکا ہے۔

ثانیاً اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو وہ خود بقلم خود مخالف حدیث قرار پاتے ہیں جو کسی ذی عقل سلیم کے نزدیک قطعاً کسی طرح درست نہیں کیونکہ وہ غیر مقلد نہیں تھے کہ ایسی اکڑی اکڑی اور متضاد باتیں کہتے بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں امام اعظم کی اتباع کی برکت اور آپ کے روحانی فیوضات ان کے شامل حال تھے۔

کشمیری صاحب کے حوالہ سے جواب :-

باقی مؤلف نے مولوی انور کشمیری صاحب کی جس کتب (کشف السنہ) کا حوالہ پیش کیا ہے؟ اولاً وہ ہمارے سامنے نہیں نہ ہی اس کی اصل عبارت مؤلف نے پیش کی ہے کہ ہم اس کا مفہوم متعین کر سکیں۔ پس عین ممکن ہے کہ مؤلف نے حسبِ عادت اس میں بھی قطع و برید اور مجرمانہ خیانت کر کے ”کیا کا کچھ“ بنا کر پیش کیا ہو۔

ثانیاً ”کشمیری صاحب موصوف کا تعلق دیوبندی گروہ سے ہے جب کہ غیر مقلدین اور دیوبندی از روئے عقائد ایک ہی چیز ہیں جس کی تصریح مؤلف کے پیش رو مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے فتاویٰ (فتاویٰ ثانیہ جلد ۱، صفحہ ۴۱۳) میں بھی کی ہے جس سے دیوبندیوں کو بھی انکار نہیں بلکہ ان کے بھی کئی علماء اس کی تصریح کر چکے ہیں جب کہ اسی وحدتِ عقائد اور یکجہتی کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بارے میں نہ صرف نرم گوشہ رکھتے ہیں بلکہ گہرائی میں پہونچ کر دیکھا جائے تو اندرونی طور پر انہوں نے عوام کو مختلف بہانوں سے وہابی بنانے کی سینگ کر رکھی ہے اور روایتی سیاست کے طور پر بظاہر وہ خود کو ایک دوسرے کا مخالف ظاہر کرتے ہیں جس کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ یہاں پاکستان میں دیوبندی حضرات کی ایک مشہور مذہبی تنظیم کا سالار اعظم، غیر مقلد ہے۔ پس اسی بناء پر اگر کشمیری صاحب نے اگلے چوک میں جمع ہو کر ایک ہونے کے جواز کی گنجائش رکھ دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں جو ہم پر قطعاً ”حجت نہیں کیونکہ ہماری اور ان کی عقیدہ و ایمان کی راہیں الگ الگ ہیں۔ پس مؤلف کا کشمیری صاحب سمیت، انہیں (دیوبندی بریلوی کے امتیاز کے بغیر) تمام حنفیوں کے ”پنج تن پاک“ کہنا نہ صرف اس کا مغالطہ و افتراء ہے، اس کی ایجاد بندہ اور مضحکہ خیز بات بھی ہے۔ نیز اس امر کی دلیل بھی کہ غیر مقلدین میں کوئی پانچ افراد بھی

ایسے نہیں ہیں، جنہیں پاک کہا جاسکے۔ تب ہی تو وہ بے چارہ اس کا رونا رو رہا ہے۔ کیوں حسیم صاحب! طبیعت صاف ہوئی یا نہیں؟

صنیع عینی و قاری کا صحیح محمل :-

رہا علامہ عینی اور علامہ علی القاری کا اس کا روایت کو اس سوال کے جواب میں لانا کہ ”فان قلت لم یبین فی الزواہیات المذكورة عدد هذه الصلوة التي صلاها رسول ﷺ فی تلك الليالي؟ قلت روی ابن خزيمة وابن حبان من حدیث جابر رضی اللہ عنہما قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر“ اه واللفظ للاول وذكر علی القاری بناء علی ان عبارته تتعلق بهذه الرواية (ملاحظہ ہو) عمدہ جزء ۷، صفحہ ۱۷۷

تو اس سے بھی ان کا مقصد نہ تو اس کی تصحیح ہے نہ یہ کہ اس کا مضمون ان کا مذہب ورنہ وہ خود اس کے کھلے مخالف، باغی اور بقلیم خود مردود حدیث قرار پائیں گے جو کسی طرح صحیح نہیں جب کہ وہ بیس تراویح کے قائل و فاعل ہیں اور اس روایت کا صحیح پھر غیر مغل، غیر شاذ و غیر معارض ہونا بھی ثابت نہیں ہے جس کی حقیقت سے ہم بھی باخبر ہیں چہ جائیکہ یہ جبال العلم اس سے ناواقف ہوں جن کی بلند پایہ علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے مؤلف ہمارے متعلق یہ لکھ چکا ہے کہ ”ان کے مقابلے میں آج کے سب حنفی مولوی سب بچے ہیں“ یہ ان کے علم کے عشرِ عشر کو بھی نہیں پہونچ سکے۔“ (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۳۶)

جس کے بعد ان کے اس صنیع کا یہ صحیح محمل کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ اس سے حدیث کے تاریخی پہلو کی خدمت کرتے ہوئے ان کا مقصد محض ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جن کے کلام سے علی الاطلاق صحیح اور غیر صحیح روایات کی نفی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان راتوں میں پڑھی جانے والی

نماز تراویح کی تعداد کسی روایت سے ثابت نہیں جیسا کہ تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۰۸ تا ۱۰۹ میں باحوالہ نثر چکا ہے۔ جس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ کسی رسالہ ہذا صفحہ ۸ تا ۱۰ میں باحوالہ نثر چکا ہے۔ جس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ کسی غیر صحیح اور ضعیف و مردود روایت سے بھی یہ امر ثابت نہیں۔ پس علامہ عینی نے اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کا حسب اصطلاح درجہ کیا ہے اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ اس کی علی الاطلاق نفی کرنا صحیح نہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ علامہ عینی نے اس کی قطعاً تصحیح نہیں فرمائی۔ جب کہ اس کا غیر صحیح اور ناقابل احتجاج ہونا ہم کئی ٹھوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ واللہ علی ذلک۔

بحث روایت ابی نعیم

مؤلف نے اپنے سلسلہ دلائل کی تیسری (اور ہمارے اس رسالہ کی ترتیب کے مطابق آٹھ تراویح کے سنت رسول اللہ ﷺ ہونے کی جو آخری) دلیل اپنے ایک غیر مقلد مولوی عبدالرحمن مبارکپوری کی کتاب تحفۃ الاحوذی (جلد ۲، صفحہ ۷۴) سے نقل مارتے ہوئے ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے پیش کی تھی، وہ یہ تھی کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور! آج رات مجھ سے ایک عجیب بات صادر ہوئی، فرمایا! کیا؟ عرض کی کہ میرے گھر میں عورتوں نے جمع ہو کر کہا کہ ہمیں قرآن مجید یاد نہیں آپ ہمیں نماز پڑھائیں، تو میں نے انہیں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے اھ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

الجواب :-

اس روایت کے روایتی پہلو کے حوالہ سے اس میں بھی بعینہ وہی کلام ہے

اس کے تمام طرق میں بھی اس کا مرکزی راوی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے جو روایت جابر کی سند میں ہے۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ ”دونوں حدیثوں کی اسناد میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰) مزید یہ کہ اس کے بعض طرق میں ”فی رمضان“ کے لفظ ہیں۔ جیسا کہ قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔

جب کہ بعض میں ”یعنی فی رمضان“ کے الفاظ ہیں جیسا کہ مؤلف نے تحفۃ الاحوذی جلد ۲، صفحہ ۷۴ سے نقل مار کر ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے :-

جب کہ بعض میں ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵) جو اس کے دوبارہ تراویح ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اس کے طرق میں اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابی کے ساتھ پیش آیا تھا یا کسی اور کے ساتھ۔ اس اختلاف سے بھی یہ روایت محل نظر ہو جاتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۵ میں موجود ہے (فیلاحظہ)۔ مؤلف نے اس روایت کے متعلق مجمع الزوائد کی حوالہ سے ”اسناد حسن“ کا جملہ کیا تھا اس کا مسکت جواب بھی ہم تحقیقی جائزہ میں عرض کر چکے ہیں جسے آپ اپنی ہی (صفحہ ۲۳-۲۵ پر) ملاحظہ فرمائیں۔

جوابات پر اعتراضات نیز یادہ گویوں کا پوسٹ مارٹم
مؤلف کی سخت کذب بیانی :-

مؤلف نے ہمارے ان جوابات کا توڑ کرنے سے عاجز آکر حسب عادت اس کا نام نہاد جواب پیش کرتے ہوئے چھوٹے ہی یہ سخت جھوٹ بول دیا ہے کہ ہم نے اس روایت کے آخری راوی حضرت جابر کا نام حذف کر دیا ہے (آگے لکھا

ہے کہ) تاکہ اپنی عیاری اور مکاری سے حقیقت پر پردہ ڈال سکے الخ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۶)

اقول :-

اولاً نہ معلوم اس میں عیاری اور مکاری والی کون سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی جائزہ کے قاہر ضریات نے مؤلف کا دماغی نظام درہم برہم کر دیا ہے جس کے بعد وہ مسلسل اس قسم کی لایعنی اور بے محل باتیں کرتا چلا جا رہا ہے۔

ثانیاً مؤلف کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرت جابر کا نام حذف کر دیا ہے، اس کا سخت جھوٹ ہے۔ اسے اس کا جھوٹ نہ کہا جلعے تو پھر یہ اس کا اندھا پن ہو گا کیونکہ تحقیقی جائزہ میں اس روایت کے بیان کے ضمن میں چمکتے سورج کی طرح حضرت جابر کا نام لکھا موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے نقل کرتے ہوئے نہایت درجہ واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ ”آٹھ تراویح کے ثبوت کی تیسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں جاء ابی الی رسول اللہ ﷺ الخ“ ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ سطر نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷)

پس نظر مؤلف کو نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

سہ گر نہ پسند بروز پشرو چشم

چشمہ آفتاب را چہ گناہ

لہذا اس جھوٹ کا سب سے بہتر جواب ہم یہ ہی دے سکتے ہیں کہ لعنة اللہ علی الکاذبین۔

”یعنی فی رمضان“ کا قائل کون؟ :-

پھر مؤلف نے حضرت جابر کے نام کو حذف کرنے کا جھوٹ بول کر اس کی بنیاد پر خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے جو دیوار قائم کی تھی وہ بھی خود بخود دھڑام سے گر

گئی۔ اور اس کا تمام دایلا بے فائدہ ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ کہنا بھی نہایت درجہ غلط ہے کہ ان کا نام حذف کرنے سے ”یعنی فی رمضان“ کے الفاظ کسی اور راوی کے اور اسے باقی رکھنے سے ان کے اپنے لفظ قرار پاتے ہیں کیونکہ اگر یہ حضرت جابر کے لفظ ہوتے تو انہیں ”یعنی“ کی بجائے ”اعنی“ ہونا چاہئے۔ یعنی کا معنی ہے ”اس کی مراد یہ ہے“ جب کہ ”اعنی“ کا مطلب ہے ”میری مراد یہ ہے“ حضرت جابر اپنے متعلق ”یعنی“ کیسے کہہ سکتے ہیں اگر ”یعنی“ کے لفظ حضرت جابر کے ہوں تو کلام اس طرح بنے گا کہ حضرت جابر فرماتے ہیں حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”یعنی فی رمضان“ جو ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ پس لفظ یعنی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حضرت جابر کے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ کسی نچلے راوی ہی کے یہ لفظ ہیں۔

پھر اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ”مدرج جملہ“ آخری راوی ہی کا ہوتا ہے جو مؤلف کی سخت جہالت ہے جسے بالآخر مؤلف قطعاً ثابت نہیں کر سکتا۔ سچا ہے تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس جس جاہل کو ”یعنی“ اور ”اعنی“ کا فرق اور ان کے محل استعمال ہی کی خبر نہیں وہ اگر ہم پر اعتراض کرے تو یقیناً یہ اسے زیب دیتا ہے۔

اعادہ جھوٹ :-

مؤلف نے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام سے یہ کہلوانے کی غرض سے کہ ماشاء اللہ ہمارے مولوی صاحب چپ نہیں ہوئے بار بار بولے جا رہے ہیں جو ان کے بڑے ہونے کی دلیل ہے، صفحہ ۳۷ پر نہایت درجہ بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس جھوٹ کا اعادہ کیا اور پھر لکھ دیا ہے کہ ”جس کا نام اس بریلوی مولوی نے حدیث سے کاٹ دیا میری بجائے کوئی

اور ہوتا تو فوراً" کہہ دیتا کہ۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

لیکن ہم نے چونکہ صبر کرنے کا تہیہ کیا ہے اس لیے ہم مزید کچھ نہیں کہتے۔

ایک اور جھوٹا دعویٰ :-

ہم نے مسند احمد (جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ طبع مکہ المکرمۃ) کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اس میں یہ واقعہ اس طرح سے مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب کہ قیام اللیل وغیرہ میں ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ پس اس اختلاف سے بھی یہ روایت محل نظر ہو جاتی ہے۔ ملخصاً (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴)

اس کے جواب میں مؤلف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "مسند احمد والی روایت میں یہ عورتوں کو تراویح پڑھانے والا واقعہ ابی بن کعب کا نہیں بلکہ کسی اور صحابی کا ہے" الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۸) جو اس کا محض بے بنیاد اور جھوٹا دعویٰ ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ اس نے اپنے اس باطل دعویٰ کے ثبوت کی کوئی صحیح تو کجا غیر صحیح دلیل بھی پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اس کی سند کا مرکزی راوی بھی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۹) جو اس کے دوسرے طرق میں ہے۔ ملاحظہ ہو (قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ (دغیر))۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۳۰) پس مؤلف کا اسے اور واقعہ قرار دینا اس کی سینہ

زوری ہے۔ سچا ہے تو وہ اس کا مویہ پیش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس راوی کا اضطراب ہے جسے نہایت درجہ عیاری، مکاری اور لفظوں کے ہیر پھیر سے مؤلف چھپانا اور اپنی گرتی غیر مقلدیت کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ حقائق مؤلف کو کیونکر سمجھ آ سکتے ہیں کیونکہ وہ خود لکھ چکا ہے کہ "بات سمجھ میں آ سکتی ہے بشرطیکہ عقل و شعور کا خاتمہ نہ ہوا ہو"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹) جس کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف کے ساتھ یہ حادثہ واقعی ہو چکا ہے اس لیے وہ ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔ کیوں جناب! دماغ ٹھکانے لگایا نہیں؟

بناء الفاسد علی الفاسد :-

مؤلف نے لکھا ہے کہ "اگر یہ واقعہ رمضان میں پیش نہیں آیا بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا تھا جو تہجد پر دلالت کرتا ہے تراویح پر نہیں تو پھر بھی تمہارا عقیدہ باطل ہوا کیونکہ اس سے تہجد کی جماعت ثابت ہو رہی ہے اور تم تہجد کی جماعت کے انکاری ہو" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

اقول :-

یہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد اور محض اس بنیاد پر ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لیا جائے جب کہ ہمارے نزدیک یہ روایت قطعاً صحیح نہیں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ پس جب ہم اس کی صحت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اسے ہم پر حجت بنا کر کیونکر پیش کیا جاسکتا ہے (ثبت العرش ثم انقش)

جماعت تہجد :-

علاوہ ازیں یہ بھی ہم پر مؤلف کا افتراء ہے کہ ہم تہجد کی جماعت کے ملحقاً قائل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تداعی کے بغیر ہو تو اس کی جماعت ہمارے

نزدیک بلا کراہت جائز ہے جس کی وضاحت ہم تحقیقی جائزہ میں بھی کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ)۔ پس یہ روایت بر تقدیر تسلیم اس وقت ہمارے خلاف ہوگی جب اس میں تداعی کے ساتھ جماعت تہجد کا صریحاً ذکر ہو جب کہ ”نسوة“ جمع کثرت بھی اس کی تسلی بخش دلیل نہیں کیونکہ جمع قلت و کثرت میں منابرت بھی شائع ہے۔ پھر یہ جمع کثرت بھی ہو تو کم از کم تین افراد ہی سے تو شروع ہوگی۔

مطلق مقید کے چکر کا پوسٹ مارٹم

مؤلف نے ایک اور چکر دیتے بلکہ فی الحقیقت ایک اور چکر کھاتے ہوئے لکھا ہے کہ تمہارے اصول فقہ کی رو سے مطلق، مقید پر محمول ہوتا ہے لہذا جس روایت میں فی رمضان کے لفظ ہیں وہ اس روایت پر محمول ہے جس میں یہ لفظ موجود ہیں (ملخصاً) (ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۹، ۴۰)

اقول :-

اولاً جب یہ اصول ہی ہماری فقہ کا ہے جس کے تم قائل نہیں تو اپنے اصول چھوڑ کر ہمارے اصول پر آنے بالفاظ دیگر ”توحید غیر مقلدیت“ کو ترک کر کے شرک تقلید کے اختیار کرنے کی ضرورت کیوں اور کس حکمت کی بناء پر پیش آگئی؟ بیٹھا ہپ کڑوا تھو۔ ویسے شرک فی الرسالة ہے اپنا آلو سیدھا کرنے باری آئی تو یہ لش پیش۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ثانیاً :- بر سبیل تنزیل ان الفاظ کے ثبوت کی روایات بھی تو آپس میں متعارض ہیں۔ ایک میں ہے ”فی رمضان“ جب کہ دوسری میں ہے ”یعنی فی رمضان“ جن میں سے اول الذکر کا حصہ متن ہوتا اور ثانی الذکر کا مدرج ہونا واضح ہو رہا ہے۔

ثالثاً :- مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی بات اس وقت درست ہوتی

ہے جب وہ (مقید) صحیح بھی ہو جب کہ علی التحقیق وہ صحیح نہیں۔ پس اس ہیرا پھیری سے بھی مؤلف کو سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ (ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرة عذاب الیم)

رابعاً :- علاوہ ازیں جب تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے تو مقید اور مطلق کی یہ بحث ہی سرے سے ختم ہو گئی۔ کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے صحیح ہونے کے لیے دونوں روایتوں کی وحدت بھی تو شرط ہے۔

خامساً :- مطلق، مقید کی اس ہیرا پھیری سے مؤلف کا یہ اقرار ثابت ہو گیا کہ واقعی روایت مسند احمد میں کسی مہینے کا ذکر نہیں۔ پس بتایا جائے کہ یہ لفظ کس نے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر حذف کیے؟ پھر اس نے یہ کارنامہ عمداً سرانجام دیا یا بھول کر؟ باحوالہ جواب درکار ہے۔ کچھ تو بولیں۔

ع جلا کر راکھ نہ کروں تو داغ نام نہیں

امام اعظم پر ایک بار پھر طعن اور زبان درازی کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے مولوی عبدالرحمن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے ان کی کتاب تحفۃ الاحوزی کے حوالہ سے لکھا تھا صاحب مجمع الزوائد علامہ بیہمی نے اس روایت کی سند کے بارے میں کہا ہے ”اسنادہ حسن“ یعنی اس کی سند حسن ہے۔ ملخصاً (ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

اس کے جواب میں ہم نے اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”جب فی الواقع اس کی سند پر محدثین کا سخت کلام موجود ہے تو وہ حسن کیسے ہو گئی جب کہ اس کے ماہات کی تلافی کرنے والی اور اس کی مؤید کوئی دوسری روایت بھی نہیں“۔ (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۳، ۲۵)

اس کے جواب سے عاجز آ کر مؤلف نے حسب عادت اپنی گندی بازار

مادری زبان میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی شروع کر دی اور پھر وہی پرانا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے کہ ان پر بھی سخت جرحیں ہیں اگر ان سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں ان جرحوں کے ساتھ عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کے حسن اور بیہمی کی تحسین میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔
ملخصاً "ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۰)

جس کی مکمل خبر لے کر صفحہ نمبر.... پر ہم مؤلف کا "بودم بے دالی پن" واضح کر چکے ہیں۔ اسے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ چند لفظ مزید اتنے کہ

سے مہ فشانہ نور و سگ عو عو کند
ہر کے بر خلقت خود سے تند

اس میں مؤلف کا قصور نہیں وہ بے چارہ جس ماحول میں پیدا ہوا، پلا بڑھا پڑھا اور دستار کی شکل میں رسم سر پر باندھا، اس سب پر گستاخوں ہی کا قبضہ تھا۔ پس جلالہ کی طرح اسے گالیاں دینے کی عادت پڑی ہے۔
"حسن اسناد، حسن حدیث کو مستلزم نہیں:-"

علاوہ ازیں کسی روایت کی سند کا حسن یا صحیح ہونا حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں (کما هو مبرہن فی الاصول) جو خود غیر مقلدین کو بھی مسلم ہے کیونکہ جب انہیں ترمذی سے رفع یدین کی نفی میں حدیث ابن مسعود (الا اصلی بکم النخ) دکھائی جائے جسے امام ترمذی نے "حسن" کہا ہے تو وہ اس مقام پر اس کا ایک جواب یہی دیتے ہیں کہ اس سے ان کی ملو محض تحسین سند ہے جب کہ سند کے حسن ہونے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

پس جو بات خود کو مسلم نہیں وہ ہم پر حجت بنا کر کیوں ٹھونسی جا رہی ہے۔
خدارا انصاف۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

مبارک پوری کی طرف سے عذر لنگ:-

ہم نے اس کے جواب میں مزید لکھا تھا کہ مؤلف کے پیش رو عبدالرحمن مبارک پوری نے اپنی کتاب انکار المنہ میں کئی مقالات پر لکھا ہے کہ بیہمی کے کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہہ دینے کا اعتبار نہیں کیونکہ مجمع الزوائد میں ان کی بے شمار اغلاط پائی جاتی ہیں۔ بتائیے کل تک جو کتاب غلطیوں کا پلندہ اور غیر معتبر تھی آج وہ کیسے حجت بن گئی اور جس کے مؤلف پر یقین نہیں تھا اس کے عقیدت مند کیوں بن گئے۔ شاید ضرورت ایجاو کی ماں ہے (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۵)

اس کے جواب میں مؤلف نے جو قیمتی گفتگو کرتے ہوئے گوبر فشانی کی ہے وہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:- "ربا سوال حضرت العلامة محدث کبیر عبدالرحمن مبارک پوری کا بیہمی کی تصحیح و تحسین پر عدم اطمینان کا اظہار کرنا تو یہ ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی تصحیح و تحسین میں بیہمی پر منفرد ہوں الخ" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰)

اقول:-

مؤلف کا یہ دعویٰ بھی محض دفع وقتی کرتے ہوئے، سخت جھوٹ پر مبنی ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ اتنا بڑا دعویٰ تو کر دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اگر اس کا تعلق ان کی انفرادی تحسین سے ہے اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ دوسرے کس اہل علم معتد محدث نے صریحاً اس کی تحسین یا تصحیح کرتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ اس کا کوئی ایک حوالہ تو پیش کیا جائے۔ پس اس کا یہ بلا دلیل دعویٰ اس کی تلیس نہیں تو اور کیا ہے؟

جھوٹ پر خاتمہ :-

مؤلف نے اس بحث کا جھوٹ پر خاتمہ کرتے ہوئے اس کے آخر میں یہ بڑا جھوٹ بولا ہے کہ ”اس حدیث کی تصحیح و تحسین دیگر محدثین فرما چکے ہیں جن میں سے ابن خزیمہ ابن حبان، ذہبی، عسقلانی خصوصاً قابل ذکر ہیں جسے اکابر حنفی علماء بھی تسلیم کر چکے ہیں الخ“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰، ۴۱)

اقول :-

یہ مؤلف کا سفید جھوٹ اور ان محدثین پر کھلا افتراء ہے جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے۔ جس پر مؤلف انتہائی قابلِ مذمت ہونے کے ساتھ ساتھ آفرین اور شاباش کا مستحق بھی ہے اور یہ بات اس کے عظیم مناقب سے ہے کہ اس نے نہایت درجہ استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اس گلی نامہ کو اس کے مقررہ معیار سے گرنے نہیں دیا چنانچہ اس نے اسے جھوٹ ہی سے شروع کیا تھا پھر جھوٹ ہی کا مواد اسے فراہم کیا پھر جھوٹ ہی پر اسے خاتمہ دیا۔ پس جھوٹ کو اس کی غذا اور اس کا اوڑھنا بچھونا بلکہ اس کا مذہب کہہ دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ من احب شیئا اکثر من ذکرہ۔ وعایا کل احد لا من مرغباً تہ

مؤلف کی شیخوں، تعلیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کا پوسٹ مارٹم :-

آخر میں ہم، مؤلف پر اس کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے اس کی ان شیخوں، تعلیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کی خبر لینا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ اس نے عوام پر رعب جھاڑنے، اپنے جاہلوں کو خوش کرنے، غیر مقلدیت کو ہوا دے کر اس کی پھکی دکان کو چمکانے اور سنی حنفی مذہب کو نیچا دکھانے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے جو گیدڑ بھکیوں

سے زائد نہیں۔

حنفیت کو باطل کہنے کی تعلی کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے اس گلی نامہ (کے صفحہ ۴۱، ۴۲) میں حسبِ عادت اپنی مخصوص زبان استعمال کرتے ہوئے حلالہ کی مثال دے کر حنفیت کو باطل، حلال کو حرام، حرام کو حلال کرنے والا، گندہ مذہب قرار دیا اور فخریہ کہا ہے کہ حلالہ سے بچنے کے لیے لوگ ان سے فتویٰ لیتے ہیں نیز تعلی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا غلیظ مذہب ہے کہ اگر عوام کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ اس سے تائب ہو کر سچے پکے محمدی (اہل حدیث) بن جائیں۔ پھر یہ شیخی بھی بگھاری ہے کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے۔ اھ ملخصاً

اقول :-

مؤلف کے بازاری قسم کی سخت گندی زبان کے استعمال کرنے پر ہمیں کچھ رنج نہیں کیونکہ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑا البتہ عوام پر مؤلف کے بلند بانگ علمی دعوای کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اگر وہ اس میں سچا ہوتا تو اسے دلائل کی بجائے ان بے ہودہ باتوں کے زبان پر لانے اور ان سے رسالہ کے اوراق کے سیاہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس اس سے اس نے اپنا ہی بیڑہ غرق کیا ہے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔

ع آوازِ سگال کم نہ کند رزقِ گدارا

باقی رہا حلالہ کا مسئلہ؟ تو ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ حلالہ ہے جو دائرہ شریعت میں رہ کر ہو۔ ایک آدھ رات کے بعد طلاق دینے کی شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی غیرت کے منافی اور قطعاً ”معیوب بات“ ہے جس کا اس مفتزی کو بھی علم ہے سچا تھا تو بے غیرتی والی صورت کے جواز کے ثبوت کے لیے ہماری فقہ کی

کسی معتبر کتاب کا حوالہ کیوں پیش نہیں کیا۔

پھر اگر حلالہ، مطلقاً معیوب، گناہ اور بے غیرتی ہے تو یہ بے غیرت اس ارشادِ ربانی کا کیا معنی کرے گا فلا تحلل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث امرأۃ رفاعہ میں اس ارشادِ نبوی کا وہ دشمن حیاء کیا معنی کرے گا؟ لا حتی ینوق عیسلتک کما ذاق الاول کچھ تو بولیں۔

الغرض دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے حلالہ کی اجازت خود قرآن و حدیث میں موجود ہے اور حنفی مذہب اس مسئلہ میں بھی قرآن و حدیث ہی کا تپا قبیح اور مکمل پیروکار ہے۔ پھر یہ کتنی شوخ چشمی اور سخت دیدہ دلیری ہے کہ اس مسئلہ میں حرام کو حلال بنا کر پیش کرنے کے مجرم وہ خود ہی ہیں کیونکہ قرآن و سنت اور تمام مخلصین اہل اسلام بالخصوص ائمہ اربعہ کے اتفاق سے بلا تفریق مجلس واحد و غیر واحد تین طلاقوں سے عورت اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے (حتی تنکح زوجاً غیرہ) مگر مؤلف اینڈ کمپنی اس سب سے ہٹ کر اس کے قائل ہیں کہ ایک ہی مجلس میں تین کیا کوئی شخص پوری ایک ہزار دانے کی تسبیح پر طلاق طلاق کا وظیفہ پڑھ کر اپنی بیوی پر دم کر دے تو بھی وہ اس پر حرام نہیں ہوتی اور اس سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ اسے اس کی حسب سابق بیوی قرار دے کر اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اس پر مؤلف فخریہ لکھ رہا ہے کہ ”ملعون حلالہ سے بچنے کے لیے لوگ ہم سے ہی فتویٰ لیتے ہیں اور حنفیت سے توبہ کرتے ہیں۔“ بے شرم خود اپنی اس تحریر میں حرام کو حلال کرنے کا مرتکب ہونے کا کھلے بندوں اقرار کر رہا ہے مگر پھر بھی الزام ہمیں کو دیتا ہے اور ہمیں کو کھتا ہے۔

بے شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ کہ حنفی عوام، مؤلف سے بغیر حلالہ کے اپنی حرام بیویوں کی حلت کا فتویٰ لے کر اس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ جو حرام کھا لے یا حرام کے کھانے پر تل جائے یا حرام کھانے کا مشورہ دے تو اس کے لیے حنفی مذہب میں شامل رہنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسا حرام خور جاہل غیر مقلد کہلانے اور اسی جماعت کا فرد بننے ہی کا مستحق ہے۔

اس سے مؤلف کے ”محمدی“ ہونے کے جھوٹے دعویٰ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔ جو قرآن و حدیث کا اس قدر باغی اور اتنا بڑا حرام خور اور حرام خوران ہو وہ حضور سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا قبیح کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ”محمدی“ نسبت حضور سید عالم ﷺ کے اسم گرامی سے نہیں بلکہ یہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے ”محمدی“ کا لکھ کر اس پر صلوٰۃ یا سلام کا کوئی صیغہ نہیں لکھا۔

پھر اگر حنفی مذہب واقعی اسی طرح ہے جس طرح مؤلف نے بد زبانی کی ہے تو مؤلف کے جو پیش رو (غیر مقلد علماء) حنفی مذہب کو نہ صرف پسند کرتے بلکہ از روئے احتیاط اسی کو اپناتے تھے تو جناب مؤلف یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنے نمبر کے گندے تھے اور ان کا غلاظت کا نمبر پچر نمبر کیا تھا؟

رہا اس کا یہ کہنا کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”کیا پدی کیا پدی کا شوربا“ تیرے بڑے بڑے (امرتسری، غزنوی، دہلوی، گوندلوی وغیرہ وغیرہ) یہ آس لے کر اس دنیا سے اپنے اپنے ٹھکانوں کو پہنچ گئے اور ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود وہ بھی حنفیت کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو تو کس باغ کی مولیٰ ہے۔ پھر تم بد زبانی کرو گے تو مر، ہم بھی نہیں گئے۔ انشاء

اللہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر ہم بھی اس حوالہ سے تمہاری طبیعت ایسی صاف کر دیں گے کہ تمہاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی کہ واقعی کسی سنی حنفی سے پالا پڑا تھا۔ پھر چھانچا تو بولے، چھلتی کیوں بولے جس کو چھ سو چھین چھید ہیں، ازراہ غلط ہم پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے غیر مقلدیت کے فضائل و مناقب، کمالات و محامد کا بھی ایک باب قائم فرما دیجئے گا۔ مواد جمع کرنے میں گل گھونٹو لاحق ہونے لگے تو ہمارا رسالہ ”آئینہ غیر مقلدیت“ سامنے رکھ لیجئے گا جس سے آپ کو اس کی سوانح عمری اور اس کی خصوصیات کے بیان کے لیے کافی کمک ملی گی۔ پس۔

ہ اتنی نہ بڑھا پاکی دامان کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

چیلنج بازیوں کا پوسٹ مارٹم۔

مؤلف نے عوام پر جھوٹا رعب جھاڑنے اور مداریوں کی طرح خود کو فاتح ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے اس گلی نامہ میں جگہ جگہ پر چیلنج بازیوں سے بھی کام لیا اور اپنی پھکی دکان کو چمکانے نیز سستی شہرت کے حاصل کرنے کی غرض سے غیر ملکی ایڈز کے بل بوتے پر بات بات پر ہزاروں کے انعامات کا اعلان بھی کیا ہے۔

لفظ ”تراویح“ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم۔

چنانچہ لفظ تراویح پر چیلنج بازی کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے :- اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو۔ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحۃً تم لفظ تراویح ثابت کرو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو ورنہ اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آ جاؤ غضب الہی کو دعوت نہ دو الخ۔ (ملاحظہ ہو

(صفحہ ۹)

اقول :-

یہ ہے وہ جسے مؤلف اپنی مادری زبان میں ”بودم بے دالی“ کہتا ہے۔ بھلا دنیا کی یہ کس عدالت کا فیصلہ ہے کہ جرم مؤلف کا ہو حساب ذمہ ہو ہمارے۔ لفظ تراویح کا اپنی طرف سے اضافہ کرے وہ اور ثبوت پیش کریں ہم۔ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر کتنی عیاری مکاری ہے مؤلف نے جھوٹ خود بولا۔ دھوکہ خود دیا اور اسے اچھال رہا ہے ہم پر۔ شاید شرم و حیاء دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔

باقی رہا اس کا لفظ تراویح کو اپنی طرف سے حدیث میں بڑھانا؟ تو یہ ایک حقیقت ثابت ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دونوں رسائل میں اس نے حدیث ام المؤمنین کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ لفظ تراویح بریکٹ میں لکھا ہے، اگر یہ لفظ اصل حدیث میں تھے تو انہیں بریکٹ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ہیں تو دکھادیں۔

الغرض یہ وہ امر ہے جس کے اثبات کی ذمہ داری مؤلف پر عائد ہوتی تھی مگر نہایت درجہ دجل و تلیس اور فریب دہی سے اس کا ذمہ دار اس نے ٹھہرا دیا ہمیں۔

ہ اگر دجل ہوئے زمین است

ہین است و ہین است و ہین است

رہا ”مبلغ دس ہزار روپیہ بذریعہ عدالت لیتا؟ تو ہمیں آپ کے حرام کپے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صرف اپنی آخرت کو بچاتے ہوئے حدیث میں اضافہ کرنے کے جرم سے پہلی فرصت میں توبہ کر لیں پیسے ہی کی زیادہ ضرورت ہے اور ابھی تک سعودی کویتی و تائیرو ورائیم اور ریالوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھرا اور ”حل من مزید“ کی صدا ہے تو حدیث میں آپ نے جو اضافہ کیا ہے

اسے ثابت کر دیں پھر دس کے بیس لیں۔ دیدہ بلید۔
شمولیت صحابہ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :-

روایت جابر ”ثمان رکعات“ کی بحث کے ضمن میں مؤلف نے یہ تاثر دیا تھا کہ آپ ﷺ ان تین راتوں میں سے صرف تیسری رات میں شریک ہوئے تھے جن میں باجماعت تراویح ادا فرمائی گئی تھی، جس کے صاف اور صریح ثبوت کا ہم نے اس سے مطالبہ کیا تھا جو ہمارا حق بھی تھا، اس کے جواب میں مؤلف نے حسبِ عادت مداریوں والی چیلنج بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :- ”تمام صحابہ تینوں راتوں میں آپ کے ساتھ تراویح پڑھنے میں شریک تھے اور یہ ہرگز ثابت نہیں اور نہ ہی اسے مقلدین قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں اور اگر یہ ثابت کر دیں تو ہر حدیث کے عوض دس ہزار روپیہ انعام پائیں“ اھ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۲۸)

اقول :-

بہت خوب ۔ جس کا ہم نے دعویٰ ہی نہیں کیا اسے ہم ثابت کیوں کریں۔ بات تمام صحابہ کرام کی شرکت یا عدم شرکت کی نہیں۔ زیرِ بحث امر صرف یہ ہے کہ حضرت جابر کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صریح ثبوت کیا ہے جس سے مؤلف نے عاجز آکر یہ غیر متعلق بحث چھیڑی اور اسے لفظ کے بوجھ کے نیچے دبانے کی غرض سے اپنے جھوٹ کو سچ دکھاتے ہوئے چیلنج بازی کا یہ کرتب کھیلا ہے۔ پیسے کے پجاری! ہمیں آپ کے حرام کے ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ہمیں وہ ہتیا کریں جس کا ہم نے آپ سے مطالبہ کیا ہے اور وہ ہے آپ کے حسبِ دعویٰ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صاف اور صریح ثبوت۔ دعویٰ خاص کے لیے دلیل عام

اس کے تمام طرق میں بھی اس کا مرکزی راوی وہی عیسیٰ بن جاریہ ہے جو روایت جابر کی سند میں ہے۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے چنانچہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ ”دونوں حدیثوں کی اسناد میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰) مزید یہ کہ اس کے بعض طرق میں ”فی رمضان“ کے لفظ ہیں۔ جیسا کہ قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔

جب کہ بعض میں ”یعنی فی رمضان“ کے الفاظ ہیں جیسا کہ مؤلف نے تحفۃ الاوحی جلد ۲، صفحہ ۷۳ سے نقل مار کر ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے :-

جب کہ بعض میں ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵) جو اس کے دوبارہ تراویح ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اس کے طرق میں اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابی کے ساتھ پیش آیا تھا یا کسی اور کے ساتھ۔ اس اختلاف سے بھی یہ روایت محلِ نظر ہو جاتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۵ میں موجود ہے (فیلاحظہ)۔ مؤلف نے اس روایت کے متعلق مجمع الزوائد کی حوالہ سے ”اسناد حسن“ کا جملہ کیا تھا اس کا مسکت جواب بھی ہم تحقیقی جائزہ میں عرض کر چکے ہیں جسے آپ اسی میں ہی (صفحہ ۲۳-۲۵ پر) ملاحظہ فرمائیں۔

جوابات پر اعتراضات نیز یا وہ گویوں کا پوسٹ مارٹم
مؤلف کی سخت کذب بیانی :-

مؤلف نے ہمارے ان جوابات کا توڑ کرنے سے عاجز آکر حسبِ عادت اس کا نام نہاد جواب پیش کرتے ہوئے چھوٹتے ہی یہ سخت جھوٹ بول دیا ہے کہ ہم نے اس روایت کے آخری راوی حضرت جابر کا نام حذف کر دیا ہے (آگے لکھا

ہے کہ) تاکہ اپنی عیاری اور مکاری سے حقیقت پر پردہ ڈال سکے الخ ملخصاً۔
ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۶)

اقول :-

اولاً نہ معلوم اس میں عیاری اور مکاری والی کون سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی جائزہ کے قاہر ضربات نے مؤلف کا دماغی نظام درہم برہم کر دیا ہے جس کے بعد وہ مسلسل اس قسم کی لالچیں اور بے محل باتیں کرتا چلا جا رہا ہے۔

ثانیاً مؤلف کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرت جابر کا نام حذف کر دیا ہے، اس کا سخت جھوٹ ہے۔ اسے اس کا جھوٹ نہ کہا جائے تو پھر یہ اس کا اندھا پن ہو گا کیونکہ تحقیقی جائزہ میں اس روایت کے بیان کے ضمن میں چمکتے سورج کی طرح حضرت جابر کا نام لکھا موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے نقل کرتے ہوئے نہایت درجہ واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ ”آٹھ تراویح کے ثبوت کی تیسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں جاء ابی الی رسول اللہ ﷺ الخ“
ملاحظہ ہو (تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۳ سطر نمبر ۱۵، ۱۶)

پس نظر مؤلف کو نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

۵ گر نہ پسند بروز شہرہ چشم

چشمہ آفتاب را چہ گناہ

لہذا اس جھوٹ کا سب سے بہتر جواب ہم یہ ہی دے سکتے ہیں کہ لعنة
اللہ علی الکذبین۔

”یعنی فی رمضان“ کا قائل کون؟

پھر مؤلف نے حضرت جابر کے نام کو حذف کرنے کا جھوٹ بول کر اس کی بنیاد پر خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے جو دیوار قائم کی تھی وہ بھی خود بخود دھڑام سے گر

گئی۔ اور اس کا تمام واویلا بے فائدہ ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ کہنا بھی نہایت درجہ غلط ہے کہ ان کا نام حذف کرنے سے ”یعنی فی رمضان“ کے الفاظ کسی اور راوی کے اور اسے باقی رکھنے سے ان کے اپنے لفظ قرار پاتے ہیں کیونکہ اگر یہ حضرت جابر کے لفظ ہوتے تو انہیں ”یعنی“ کی بجائے ”اعنی“ ہونا چاہئے۔ یعنی کا معنی ہے ”اس کی مراد یہ ہے“ جب کہ ”اعنی“ کا مطلب ہے ”میری مراد یہ ہے“ حضرت جابر اپنے متعلق ”یعنی“ کیسے کہہ سکتے ہیں اگر ”یعنی“ کے لفظ حضرت جابر کے ہوں تو کلام اس طرح بنے گا کہ حضرت جابر فرماتے ہیں حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”یعنی فی رمضان“ جو ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ پس لفظ یعنی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حضرت جابر کے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ کسی نچلے راوی ہی کے یہ لفظ ہیں۔

پھر اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ”مدرج جملہ“ آخری راوی ہی کا ہوتا ہے جو مؤلف کی سخت جہالت ہے جسے بالخصوص مؤلف قطعاً ثابت نہیں کر سکا۔ سچا ہے تو اس کا صحیح ثبوت پیش کرے۔ پس جس جاہل کو ”یعنی“ اور ”اعنی“ کا فرق اور ان کے محل استعمال ہی کی خبر نہیں وہ اگر ہم پر اعتراض کرے تو یقیناً یہ اسے زیب دیتا ہے۔

اعادہ جھوٹ :-

مؤلف نے اپنے رسالہ کا حجم بڑھانے نیز اپنے جاہل عوام سے یہ کہلوانے کی غرض سے کہ ماشاء اللہ ہمارے مولوی صاحب چپ نہیں ہوئے بار بار بولے جا رہے ہیں جو ان کے بڑے ہونے کی دلیل ہے، صفحہ ۷۳ پر نہایت درجہ بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس جھوٹ کا اعادہ کیا اور پھر لکھ دیا ہے کہ ”جس کا نام اس بریلوی مولوی نے حدیث سے کٹ دیا میری بجائے کوئی

اور ہوتا تو فوراً کہہ دیتا کہ۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

لیکن ہم نے چونکہ صبر کرنے کا ہتھیہ کیا ہے اس لیے ہم مزید کچھ نہیں کہتے۔

ایک اور جھوٹا دعویٰ :-

ہم نے مسند احمد (جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ طبع مکہ المکرمۃ) کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اس میں یہ واقعہ اس طرح سے مذکور ہے کہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب کہ قیام اللیل وغیرہ میں ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت ابی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ پس اس اختلاف سے بھی یہ روایت محل نظر ہو جاتی ہے۔ ملخصاً (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴)

اس کے جواب میں مؤلف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”مسند احمد والی روایت میں یہ عورتوں کو تراویح پڑھانے والا واقعہ ابی بن کعب کا نہیں بلکہ کسی اور صحابی کا ہے“ الخ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۸) جو اس کا محض بے بنیاد اور جھوٹا دعویٰ ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ اس نے اپنے اس باطل دعویٰ کے ثبوت کی کوئی صحیح تو کجا غیر صحیح دلیل بھی پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اس کی سند کا مرکزی راوی وہی عیسیٰ بن جابر ہے۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۹) جو اس کے دوسرے طرق میں ہے۔ ملاحظہ ہو (قیام اللیل صفحہ ۱۵۵ (ذیہ))۔ جس کا خود مؤلف کو بھی اقرار ہے (ملاحظہ ہو گلی نامہ صفحہ ۴۰) پس مؤلف کا اسے اور واقعہ قرار دینا اس کی سینہ

زوری ہے۔ سچا ہے تو وہ اس کا مؤید پیش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس راوی کا اضطراب ہے جسے نہایت درجہ عیاری، مکاری اور لفظوں کے ہیر پھیر سے مؤلف چھپانا اور اپنی گرتی غیر مقلدیت کو سہارا دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ حقائق مؤلف کو کیونکر سمجھ آ سکتے ہیں کیونکہ وہ خود لکھ چکا ہے کہ ”بات سمجھ میں آ سکتی ہے بشرطیکہ عقل و شعور کا خاتمہ نہ ہوا ہو“۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹) جس کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف کے ساتھ یہ حادثہ واقعی ہو چکا ہے اس لیے وہ ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔ کیوں جناب! دماغ ٹھکانے لگا یا نہیں؟

بناء الفاسد علی الفاسد :-

مؤلف نے لکھا ہے کہ ”اگر یہ واقعہ رمضان میں پیش نہیں آیا بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا تھا جو تہجد پر دلالت کرتا ہے تراویح پر نہیں تو پھر بھی تمہارا عقیدہ باطل ہوا کیونکہ اس سے تہجد کی جماعت ثابت ہو رہی ہے اور تم تہجد کی جماعت کے انکاری ہو“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

اقول :-

یہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد اور محض اس بنیاد پر ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لیا جائے جب کہ ہمارے نزدیک یہ روایت قطعاً صحیح نہیں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ پس جب ہم اس کی صحت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اسے ہم پر حجت بنا کر کیونکر پیش کیا جاسکتا ہے (ثبت العرش ثم انقش)

جماعت تہجد :-

علاوہ ازیں یہ بھی ہم پر مؤلف کا افتراء ہے کہ ہم تہجد کی جماعت کے ملحقاً قائل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تداعی کے بغیر ہو تو اس کی جماعت ہمارے

نزدیک بلا کراہت جائز ہے جس کی وضاحت ہم تحقیقی جائزہ میں بھی کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۰)۔ پس یہ روایت بر تقدیر تسلیم اس وقت ہمارے خلاف ہوگی جب اس میں مدّعی کے ساتھ جماعت تہجد کا صریحاً ذکر ہو جب کہ ”نسوة“ جمع کثرت بھی اس کی تسلی بخش دلیل نہیں کیونکہ جمع قلت و کثرت میں منابیت بھی شائع ہے۔ پھر یہ جمع کثرت بھی ہو تو کم از کم تین افراد ہی سے تو شروع ہوگی۔

مطلق متقید کے چکر کا پوسٹ مارٹم

مؤلف نے ایک اور چکر دیتے بلکہ فی الحقیقت ایک اور چکر کھاتے ہوئے لکھا ہے کہ تمہارے اصول فقہ کی رو سے مطلق، متقید پر محمول ہوتا ہے لہذا جس روایت میں فی رمضان کے لفظ ہیں وہ اس روایت پر محمول ہے جس میں یہ لفظ موجود ہیں (ملخصاً) (ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۹، ۴۰)

اقول :-

اولاً ”جب یہ اصول ہی ہماری فقہ کا ہے جس کے تم قائل نہیں تو اپنے اصول چھوڑ کر ہمارے اصول پر آنے بالفاظ دیگر توحید غیر مقلدیت کو ترک کر کے شرک تقلید کے اختیار کرنے کی ضرورت کیوں اور کس حکمت کی بناء پر پیش آگئی؟ میٹھا ہپ کڑوا تھو۔ ویسے شرک فی الرسالة ہے اپنا آلو سیدھا کرنے باری آئی تو یہ لاش پش۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

ثانیاً :- بر سبیل تنزیل ان الفاظ کے ثبوت کی روایات بھی تو آپس میں متعارض ہیں۔ ایک میں ہے ”فی رمضان“ جب کہ دوسری میں ہے ”یعنی فی رمضان“ جن میں سے اول الذکر کا حصہ متن ہونا اور ثانی الذکر کا مدرج ہونا واضح ہو رہا ہے۔

ثالثاً :- مطلق کے متقید پر محمول ہونے کی بات اس وقت درست ہوتی

ہے جب وہ (متقید) صحیح بھی ہو جب کہ علی التحقیق وہ صحیح نہیں۔ پس اس ہیرا پھیری سے بھی مؤلف کو سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ (ذلک لہم

خزى فى الدنيا ولہم فى الآخرة عذاب الیم)

رابعاً :- علاوہ ازیں جب تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے تو متقید اور مطلق کی یہ بحث ہی سرے سے ختم ہو گئی۔ کیونکہ مطلق کو متقید پر محمول کرنے کے صحیح ہونے کے لیے دونوں روایتوں کی وحدت بھی تو شرط ہے۔

خامساً :- مطلق، متقید کی اس ہیرا پھیری سے مؤلف کا یہ اقرار ثابت ہو گیا کہ واقعی روایت مسند احمد میں کسی مہینے کا ذکر نہیں۔ پس بتایا جائے کہ یہ لفظ کس نے کیوں اور کس حکمت کی بناء پر حذف کیے، پھر اس نے یہ کارنامہ عدا“ سر انجام دیا یا بھول کر؟ باحوالہ جواب درکار ہے۔ کچھ تو بولیں۔

ع جلا کر رکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

امام اعظم پر ایک بار پھر طعن اور زبان درازی کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے مولوی عبدالرحمن مبارک پوری کی تقلید کرتے ہوئے ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے لکھا تھا صاحب مجمع الزوائد علامہ بیہمی نے اس روایت کی سند کے بارے میں کہا ہے ”اسنادہ حسن“ یعنی اس کی سند حسن ہے۔ ملخصاً (ملاحظہ ہو (مسئلہ تراویح صفحہ ۴)

اس کے جواب میں ہم نے اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”جب فی الواقع اس کی سند پر محدثین کا سخت کلام موجود ہے تو وہ حسن کیسے ہو گئی جب کہ اس کے ماہات کی تلافی کرنے والی اور اس کی مؤید کوئی دوسری روایت بھی نہیں“۔ (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۳، ۲۵)

اس کے جواب سے عاجز آکر مؤلف نے حسب عادت اپنی گنبدی، بازاری

مادری زبان میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی شروع کر دی اور پھر وہی پرانا راگ اپنا شروع کر دیا ہے کہ ان پر بھی سخت جرحیں ہیں اگر ان سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں ان جرحوں کے ساتھ عیسیٰ بن جاریہ کی روایت کے حسن اور بیہمی کی تحسین میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔
ملخصاً ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۰)

جس کی مکمل خبر لے کر صفحہ نمبر.... پر ہم مؤلف کا ”بوم بے دالی پن“ واضح کر چکے ہیں۔ اسے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ چند لفظ مزید اتنے کہ

سہ منہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کے بر خلقت خود سے تند

اس میں مؤلف کا قصور نہیں وہ بے چارہ جس ماحول میں پیدا ہوا، پلا بڑھا پڑھا اور دستار کی شکل میں رسہ سر پر باندھا، اس سب پر گستاخوں ہی کا قبضہ تھا۔ پس جلالہ کی طرح اسے گالیاں دینے کی عادت پڑی ہے۔
”حسن اسناد، حسن حدیث کو مستلزم نہیں:-“

علاوہ ازیں کسی روایت کی سند کا حسن یا صحیح ہونا حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کو مستلزم نہیں (کما هو مبرہن فی الاصول) جو خود غیر مقلدین کو بھی مسلم ہے کیونکہ جب انہیں ترمذی سے رفع یدین کی نفی میں حدیث ابن مسعود (الا اصلی بکم النخ) دکھائی جائے جسے امام ترمذی نے ”حسن“ کہا ہے تو وہ اس مقام پر اس کا ایک جواب یہی دیتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد محض تحسین سند ہے جب کہ سند کے حسن ہونے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

پس جو بات خود کو مسلم نہیں وہ ہم پر حجت بنا کر کیوں ٹھونس جا رہی ہے۔
خدا را انصاف۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

مبارک پوری کی طرف سے عذر لنگ:-

ہم نے اس کے جواب میں مزید لکھا تھا کہ مؤلف کے پیش رو عبدالرحمن مبارک پوری نے اپنی کتاب ابکار المنن میں کئی مقالات پر لکھا ہے کہ بیہمی کے کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہہ دینے کا اعتبار نہیں کیونکہ مجمع الزوائد میں ان کی بے شمار اغلاط پائی جاتی ہیں۔ بتائیے کل تک جو کتاب غلطیوں کا پلندہ اور غیر معتبر تھی آج وہ کیسے حجت بن گئی اور جس کے مؤلف پر یقین نہیں تھا اس کے عقیدت مند کیوں بن گئے۔ شاید ضرورت ایجاب کی ماں ہے (ملاحظہ ہو جائزہ صفحہ ۲۵)

اس کے جواب میں مؤلف نے جو قیمتی گفتگو کرتے ہوئے گوبر نشانی کی ہے وہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:- ”رہا سوال حضرت العلام محدث کبیر عبدالرحمن مبارک پوری کا بیہمی کی تصحیح و تحسین پر عدم اطمینان کا اظہار کرنا تو یہ ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی تصحیح و تحسین میں بیہمی پر منفرد ہوں الخ“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰)

اقول:-

مؤلف کا یہ دعویٰ بھی محض دفع وقتی کرتے ہوئے، سخت جھوٹ پر مبنی ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ اتنا بڑا دعویٰ تو کر دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

علاوہ ازیں اگر اس کا تعلق ان کی انفرادی تحسین سے ہے اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ دوسرے کس اہل علم معتمد محدث نے صریحاً اس کی تحسین یا تصحیح کرتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ اس کا کوئی ایک حوالہ تو پیش کیا جائے۔ پس اس کا یہ بلا دلیل دعویٰ اس کی تلیس نہیں تو اور کیا ہے؟

جھوٹ پر خاتمہ :-

مؤلف نے اس بحث کا جھوٹ پر خاتمہ کرتے ہوئے اس کے آخر میں یہ بڑا جھوٹ بولا ہے کہ ”اس حدیث کی تصحیح و تحسین دیگر محدثین فرما چکے ہیں جن میں سے ابن خزیمہ ابن حبان، ذہبی، عسقلانی خصوصاً قابل ذکر ہیں جسے اکابر حنفی علماء بھی تسلیم کر چکے ہیں الخ“ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۰، ۴۱)

اقول :-

یہ مؤلف کا سفید جھوٹ اور ان محدثین پر کھلا افتراء ہے جس کی تفصیل صفحہ پر گزر چکی ہے۔ جس پر مؤلف انتہائی قابلِ مذمت ہونے کے ساتھ ساتھ آفرین اور شاباش کا مستحق بھی ہے اور یہ بات اس کے عظیم مناقب سے ہے کہ اس نے نہایت درجہ استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اس گلی نامہ کو اس کے مقررہ معیار سے گرنے نہیں دیا چنانچہ اس نے اسے جھوٹ ہی سے شروع کیا تھا پھر جھوٹ ہی کا مواد اسے فراہم کیا پھر جھوٹ ہی پر اسے خاتمہ دیا۔ پس جھوٹ کو اس کی غذا اور اس کا اوزھنا پھوننا بلکہ اس کا مذہب کہہ دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ من احب شینا اکثر من ذکرہ۔ وعایا کل احد لا من مرغوباتہ۔

مؤلف کی شیعوں، تعلیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کا پوسٹ مارٹم :-

آخر میں ہم، مؤلف پر اس کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے اس کی ان شیعوں، تعلیوں، ڈینگوں اور لاف گزاف کی خبر لینا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ اس نے عوام پر رعب بھاڑنے، اپنے جاہلوں کو خوش کرنے، غیر مقلدیت کو ہوا دے کر اس کی پھیکی دکان کو چمکانے اور سنی حنفی مذہب کو نیچا دکھانے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے جو گیدڑ بھیکوں

سے زائد نہیں۔

حنفیت کو باطل کہنے کی تعلی کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے اس گلی نامہ (کے صفحہ ۴۱، ۴۲) میں حسبِ عادت اپنی مخصوص زبان استعمال کرتے ہوئے حلالہ کی مثال دے کر حنفیت کو باطل، حلال کو حرام، حرام کو حلال کرنے والا، گندہ مذہب قرار دیا اور فخریہ کہا ہے کہ حلالہ سے بچنے کے لیے لوگ ان سے فتویٰ لیتے ہیں نیز تعلی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا غلیظ مذہب ہے کہ اگر عوام کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ اس سے تائب ہو کر سچے کپے ٹھری (اہل حدیث) بن جائیں۔ پھر یہ شیخی بھی بگھاری ہے کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے۔ اھ ملخصاً

اقول :-

مؤلف کے بازاری قسم کی سخت گندی زبان کے استعمال کرنے پر ہمیں کچھ رنج نہیں کیونکہ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑا البتہ عوام پر مؤلف کے بلند بانگ علمی دعاوی کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اگر وہ اس میں سچا ہوتا تو اسے دلائل کی بجائے ان بے ہودہ باتوں کے زبان پر لانے اور ان سے رسالہ کے اوراق کے سیاہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس اس سے اس نے اپنا ہی بیڑہ غرق کیا ہے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔

ع آوازِ سگال کم نہ کند رزقِ گدارا

باقی رہا حلالہ کا مسئلہ؟ تو ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ حلالہ ہے جو دائرہ شریعت میں رہ کر ہو۔ ایک آدھ رات کے بعد طلاق دینے کی شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی غیرت کے منافی اور قطعاً ”معیوب بات“ ہے جس کا اس مفتزی کو بھی علم ہے سچا تھا تو بے غیرتی والی صورت کے جواز کے ثبوت کے لیے ہماری فقہ کی

کسی معتبر کتاب کا حوالہ کیوں پیش نہیں کیا۔

پھر اگر حلالہ، مطلقاً، معیوب، گناہ اور بے غیرتی ہے تو یہ بے غیرت اس ارشادِ ربانی کا کیا معنی کرے گا فلا تحلل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی حدیث امرأۃ رفاعہ میں اس ارشادِ نبوی کا وہ دشمن حیاء کیا معنی کرے گا؟ لا حتی ینوق عیسلتک کما ذاق الاول، کچھ تو بولیں۔

الغرض دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے حلالہ کی اجازت خود قرآن و حدیث میں موجود ہے اور حنفی مذہب اس مسئلہ میں بھی قرآن و حدیث ہی کا سچا قبیح اور مکمل پیروکار ہے۔ پھر یہ کتنی شوخ چٹشی اور سخت دیدہ دلیری ہے کہ اس مسئلہ میں حرام کو حلال بنا کر پیش کرنے کے مجرم وہ خود ہی ہیں کیونکہ قرآن و سنت اور تمام مخلصین اہل اسلام بالخصوص ائمہ اربعہ کے اتفاق سے بلا تفریق مجلس واحد و غیر واحد تین طلاقوں سے عورت اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے (حتی تنکح زوجاً غیرہ) مگر مؤلف اینڈ کمپنی اس سب سے ہٹ کر اس کے قائل ہیں کہ ایک ہی مجلس میں تین کیا کوئی شخص پوری ایک ہزار دانے کی تسبیح پر طلاق طلاق کا وظیفہ پڑھ کر اپنی بیوی پر دم کر دے تو بھی وہ اس پر حرام نہیں ہوتی اور اس سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ اسے اس کی حسب سابق بیوی قرار دے کر اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اس پر مؤلف فخریہ لکھ رہا ہے کہ ”ملعون حلالہ سے بچنے کے لیے لوگ ہم سے ہی فتویٰ لیتے ہیں اور حنفیت سے توبہ کرتے ہیں۔“ بے شرم خود اپنی اس تحریر میں حرام کو حلال کرنے کا مرتکب ہونے کا کھلے بندوں اقرار کر رہا ہے مگر پھر بھی الزام ہمیں کو دیتا ہے اور ہمیں کو کھتا ہے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ کہ حنفی عوام، مؤلف سے بغیر حلالہ کے اپنی حرام بیویوں کی حلت کا فتویٰ لے کر اس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ جو حرام کھا لے یا حرام کے کھانے پر قتل جائے یا حرام کھانے کا مشورہ دے تو اس کے لیے حنفی مذہب میں شامل رہنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسا حرام خور جائیل غیر مقلد کہلانے اور اسی جماعت کا فرد بننے ہی کا مستحق ہے۔

اس سے مؤلف کے ”محمدی“ ہونے کے جھوٹے دعویٰ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔ جو قرآن و حدیث کا اس قدر باغی اور اتنا بڑا حرام خور اور حرام خوران ہو وہ حضور سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا قبیح کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ”محمدی“ نسبت حضور سید عالم ﷺ کے اسم گرامی سے نہیں بلکہ یہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے ”محمدی“ کا لکھ کر اس پر صلوٰۃ یا سلام کا کوئی صیغہ نہیں لکھا۔

پھر اگر حنفی مذہب واقعی اسی طرح ہے جس طرح مؤلف نے بد زبانی کی ہے تو مؤلف کے جو پیش رو (غیر مقلد علماء) حنفی مذہب کو نہ صرف پسند کرتے بلکہ از روئے احتیاط اسی کو اپناتے تھے تو جناب مؤلف یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنے نمبر کے گندے تھے اور ان کا غلاظت کا نمبر پچھر نمبر کیا تھا؟

رہا اس کا یہ کہنا کہ ضرورت پڑی تو انکشاف کریں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”کیا پدی کیا پدی کا شوربا“ تیرے بڑے بڑے (امرتسری، غزنوی، دہلوی، گوندلوی وغیرہ وغیرہ) یہ آس لے کر اس دنیا سے اپنے اپنے ٹھکانوں کو پہنچ گئے اور ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود وہ بھی حنفیت کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو تو کس بالغ کی مولیٰ ہے۔ پھر تم بد زبانی کرو گے تو مر، ہم بھی نہیں گئے۔ انشاء

اللہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر ہم بھی اس حوالہ سے تمہاری طبیعت ایسی صاف کر دیں گے کہ تمہاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی کہ واقعی کسی سنی حنفی سے پالا پڑا تھا۔ پھر چھانچ تو بولے، چھلتی کیوں بولے جس کو چھ سو چھین چمید ہیں، ازراہ غلط ہم پر کچھ اچھانچے سے پہلے غیر مقلدیت کے فضائل و مناقب، کمالات و محملہ کا بھی ایک باب قائم فرما دیجئے گا۔ مواد جمع کرنے میں گل گھونٹو لاحق ہونے لگے تو ہمارا رسالہ ”آئینہ غیر مقلدیت“ سامنے رکھ لیجئے گا جس سے آپ کو اس کی سوانح عمری اور اس کی خصوصیات کے بیان کے لیے کافی کمک ملی گی۔ پس۔

ہ اتنی نہ بڑھا پاکی دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

چیلنج بازیوں کا پوسٹ مارٹم۔

مؤلف نے عوام پر جھوٹا رعب بھاڑنے اور مداریوں کی طرح خود کو فاتح ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے اس گلی نامہ میں جگہ جگہ پر چیلنج بازیوں سے بھی کام لیا اور اپنی پھکی دکان کو چمکانے نیز سستی شہرت کے حاصل کرنے کی غرض سے غیر ملکی ایڈز کے بل بوتے پر بات بات پر ہزاروں کے انعامات کا اعلان بھی کیا ہے۔

لفظ ”تراویح“ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم۔

چنانچہ لفظ تراویح پر چیلنج بازی کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے:۔ اگر لفظ تراویح ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے تو لفظ تراویح کسی حدیث سے ثابت کرو۔ اگر کسی صحیح یا حسن حدیث سے صراحۃً تم لفظ تراویح ثابت کرو تو تمہیں اس کے عوض مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرأت ہے تو مطلوب حدیث دکھا کر عدالت میں کیس کر کے انعام حاصل کرو ورنہ اس دروغ گوئی اور دھوکہ دہی سے باز آ جاؤ غضب الہی کو دعوت نہ دو الخ۔ (ملاحظہ ہو

صفحہ ۹)

اقول:-

یہ ہے وہ جسے مؤلف اپنی مادری زبان میں ”بودم بے دالی“ کہتا ہے۔ بھلا دنیا کی یہ کس عدالت کا فیصلہ ہے کہ جرم مؤلف کا ہو حساب ذمہ ہو ہمارے۔ لفظ تراویح کا اپنی طرف سے اضافہ کرے وہ اور ثبوت پیش کریں ہم۔ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر کتنی عیاری مکاری ہے مؤلف نے جھوٹ خود بولا۔ دھوکہ خود دیا اور اسے اچھال رہا ہے ہم پر۔ شاید شرم و حیاء دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔

باقی رہا اس کا لفظ تراویح کو اپنی طرف سے حدیث میں بڑھانا؟ تو یہ ایک حقیقت ثابت ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دونوں رسائل میں اس نے حدیث ”ام المؤمنین کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ لفظ تراویح بریکٹ میں لکھا ہے، اگر یہ لفظ اصل حدیث میں تھے تو انہیں بریکٹ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ہیں تو دکھادیں۔

الغرض یہ وہ امر ہے جس کے اثبات کی ذمہ داری مؤلف پر عائد ہوتی تھی مگر نہایت درجہ دجل و تلیس اور فریب دہی سے اس کا ذمہ دار اس نے ٹھہرا دیا ہمیں۔

ہ اگر دجل بروئے زمین است

ہمین است و ہمین است و ہمین است

رہا ”مبلغ دس ہزار روپیہ بذریعہ عدالت لینا؟ تو ہمیں آپ کے حرام پیسے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صرف اپنی آخرت کو بچاتے ہوئے حدیث میں اضافہ کرنے کے جرم سے پہلی فرصت میں توبہ کر لیں پیسے ہی کی زیادہ ضرورت ہے اور ابھی تک سعودی کویتی و دبائی و مراکش اور ریالوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھرا اور ”حل من مزید کی صدا ہے تو حدیث میں آپ نے جو اضافہ کیا ہے

اسے ثابت کر دیں پھر دس کے بیس لیں۔ دیدہ باید۔

شمولیت صحابہ پر چیلنج کا پوسٹ مارٹم :-

روایت جابر "ثمان رکعات" کی بحث کے ضمن میں مؤلف نے یہ تاثر دیا تھا کہ آپ ﷺ ان تین راتوں میں سے صرف تیسری رات میں شریک ہوئے تھے جن میں باجماعت تراویح ادا فرمائی گئی تھی، جس کے صاف اور صریح ثبوت کا ہم نے اس سے مطالبہ کیا تھا جو ہمارا حق بھی تھا، اس کے جواب میں مؤلف نے حسبِ عادت مداریوں والی چیلنج بازی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :- "تمام صحابہ تینوں راتوں میں آپ کے ساتھ تراویح پڑھنے میں شریک تھے اور یہ ہرگز ثابت نہیں اور نہ ہی اسے مقلدین قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں اور اگر یہ ثابت کر دیں تو ہر حدیث کے عوض دس ہزار روپیہ انعام پائیں" اھ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۲۸)

اقول :-

بہت خوب ۔ جس کا ہم نے دعویٰ ہی نہیں کیا اسے ہم ثابت کیوں کریں۔ بات تمام صحابہ کرام کی شرکت یا عدم شرکت کی نہیں۔ زیرِ بحث امر صرف یہ ہے کہ حضرت جابر کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صریح ثبوت کیا ہے جس سے مؤلف نے عاجز آکر یہ غیر متعلق بحث چھیڑی اور اسے لفظ لکے بوجھ کے نیچے دبائے کی غرض سے اپنے جھوٹ کو بچ دکھاتے ہوئے چیلنج بازی کا یہ کرتب کھیلا ہے۔ پیسے کے پجاری! ہمیں آپ کے حرام کے ایک پیسہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ہمیں وہ ہتیا کریں جس کا ہم نے آپ سے مطالبہ کیا ہے اور وہ ہے آپ کے حسبِ دعویٰ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صرف تیسری رات میں شریک ہونے کا صاف اور صریح ثبوت۔ دعویٰ خاص کے لیے دلیل عام

کیونکر کام دے گی۔ آپ ہمارے حسبِ مطالبہ ثبوت پیش کریں ہم آپ کو دس کی بجائے بیس نہ پیش کریں تو عدالت سے رجوع کریں۔

بیس تراویح پر چیلنج بازی کا پوسٹ مارٹم :-

بیس تراویح کے اثبات پر اپنے اس گلی نامہ میں دو جگہوں پر چیلنج بازی کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ :-

"اگر تم رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی میں صرف ایک رات میں تیس رکعت پڑھنا آپ سے ثابت کر دو تو تمہیں تیس (۲۳) ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر جرات ہے تو دلیل دکھا کر انعام حاصل کرو ورنہ دروغ گوئی اور فراڈ کرنے سے توبہ کر لو۔ لوگوں کو گمراہ کر کے عذاب کے مستحق نہ بنو" (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶، صفحہ ۲۷۔ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶) صفحہ ۲۶ پر یہ بھی ہے "آؤ عدالت میں ثابت کر کے انعام حاصل کرو بذریعہ اشتہار یا رسائل جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ نہیں سوائے عوام کو دھوکہ دے کر ان سے دولت وصول کرنے کے" اھ۔

اقول :-

جس قدر ہمارا دعویٰ ہے اس کے مطابق ہم نے رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کے بیس تراویح کے پڑھنے کا ثبوت پیش کر دیا اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا پوسٹ مارٹم بھی کر دیا ہے ملاحظہ ہو (ہمارا رسالہ ہذا صفحہ تا صفحہ)۔ پس ہمیں آپ کی حرام کی کمائی کے تیس ہزار تو کچا اس سے ایک روپیہ کی بھی حاجت نہیں۔ آپ صرف اپنا ایمان درست کر لیں۔ باقی ہمارے رسالہ پر جو تمہیں تکلیف ہوئی ہے، یہ بھی سب آپ کے کیے کا نتیجہ اور "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" کے اصول کے تحت ہے۔ باقی جھوٹ آپ نے بولا ہے۔ دروغ گوئی تم نے کی ہے فراڈ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی ملعون کوشش

• نہ صدے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
 نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں
 • نہ خنجر اٹھے گا نہ شمشیر ان سے
 یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

یا علی مدو

مؤلف گیدڑ بھکیوں کا عادی ہے :-

مؤلف نے شیعوں، تعلیموں اور لاف گزاف پر مبنی اپنی ان تحریرات سے عوام کو شاید یہ بلور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کا کوئی ”مناظر اعظم“ ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے، گیدڑ بھکیاں دینا پھر دم دبا کر بھاگ جانا مؤلف کی عادتِ کریمہ میں سے ہے۔ چنانچہ آج سے کچھ عرصہ پہلے مؤلف نے تحریری طور پر ہمیں رفع یدین کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا جس پر ہم نے شرائط کے طے ہونے کے دوران ہی اس کی خوب ٹھکائی کر دی پس مؤلف کو راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا چنانچہ اس نے یہ کہہ کر نہ صرف نہ فرار بھاگنے کی کوشش کی کہ مناظرہ میں ثالث ایک مرزائی اور ایک عیسائی ہو گا بلکہ تحریری طور پر اپنے وکیلوں کے ذریعہ اپنی شکست بھی ہمیں لکھ کر دے دی جو ریکارڈ پر محفوظ ہے۔ لہذا جس کے دانت دیکھے ہوں اس کا جنم دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بفضلِ تعالیٰ ہم اس کی پوری حقیقت سے پہلے ہی سے واقف ہیں۔ ہاں ایک بات مسلم ہے کہ عیاری مکاری، دجل و تلیس اور جھوٹ اور فراڈ میں ”حضرت صاحب اپنا ثانی نہیں رکھتے۔۔۔۔۔“

مؤلف کی آخری ڈینگ کا پوسٹ مارٹم :-

مؤلف نے اپنے اس گلی نامہ کے آخر میں یہ ڈینگ ماری ہے کہ :-

بھی تم نے کی ہے۔ دولت کمانے کا چکر بھی تم ہی نے چلایا ہے (جس کے کئی ٹھوس ثبوت گزشتہ صفحات میں پیش کیے جا چکے ہیں) پھر میں تراویح کو خلاف سنت قرار دے کر محض آٹھ رکعات کے سنتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ بھی تمہیں نے کیا تھا جس پر ہم نے آپ سے پائی پائی کا حساب لیا۔ اب آپ سلبِ منصب کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی بجائے ساری ذمہ داری ہمیں پر ڈال رہے ہیں اور عدالت و دالت کی باتیں کر کے اصل بات کو ٹال رہے ہیں لیکن فکر نہ کریں آپ کی جان خلاصی نہیں ہو سکتی اور ہم اس وقت تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک آپ کو پوری طرح آپ کے اصل ٹھکانے اور کیفر کردار تک نہیں پہنچائیں گے۔ آئیں عدالت میں اور طے شدہ شرائط کے مطابق آٹھ تراویح کے سنتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کی کوئی ایک صحیح صریح مرفوع مقفل غیر معطل غیر شاذ اور غیر معارض حدیث پیش کریں اور نہ صرف وہ تیس ہزار بلکہ آٹھ ہزار ہمارے حسبِ مطالبہ حدیث کے پیش کرنے کا بھی وصول کریں ورنہ اپنے لفظوں میں ”دروغ گوئی اور فراڈ کرنے سے توبہ کر لو۔ لوگوں کو گمراہ کر کے عذاب کے مستحق نہ بنو“ بذریعہ اشتہار یا رسائل جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ نہیں سوائے عوام کو دھوکہ دے کر ان سے دولت وصول کرنے کے۔“ سرِ دست جو امر بنیادی طور پر زیرِ بحث ہے وہ محض آپ کا آٹھ تراویح ہی کے سنتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ ہے۔ ہم نے بھی بنیادی طور پر اسی کو سامنے رکھا تھا جیسا کہ ہمارے رسالہ کے نام سے بھی ظاہر ہے یعنی آٹھ تراویح کے دلائل کا تحقیقی جائزہ ازروئے بحث ہم نے بیس کے سنتِ رسول اللہ ﷺ کے موضوع پر کب رسالہ لکھا تھا۔ رسالہ تو پہلے آپ نے لکھا لہذا اس کو نمٹانے کے بعد اصولی طور پر بیس کے ثبوت کی بات آئے گی۔ ولینعم ما قیل

”جب تراویح کے موضوع پر تمہاری وہ کتاب جس میں تم نے سیر حاصل بحث کرنی ہے، ہمارے پاس آئے گی تو انشاء اللہ اس کا جواب بھی ملے گا جس کا جواب حقیقت کی ساری دنیا بریلی اور دیوبند سے کوفے تک مل کر بھی نہ دے سکے گی“ اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (گلی نامہ صفحہ ۵۰)

اقول :-

اسے کہتے ہیں ”چھوٹا منہ بڑی بات“ یا ”ہوا زکام مینڈکی کو“ اللہ اللہ۔ جس جاہل سے ہمارے ایک چھوٹے سے رسالہ کا صحیح جواب نہیں بن پڑا اور جو اجہل الناس، ہمارے مختصر سے پمفلٹ کے مطلوبہ جواب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا وہ ہماری اس مفصل کتاب کے کما حقہ جواب سے کیونکر سبکدوش ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس کا جواب لکھو گے تو ہمیں پیشگی معلوم ہے کہ اس سے تم ایک بار پھر پانہ مارا اپنی قوم کا بیڑہ غرق کرو گے جیسا کہ ہمارے اس رسالہ (تحقیق جائزہ) کا نام ہمارا جواب (در حقیقت گلی نامہ) لکھ کر کیا ہے۔ جس میں علم و تحقیق اور کام کی باتوں کے سوا سب کچھ ہے۔

جی قیاس کن ز گلستانِ مرا بہار مرا

آئندہ جواب کی نوعیت :-

لیکن نوٹ کر لیں اگر تمہارا آئندہ جواب علم و تحقیق کے معیار سے گرا ہوا، گلی گلوچ، بد زبانی، کذب بیانی، دجل و نلبیس اور ہیرا پھیری پر مبنی ہوا (جیسا کہ تمہارا یہ پیش نظر رسالہ ہے) تو مسئلہ ہذا میں یہ تمہاری تیسری شکست فاش ہو گی جس کے ہم اصولاً اور اخلاقاً کسی طرح سے بھی اس کا جواب لکھنے کے پابند نہ ہوں گے۔ اور اس سلسلہ میں ہماری اس تحریر کو آخری تحریر تصور کیجئے گا کیونکہ ہمارا قیمتی وقت ایسی فضولیات کا قطعاً مقہور نہیں اور نہ ہی یہ

ہماری افتاد طبع کے مطابق ہے۔ باقی ان سطور کی تحریر کئی وجوہ کی بناء پر مجبوراً عمل میں لائی گئی جب کہ اصولی طور پر اس کے بھی ہم پابند نہ تھے کیونکہ تم اپنے وکیلوں کے ذریعہ اس مسئلہ میں تحریری طور پر اپنی شکست فاش کا اقرار کر چکے ہو جو ریکارڈ پر محفوظ ہے جس کا تفصیلی ذکر صفحہ پر آغاز رسالہ میں ہو چکا ہے۔ مؤلف کا اختتامیہ اور تابوت غیر مقلدیت میں ہمارا آخری کیل :-

مؤلف نے اپنے اس گلی نامہ کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے :- ”ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً وما علينا الا البلاغ المبين والهداية بيد الله المتين“ ملاحظہ ہو (صفحہ ۵۰)

جو مؤلف کے اپنے اصول کے مطابق بدعت مذمومہ ہے ورنہ حسب اصول خود کسی صحیح اور صریح حدیث سے ثابت کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کوئی کتاب لکھ کر یا لکھوا کر ان لفظوں پر اسے ختم فرمایا تھا یا ہیئت کذائیہ کسی کتاب کے آخر میں ان کے لکھنے حکم دیا تھا؟

مؤلف اس بات پر داد اور شاباش کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے اس رسالہ کو اول سے آخر تک اس کے مقررہ معیار پر رکھ کر ہی اسے پایۂ اختتام تک پہنچایا ہے چنانچہ اس نے اس کا آغاز حسب اصول خود خطبہ بدعیہ کے ضمن میں ارتکاب بدعت، نیز جھوٹ اور جہالت سے کیا پھر اسی سے اس کا حجم بڑھایا اور اسی پر اس کا خاتمہ کیا ہے جو واقعی کسی دل گردے والے کا کام ہو سکتا ہے۔

جی اس کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند

نقطہ

ولهذا آخر ما اور دنہ فی هذا الباب واللہ يقول الحق وهو يهدي السبيل۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام

علی سید المرسلین سید و مولانا محمد و علی آلہ وصحبہ و تبعہ
اجمعین

کتبہ الفقیر عبد المجید سعیدی بقلمہ

مفتی و صدر مدرس و مہتمم دارالعلوم جامعہ نبویہ زمیندارہ کالونی
و جامعہ غوث اعظم نبویہ شاہی روڈ رحیم یار خان

غیر مقلدین کے گستاخانہ عقائد و نظریات

عقیدہ نمبر ۱:- غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ)
ملاحظہ ہو۔ (یکروزہ صفحہ ۷۱ طبع ملتان از شاہ اسماعیل دہلوی غیر مقلد) (فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۵۵
طبع لاہور از مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلد)

تبصرہ: پھر کیا اعتبار رہا قرآن کا؟ ہو سکتا ہے کہ اس میں جھوٹ ملا ہوا ہو۔ (معاذ اللہ)
عقیدہ نمبر ۲:- غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ
ہو (فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۵۵ طبع لاہور از مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلد)

عقیدہ نمبر ۳:- غیر مقلدوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف عرش پر ہے اسے ہر جگہ
مانا بے دینی ہے۔ ملاحظہ ہو (موطأ مالک مترجم اردو جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۰۴ طبع میر محمد کراچی از
مولانا وحید الزماں غیر مقلد)

تبصرہ: پھر جب حاضر ناظر ہونا تمہارے نزدیک خدا کی صفت ہی نہیں تو اسے حضور
علیہ السلوٰۃ والسلام کے حق میں شرک کیوں کہتے ہو؟

عقیدہ نمبر ۴:- غیر مقلدین کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ آدھی رات کے وقت پہلے آسمان پر
آ جاتا ہے اور وہ اس وقت عرش پر نہیں ہوتا (یعنی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں)۔ (ملاحظہ ہو
حدیث المہدی صفحہ ۱۰ طبع دہلی از مولانا وحید الزماں غیر مقلد)

عقیدہ نمبر ۵:- غیر مقلدین کے عقیدہ میں خدا کو بھی آئینہ واقعات کا پہلے سے علم
نہیں ہوتا بلکہ اسے بھی معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ (ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان صفحہ ۵۳
طبع المحدث اکادمی لاہور از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۶:- تمام انبیاء اور اولیاء کرام کو غیر مقلدین ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر
سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰۴ طبع اہل حدیث اکادمی لاہور از اسماعیل
دہلوی)

عقیدہ نمبر ۷:- تمام انبیاء اور اولیاء کرام کو غیر مقلدین چوڑے پتار سے بھی زیادہ
ذلیل سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان صفحہ ۴۳ - طبع اہل حدیث اکادمی لاہور۔ از
اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۸ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ماننا چاہیے۔
(معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان صفحہ ۳۹، طبع اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۹ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء کرام کی تعظیم بڑے بھائی جیسی کرنی چاہئے۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱۱، طبع اہل حدیث اکادمی، لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۰ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء کرام کی تعریف، بشر سے بھی گھٹا کر کرنی چاہئے۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱۵، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور۔ از اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۱ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال لانا، نیل اور گدھے کے تصور سے بھی زیادہ برا ہے۔ (معاذ اللہ) (ملاحظہ ہو! صراط مستقیم اردو صفحہ ۱۶۹، طبع اسلامی اکادمی لاہور از شاہ اسماعیل دہلوی غیر مقلدین)

عقیدہ نمبر ۱۲ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں نماز میں حضور ﷺ کا خیال لانے سے نمازی کافر ہو جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) (صراط مستقیم صفحہ ۱۷۰، طبع مذکور)

عقیدہ نمبر ۱۳ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام، بدعت اور سخت جرم ہے۔ (معاذ اللہ)

ملاحظہ ہو: تقویۃ الایمان صفحہ ۳۷، طبع ابجدیٹ اکادمی لاہور، انوار التوحید صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵، طبع نعمانی کتب خانہ لاہور۔ از صادق سیالکوٹی۔ غیر مقلدین۔

عقیدہ نمبر ۱۴ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ تعالیٰ مرکز مٹی میں ملنے والا کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱۳، طبع ابجدیٹ اکادمی لاہور از شاہ اسماعیل دہلوی)۔

عقیدہ نمبر ۱۵ :- غیر مقلدین کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک جوتیوں کے نقشہ کی تعظیم کرنا بدعت اور ہندوؤں کی رسم ہے۔ (معاذ اللہ)۔ ملاحظہ ہو: (تذکیر الاخوان مشمولہ تقویۃ الایمان صفحہ ۶، طبع میر محمد کراچی از شاہ اسماعیل دہلوی)

عقیدہ نمبر ۱۶ :- غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا سبز گنبد اور دوسرے انبیاء و اولیاء کرام کی مزاروں کے گنبد اور اونچی مزاروں کا گرا دینا واجب ہے۔ (معاذ اللہ)

ملاحظہ ہو - عرف الجادی صفحہ ۶۰، طبع بھوپال۔ از ابن صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلدین

عقیدہ نمبر ۱۷ :- غیر مقلدین کے نزدیک مزاراتِ اولیاء پر قبے یا مقبرے بنانا سخت بدعت اور بیہودوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا کام ہے۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (تذکیر الاخوان صفحہ ۷۶، طبع میر محمد کراچی) (مشمولہ تقویۃ الایمان)

عقیدہ نمبر ۱۸ :- غیر مقلدین حضور ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس طرح سے گستاخی بھی کرتے ہیں کہ ان کے اسماء طیبہ بغیر القاب و آداب کے لے کر کہتے ہیں جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان صفحہ ۸۲، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۱۹ :- غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے منظور نظر اور مشہور نعت خواں (قصیدہ بردہ شریف کے مصنف) حضرت امام بوہیری محض رسول اللہ ﷺ کی ثاخوانی کی وجہ سے مشرک ہیں (معاذ اللہ) ملاحظہ ہو (قرۃ العیون الموحدین۔ شرح کتاب التوحید۔ مترجم اردو صفحہ ۲۷۹۔ طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۰ :- غیر مقلدین کے نزدیک امام الاولیاء سید محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود میں ان کی اتباع کرنے والے لوگ (جیسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا انور کشمیری وغیرہ علماء دیوبند) روئے زمین کے تمام کافروں سے بڑھ کر کافر ہیں۔ ملاحظہ ہو (قرۃ العیون الموحدین صفحہ ۲۸۳، طبع لاہور)

تبصرہ: مگر غیر مقلد عالم وحید الزماں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت ابن عربی بہت بڑے ولی اللہ اور مسلک اہل حدیث کی پیروکار تھے۔ ملاحظہ ہو (ہدیہ الہدی صفحہ ۵۰ - ۵۱)

عقیدہ نمبر ۲۱ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید پلید برحق تھا۔ ملاحظہ ہو (رشید ابن رشید، صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۶ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۹) (از مختلف علماء اہل حدیث۔ طبع لاہور)

نیز رسالہ ”دعوتِ فکر“ از مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد۔ خطیب جامع مسجد توحیدی بستی نورے والی رحیم یار خان

تبصرہ: یاد رہے کہ اس رسالہ میں مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد نے یزید کو کئی مرتبہ ”امیر المومنین“ لکھا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین کے نزدیک یزید کو امیر المومنین کہنا سخت جرم

ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو آپ نے غصے ہو کر فرمایا تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے۔ اور اس میں کوڑے لگوائے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب۔ جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۳۶۱۔ طبع حیدر آباد دکن) نیز اسی رسالہ میں غیر مقلد یزیدی مذکور نے کئی مقامات پر یزید کے فاسق و فاجر اور ظالم ہونے سے انکار کر کے اسے نہایت ہی صالح، متقی اور پرہیزگار قرار دیا ہے۔ مگر غیر مقلدین کے امام اسماعیل دہلوی نے یزید کو بہت برا کہا ہے ملاحظہ ہو: (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۲۔ طبع لاہور)

نیز غیر مقلدین کے پیشوا قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو یزید کے مقابلہ میں امام حسین کو باغی کہتے ہیں۔ ملاحظہ (نیل الاوطار۔ جلد نمبر ۷۔ صفحہ نمبر ۱۹۹۔ طبع مصر از قاضی شوکانی غیر مقلد)

علامہ ازیں غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں نے اپنی کتاب ہدیہ الہدی صفحہ ۹۸ پر یزید کے نام کے ساتھ ”لعنہ اللہ“ کے الفاظ لکھے ہیں۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ یزید پر لعنت کرے۔ اور کہا ہے کہ ہم نے یزید پر اس لئے لعنت کی ہے کہ اس پر ہمارے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے لعنت بھیجی ہے۔ اھ محکمہ مولوی بشیر صاحب یزید کو نائق قرار دے کر اس پر لعنت بھیجنے والے اپنے گھر کے ان علماء پر کیا فتویٰ عائد کریں گے؟ کچھ تو بولیں....

نوٹ: مولوی بشیر احمد حسیم غیر مقلد کے حضرت امام حسین کے خلاف لکھے گئے مذکورہ بالا رسالہ کا مسکت جواب انشاء اللہ جلد منظر عام پر آ رہا ہے (سعیدی)

عقیدہ نمبر ۲۲: غیر مقلدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ یا کسی اور بزرگ کو شفع سمجھنے والا سنی مسلمان ابو جہل کے برابر کا مشرک ہے۔ ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳، طبع اہل حدیث اکادمی۔ لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۳: غیر مقلدین کے نزدیک یہودیوں، عیسائیوں اور دنیا کے دوسرے تمام کافروں کا ذبیحہ حلال ہے۔ مگر سنی بریلوی مسلمانوں کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ حلال جانور کو اللہ کا نام لے کر بھی کیوں نہ ذبح کریں۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی۔ فارسی صفحہ نمبر ۱۱۔ ۱۰۔ طبع بھوپال)

عقیدہ نمبر ۲۴: غیر مقلدین کے نزدیک صحابہ کرام کے فتوؤں کا کچھ اعتبار نہیں۔ ملاحظہ

ہو (عرف الجادی صفحہ ۸۰۔ صفحہ ۱۱۱۔ طبع بھوپال)

عقیدہ نمبر ۲۵: غیر مقلدین کے عقیدہ میں روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان کافرو مشرک ہیں۔ ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان۔ صفحہ ۸۷۔ ۸۸۔ طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۶: غیر مقلدین کے عقیدہ میں محفل میلاد شریف (معاذ اللہ) گندی بدعت بلکہ شرک ہے۔ اگرچہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ ملاحظہ ہو (اہل حدیث کا مذہب صفحہ ۳۱ تا ۳۲ طبع اہل حدیث اکادمی لاہور۔ از ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد)

تبصرہ مگر غیر مقلد عالم صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں ”جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو وہ مسلمان نہیں“ ملاحظہ ہو (الاشیاء الغریبہ من مولد خیر البریہ۔ صفحہ نمبر ۱۲)

نیز غیر مقلد عالم وحید الزماں صاحب نے اس محفل کو جائز لکھا ہے۔ (ہدیہ الہدی عربی۔ صفحہ نمبر ۱۱۸۔)

عقیدہ نمبر ۲۷: غیر مقلدین کے نزدیک اولیاء کرام کا عرس منانا بدعت اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے (اہل حدیث کا مذہب صفحہ نمبر ۳۹)

عقیدہ نمبر ۲۸: غیر مقلدین کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنے والے اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنے والے تمام سنی مسلمان مشرک ہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب صفحہ نمبر ۴۸۔ تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۵۰، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور)

عقیدہ نمبر ۲۹: غیر مقلدین کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والے تمام حنفی (سنی اور دیوبندی) کافرو مشرک ہیں (الاشیاء الثاقبہ صفحہ نمبر ۶۲، طبع دیوبند)

عقیدہ نمبر ۳۰: غیر مقلدین کے نزدیک چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی کہلانے والے تمام سنی اور دیوبندی بدعتی ہیں۔ (تذکیر الاخوان صفحہ نمبر ۶۵۔ ۶۶، طبع کراچی)

عقیدہ نمبر ۳۱: غیر مقلدین کے عقیدہ میں یا رسول اللہ یا علی یا غوث اعظم کہنے والے سب مشرک ہیں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۲۹۔ ۷۸، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۲: غیر مقلدین کے عقیدہ میں نبی، ولی کے لئے اللہ دیا ہوا علم یا اختیار

ماننا بھی شرک ہے۔ (تفویہ الایمان صفحہ نمبر ۳۶، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۳ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں انبیاء و اولیاء کرام کی مزارات پر غلاف ڈالنے انہیں چوسنے یا ان کی چوکت کو بوسہ دینے والے بھی سب مسلمان مشرک ہیں اگرچہ وہ اولیاء و انبیاء کو خدا کا برگزیدہ بندہ سمجھ کر بھی ایسا کریں۔ (تفویہ الایمان صفحہ نمبر ۳۷-۳۸، طبع لاہور)

عقیدہ نمبر ۳۴ :- غیر مقلدین کے نزدیک حضور ﷺ کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے سنی مسلمان مشرک ہیں۔ (تفویہ الایمان صفحہ نمبر ۵۴) انوار التوحید صفحہ نمبر ۱۷۹

عقیدہ نمبر ۳۵ :- غیر مقلد عالم وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں ”اہل الحدیث ہم شیعہ علی“ یعنی شیخان علی اہل حدیث ہی ہیں (ہدیہ المہدی صفحہ نمبر ۱۰۰)

عقیدہ نمبر ۳۶ :- غیر مقلدین کے عقیدہ میں حضور ﷺ کو ”نور“ ماننا شرک ہے ملاحظہ ہو (انوار التوحید صفحہ نمبر ۱۱۵- طبع لاہور۔ از صادق سیالکوٹی)

تبصرہ :- مگر غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا اور اس سے باقی مخلوق پیدا فرمائی (ہدیۃ المہدی) صفحہ نمبر ۵۶- طبع دہلی

عقیدہ نمبر ۳۷ :- غیر مقلدین اپنی تقریروں میں کہا کرتے ہیں کہ رفع یدین کے بغیر نماز نہیں ہوتی حالانکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین کرام پہلی تکبیر کے علاوہ پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو (ترمذی جلد ۱) صفحہ نمبر ۵۸، طبع قرآن محل کراچی)

تبصرہ :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو رفع یدین کی حدیثوں کا معنی نہیں آتا تھا اور ان کی تمام نمازیں باطل تھیں؟

عقیدہ نمبر ۳۸ :- غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مقتدی اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے حالانکہ صحابی رسول حضرت نبی اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں امام کے پیچھے نہ خود قرات کرتے نہ دوسروں کو کرنے دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو (موطأ مالک عربی۔ صفحہ نمبر ۶۸- طبع کراچی)

تبصرہ :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قصداً اپنی اور دوسروں کی نمازیں تباہ کرنے میں لگے رہے اور ان کی کوئی نماز صحیح نہ تھی یاد رہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غیر مقلدین کے رفع یدین کی مرکزی حدیث کے مرکزی راوی ہیں۔ ان کے بقول جب انہوں نے اپنی نمازیں برباد کر دیں تو وہ (معاذ اللہ) فاسق ہوئے۔ پس ان کے ہاں ان کی وہ رفع یدین والی روایت کیسے معتبر ہے کہیں بیٹھا بیٹھا ہپ ہپ کر دیا کر دیا تھو تھو والا معاملہ تو نہیں؟

غیر مقلدین کے بعض شرمناک مسائل

☆ غیر مقلدین کے نزدیک ایک شخص بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے۔

(عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۱۱، طبع بھوپال) ملاحظہ ہو پارہ نمبر ۴، آیت نمبر ۳ سورہ النساء

تبصرہ :- مگر قرآن اس کے خلاف کہتا ہے۔

☆ غیر مقلدین کے نزدیک مرد اور عورت کی منی ملاطنا پاک ہے اور ان کے نزدیک

اس کے پلید ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملادیتا ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۰، طبع بھوپال)

(نزل الابرار جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۰، از وحید الزمان، طبع بنارس) (الروضۃ البندیہ جلد نمبر ۱،

صفحہ نمبر ۲۰، طبع لاہور)

☆ شراب، بہتا ہوا خون، کتے، سور اور مردار غیر مقلدین کے نزدیک پاک ہیں۔ اور وہ

کہتے ہیں کہ ان کے پلید ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۰،

تبصرہ مبارک باد!)

☆ غیر مقلدین کے نزدیک بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو

(عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۵)

☆ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مشت زنی جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ کبھی واجب ہو جاتی

ہے۔ اور وہ کہتے ہیں یہ کام (معاذ اللہ) صحابہ کرام بھی کرتے تھے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ملاحظہ

ہو عرف الجادی صفحہ نمبر ۲۰، طبع بھوپال)

تبصرہ :- ہرچہ فوائد کن۔

☆ غیر مقلدین کے نزدیک کنویں میں کتا مر جائے جب تک رنگ 'بو' مزہ تبدیل نہ ہو پانی حلال اور پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (فتاویٰ نذیریہ، جلد ۱، صفحہ نمبر ۲۳۸، طبع اہل حدیث اکادمی لاہور)

تبصرہ: کیا ہی پیارا مشروب ہے جناب کا!.....

☆ غیر مقلدین کے نزدیک اپنے نطفہ زنا کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۰۹، طبع بھوپال)

تبصرہ: غیر مقلد مذہب کو ایسے ہی فتوے اور ایسے ہی مفتی زیب دیتے ہیں۔

☆ جوتے پر نجاست لگی ہو اسے زمین پر رگڑ لو پھر وہی جوتا پہن کر مسجد میں چلے جاؤ اور اسی میں نماز ادا کرو، جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (عرف الجادی صفحہ نمبر ۱۱)

☆ حلال اور حرام جانوروں کا پیشاب، سوز کے پال اور اس کا چمڑا، اس کی اوجھڑی سب پاک ہیں۔ اسی طرح کتے اور سوز کی تھوک اور ان کا جھوٹا، یونہی کتے کا پیشاب پاخانہ بھی پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۱، صفحہ نمبر ۵۰، طبع بنارس، از وحید الزمان غیر مقلد)

تبصرہ: کیا انہیں استعمال میں لانا چاہیے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان پر عمل کی ممکنہ صورتیں بتائی جائیں۔

☆ کتا اور اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ کتے کو بیچنا اس کی کھال کا ڈول اور منہ ملنا درست ہے۔ کتا پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہیں ہو گا۔ اگرچہ اس کا منہ بھی اس میں ڈوب جائے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۰، طبع بنارس)

تبصرہ: ان پر عمل کی ممکنہ صورتیں کیا ہیں؟

☆ کوئی شخص کتے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۰)

تبصرہ: کیا مطلب! کتے کو اٹھا کر نماز پڑھنی ثواب ہے؟

☆ کتے اور خنزیر کا جھوٹا پاک ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۱، طبع بنارس)

☆ کچھ اہل حدیث متعہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۲، صفحہ نمبر ۲۳)

☆ سسر اگر بہو سے زنا کرے تو وہ بیٹے پر حرام، نہیں ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۲۸)

تبصرہ: یعنی اسے ایسا کرنا چاہیے؟

☆ ساس سے بغل گیر ہوا، اسے بوسے دے، حتیٰ کہ اس سے زنا کر لیا تو بیوی پھر بھی حلال ہے۔ ملاحظہ ہو (نزل الابرار، جلد ۲، صفحہ نمبر ۲۸)

تبصرہ: یعنی ماں بیٹی پر اکٹھے ہاتھ صاف کرتا رہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟ فقط

یہ قصہ لطیف ابھی نا تمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا

اشتہار واجب الاظہار

نماز میں تحت ناف یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں غیر مقلد مؤلف کے ایک سخت افتراء پر

شدید احتجاج

غیر مقلد مؤلف موصوف نے کچھ عرصہ پہلے ”ایک بریلوی مفتی کے جھوٹ، خیانت“ اور جہالت کا اپریشن“ کے زیر عنوان اپنے کسی مقلد کے قلم سے ایک پمفلٹ لکھوا کر اس کی فوٹو کاپیاں، شہر کے مختلف حصوں میں تقسیم کرائیں۔ جس سے لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہوا جس میں یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے کہ ان کی راقم الحروف سے ”مرد و عورت کے نماز میں سینہ پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے موضوع پر بحث ہوئی۔ نیز یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ میں اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکا اور اس پر بعض غلط قسم کی روایتیں پیش کیں نیز بعض علماء کے اقوال کو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنا کر پیش کیا ہے۔ جو اس کا مجھ پر شدید افتراء اور سخت جھوٹ ہے جس پر جتنی لعنت کی جائے کم ہے اور اس کا سب سے بہتر جواب ہے لعنتہ اللہ علی الذین یبکون۔

فقیر واللہ العظیم حلفیہ بیان کرتا ہے کہ اس پمفلٹ میں ہونے والی جس بحث کا حوالہ دیا گیا ہے، فقیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس حوالہ سے غیر مقلد مؤلف یا اس کے کسی مقلد سے میری تحریر ”یا تقریر“ آج تک کبھی کہیں پر بھی کوئی بحث نہیں ہوئی ورنہ کیا مؤلف قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ بتا سکتا ہے کہ فقیر کے ساتھ اس کی یا اس کے کسی ہمنوا کی یہ بحث کب کہاں اور کس وقت ہوئی تھی۔ نیز وہ حلفیہ بیان کر سکتا ہے کہ اگر یہ اس کا یا اس کے ہمنواؤں کا جھوٹ ہو تو اس کی موجودہ یا متوقعہ ہر بیوی پر حکم شرع کے مطابق (اور اس کے مذہب کی رو سے پڑ جانے والی) تین طلاقیں پڑیں؟؟؟

اور اگر اس کا تعلق کسی اور صاحب سے ہے اور یہ تحریر فقیر کے بارے میں نہیں تو اصل مد مقابل کا نام کیوں اور کس حکمت کی بناء پر چھپایا گیا اور فقیر کے بارے میں لوگوں کو یہ دھوکہ کیوں دیا گیا؟ دو ٹوک جواب دیں۔ فقط